فقہ اکبر، فقہ ابسط ، ہیں تصنیفِ امامِ اعظم
فقیہِ اوّل ، امامِ اوّل ، کتب اُنکی امامِ کل
فقہ اکبر کے راوی ہیں، حماد ابنِ امامِ اعظم
فقہ ابسط کے راوی ہیں، حکم تلمیذ امامِ اعظم

ترجمہ

اَلفقہ الاکبر

تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں جس نے اپنا فضل عظیم کرتے ہوئے ہمیں اہل السنّت والجماعت کے راستے کی طرف راہنمائی فرمائی؛ اور بے حد وحساب درود وسلام ہو اللہ تعالی کے محبوب رسول محمد ﷺ پر جو اخلاق حسنہ کا بہترین نمونہ ہیں۔ اور آپکی آلؓ اور اصحابؓ پر جو ساری دنیا کے لئے صراطِ مستقیم پر چلنے کے لئے مشعلِ راہ ہیں؛

پہلا باب اعتقاداتِ اجمالیہ

امام اعظم اور ہمام الافخم والاقدم ، قدوۃ الانام امام الزمان امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی الکابلی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ:

﴿اهل السنة والجماعة کے اجمالی عقائد میں﴾

عقیدہ نمبر:۱

توحید، اور ایمانیات کی وہ باتیں جن سے عقائد کے درست ہونے کا پتہ چلتا ہے اسکا اجمالی تعارف یہ ہے: کہ ہر آدمی اس بات کا اپنی زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے کہ: آمنتُ باللّٰہ ، و ملئکتہٖ و کتبہ و رسلہ و البعثِ بعد الموت و القدرخیرہٖ و شرّہ منَ اللّٰہ تعالی و الحساب و المیزان و الجنّة و النّارحقٌّ کلہٗ یعنی میں اللہ تعالی پر، اس کے فرشتوں، اس کی تمام کتابوں، اسکے سارے رسولوں ، اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے ، اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے ، اور مرنے کے بعد اعمال کے حساب وکتاب ، اعمال کے تولے جانے والی میزان، اور جنت و دوزخ کے موجود ہونے پر ایمان لایا؛ اور اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ تمام باتیں اللہ کی طرف سے ہیں، اور حق ہیں ان میں کسی میں کوئی شک نہیں؛

....

نوٹ: اللہ تعالی کی مشیت کے مطابق ایمان لانا لازم ہے خواہ اس بات کے سمجھنے میں انسانی عقل کام کرتی ہو یا نہ کرتی ہو؛ اگر چہ موجودہ زمانے میں جدید سائنسی علوم نے ان ایمانیات کی بنیادی باتوں کو روز روشن کی طرح واضح کردیا ہے اس کے باوجود عام لوگوں کا ذہن ان کے سمجھنے سے قاصر ہے ؛ اور

....

کسی عالم کو یہ بات زیبا نہیں کہ: وہ مجمع عام میں انکی ایسی سائنسی توجیہات بیان کرتا پھرے کہ لوگ اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے اور ایمانیات کی باتوں کو چھوڑ کر سائنسی توجیہات اور بے مقصد قیل قال میں الجھ کر رہ جائیں

اقسام توحید: توحید باری تعالی کی چار قسمیں ہیں

ا: توحید ربوبیت اور خالقیت:

انسان اس بات کا اقرار کرے کہ ساری کائنات کا خالق اور اسکا رب، اور قائم رکھنے والا اللہ تعالی ہے؛ خواہ وہ کائنات محسوس ہونے والی (vsibal) ہو ؛ یا غیر محسوس (unvisible) اور محسوس ہونے کے لحاظ سے کائنات کی دو قسمیں ہیں (۱): انسانی حواس کے ذریعے محسوس کی جا سکے (۲): انسانی حواس کے ساتھ محسوس کی نہ جا سکے؛ اور محسوس کیا جانا تین قسم پر مشتمل ہے

[۱] انسان اپنے **ظاہری حواس خمسہ** کے ذریعے محسوس کرے: اور اسکی پانچ اقسام ہیں

(۱.۱) **قوت سامعہ**: یہ قوت انسان کے سننے میں کام آتی ہے، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ انسان قیامت کے دن کہے گا: لو کنا نسمع او نعقل ما کنّا فی اصحاب السَّعیر؛ یعنی اے افسوس ہم دنیا میں سنانے والوں کی بات سن لیتے، یا سمجھانے والوں کی سمجھ لیتے؛ اور دنیا میں انسان کو سمیع اور بصیر بنایا گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: فجعلناہ سمیعاً بصیراً یعنی ہم نے انسان کو سننے اور دیکھنے کی صلاحیت دیکر پیدا کیا

....

(۲.۱) **قوت باصرہ**: یہ قوت انسان کے دیکھنے کے کام آتی ہے؛ جیسے اللہ تعالی نے فرمایا: ربنا ابصَرنا و سمِعْنا؛ اے ہمارے رب دکھا ہمیں، اور سنا؛ یا جیسے آیۃ مذکورہ میں ارشاد باری تعالی مذکور ہوا ہے (۳.۱) **قوت لامسہ**: یہ قوت انسان کے کسی محسوس یا غیر محسوس چیز پکڑنے کے کام آتی ہے جیسے اللہ تعالی نے فرمایا: واذا بطشتُم بطشتُم جبارین یعنی اور جب تم نے پکڑا تو تمہارا پکڑنا جابر لوگوں کی مانند تھا

(۴.۱) **قوت شامہ**: یہ قوت انسان کے سونگھنے کے کام آتی ہے جیسے انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے ما شممتُ ریحاًقط مسکاًو لا عنبراًأطیب من ریح رسول اللہ ﷺ ؛ اخرجه الستة؛ میں نے کبھی مسک اور عنبر کی خوشبو ایسی نہیں دیکھی جیسے رسول اللہ ﷺ کے پسینے کی خوشبو ہوتی تھی

(۵.۱) **قوت ذائقہ**: یہ قوت انسان کے مختلف اشیاء کے ذائقے چکھنے کے کام آتی ہے؛ جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وذُوقوا عذاب الخُلد جزائاً بمَا کانُوا یَعْمَلُون اللہ تعالی کا دائمی عذاب میں پڑے رہو جو تمہارے برے اعمال کا نتیجہ ہے؛

[۲] انسان کے **باطنی حواس خمسہ**: انکی پانچ قسمیں ہیں

یہ لطائف اہل السنّت والجماعت کے نزدیک اگر چہ ذریعۂ علم نہیں ہے مگر ائمہ تصوف جیسے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی مکتوبات شریفہ میں ، اور ائمۂ فلسفہ اسلام جیسے شیخ ملا صدر الدین شیرازی اپنی کتاب الحکمۃ المتعالیہ میں انکو ذرائع علم باطنی وروحانی شمار کرتے ہیں لہذا انکو اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے ان میں لطافت ہونے کی وجہ سے ان کو لطیفہ کہا جاتا ہے؛ اور لطائف ....

کی تعداد بھی پانچ ہے اور بقول مجدد الف ثانیؒ یہ پانچوں قسمیں انسانی قلب کی پانچ جہتیں ہیں

(۱.۲) **لطیفہ قلب**: یہ حس انسان میں متعدد مقاصد کے لئے استعمال ہوتی ہے مثلا طہارۃ و پاکیزگی؛ سمجھ و دانائی وغیرہ؛ جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: الا بذِکرِ اللّٰہِ تطمئِنُّ الْقُلُوب؛ یادرکھو اللہ تعالی کی یاد سے دلوں میں اطمنان ہوتا ہے

(۲.۲) **لطیفہ روح** یہ حس اللہ تعالی غیبی دنیاوی نظام دیکھنے سمجھنے میں کام آتی ہے جیسے ارشاد باری ہے: قل الروح من امر ربی اے نبی آپ فرما دیجئے کہ روح اللہ تعالی کے امر کا اظہار ہے

(۳.۲) **لطیفہ سرّ**: یہ حس اللہ تعالی کے مخفی راز، غیب کی باتیں سمجھنے میں کام آتی ہے؛ جیسے فرمان خداوندی ہے: انہ یعلم السر و اخفی بے شک اللہ تعالی سر اور اخفی

کے رازوں کو جانتے ہیں

(۴.۲) **لطیفہ خفی**: یہ حس اللہ تعالیٰ کی غیبی دنیا میں عملی شمولیت کے کام آتی ہے جیسے معجزات کرامات جادو استدراجات وغیرہ کے اثرات دکھانے یا کرنے کے کام آتی ہے؛ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: یعلم خائنة الاعین وما تُخفِی الصُّدُور؛ یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو آنکھوں سے پوشیدہ اور سینوں کے مخفی بھید جانتی ہے

(۵.۲) **لطیفہ اخفی**: یہ حس انسان میں تسخیر کائنات کا جذبہ اور ملکہ پیدا کرتی ہے جیسے فرمان خداوندی ہے: انہ یعلمُ السِّرّ واخفٰی بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ سر اور اخفی کے رازوں کو جانتے ہیں

....

[۳] **مصنوعی انسانی اسباب**:

اس میں وہ تمام اسباب شمار کئے جاتے ہیں جو دنیا کی زندگی کے مختلف تجربات کے دوران معلوم ہوتے ہیں؛

(۱) اس میں ٹیلی مواصلات میں استعمال ہونے والے تمام حساس قسم کے آلات

(۲) اور (Micro research) خورد بینی تحقیقات کے تمام اوزار

(۳) (Micro Surgical instruments) وہ تمام اوزار جو آپریشن کے دوران استعمال ہوتے ہیں

(۴) اور خلائی تحقیقات (Space sciences) میں استعمال ہونے والی مشینری؛ اور خلائی سائنسز میں استعمال ہونے والی (heavy telescope)

(۵) اور سمندری حیات کی تحقیقات کے لئے استعمال ہونے والے کیمرے

(۶) اور تمام (Military sciences) کے فوجی مقاصد کے لئے استعمال ہونے والے از حد حساس (sensitive) آلات وغیرہ؛ انسان کے حصول علم کے مصنوعی اسباب ہیں؛ اور ان آلات کے ذریعے حاصل ہونے والا علم کمیّت اور کیفیت کے اعتبار سے علم ظنی ہے نہ کہ علم یقینی ہے؛

۲: توحید الوہیت یا توحید معبودیت:

اس قسم کا مقصد یہ ہے کہ: ہر قسم عبادت خواہ وہ حقیقی اور مقصودی ہو یا عملی اور غیر مقصودی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو سزاوار ہے؛ اور ہر قسم کی مشکلات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ذات کو اپنا ماویٰ اور ملجاء نہ سمجھا اور جانا جائے؛ اور اس بات کا زبان و عمل سے اقرار اور قلب و باطن سے اس بات کی تصدیق کی جائے کہ الٰہ اور معبود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے؛

....

۳: توحید اسماء اور صفات:

اس قسم کی عبادت کا مقصد یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء اور صفات جو اپنے لئے مقرر اور مختص فرمائے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے ؛ اور اس کا ذاتی نام اللہ ہے اور صفاتی نام بے شمار ہیں؛ ان میں ننانوے نام زیادہ معروف ہیں؛ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولِلّٰہ الاسمآءُ الحُسنٰی فادعُوہ بھا؛ اور اللہ تعالیٰ کے بہت سارے اچھے اچھے نام ہیں لہذا ان ناموں کو اس کے پکارنے کا ذریعہ بناؤ ؛

۴: توحید حکم اور امر:

اس قسم کا مطلب یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہی تمام احکامات کے اصلی حاکم؛ اور تمام امور کے حقیقی آمر ہیں؛ خواہ وہ حکم دینی ہو جیسے ارشاد باری ہے: ثم جعلناك علی شریعة من الامرفاتبعها؛ پھر ہم نے آپ کے لئے شریعت مقرر کی ہے تاکہ آپ اس کی اتباع کریں؛

یا وہ حکم دنیاوی ہو جیسے ارشاد باری ہے: انِ الحُکمُ الّاللّٰہ اَمَرَ انْ لّاتعبدُوا الّا ایّاہ ذٰلكَ الدِّینُ القَیّم ؛ یعنی ہر طرح حکم دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے؛ اسنے حکم دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی دین قیم ہے؛

یا امر تکوینی ہو جسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: اذا قضٰی اَمْراً فانّما یقُولُ لہُ کُنْ فَیَکُون؛ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کے وجود میں لانے کا ارادہ فرماتے ہیں تو حکمِ

[ہوجا] فرماتے ہیں وہ کام اسی طرح ہوجاتا ہے؛ اوراسی طرح ابراہیمؑ کی ایک سودس برس کی عمر اورانکی بیوی سارہ کی ایک سو برس کی عمر میں انکواولاد کی خوشخبری دی گئی ،جس پر حضرت سارہؓ اس بات پر تعجب کرنے لگیں کہ میں سو..............................

سالہ بڑھی کواولادہوگی؟ جس کے جواب میں فرشتے نے فرمایا: قالُوا اَتَعجبِينَ مِن اَمرِ اللّٰه ؛ یعنی فرشتہ حضرت سارہؓ سے کہنے لگا: کیا تو اللہ کی تقدیر اور تکوین کو وجود میں آنے کو ناممکن سمجھتی ؟

یا اللہ تعالی کی رضاء سے کوئی امر صادر ہو جیسے ارشاد باری تعالی ہے: الرّوحُ من اَمرِ ربّی ؛ یہ روح میرے پروردگار کے امر کا ظہور ہے؛

یا امر تشریعی ہو جیسے ارشاد باری تعالی ہے: و کأيّن مّنْ قَرْيَةٍ عتَت عَنْ اَمرِ ربّهاو رسُله فحَاسَبْناها حِساباً شديداً وعذَّبْناهَا عَذاباَ نُكراً؛ کتنے علاقے ایسے تھے جو اپنے پروردگار کے امر اور اسکے پیغام لانے والوں کے احکامات ماننے سے انکار کرتے رہے؛ پھر ہم نے انکا سخت قسم کا محاسبہ کیا اور اس محاسبے میں ناکام ہوجانے کی وجہ سے انکو عجیب قسم کے عذاب میں مبتلاء کردیا؛

یا امر تقدیری ہو جیسے ارشاد باری تعالی ہے: و كان امر الله قدراً مقدوراً؛ اور اللہ تعالی کا حکم: تقدیر میں مقدر اور مقرر کردیا گیا ہے؛

اور حکم میں اللہ تعالی کا کسی کو شریک کرنا بھی شرک ہے جیسے اللہ تعالی کا قول ہے و لا تطيعُوا امرَ المُسرفِين؛ اور حد سے گزرجانے والوں کے احکامات کی پیروی نہ کرو؛ اور امر میں بھی اللہ تعالی کا اختیار چلتا ہے جیسے قول باری تعالی: ليسَ لكَ مِنَ الْامرِ شَيء او يتُوبَ عليهم او يُعذّبَهُم؛ اے نبیؐ آپکے پاس اس بات کوئی اختیار حکم یا امر نہیں کہ انکی توبہ قبول کرے یا انکو عذاب دے؛ معلوم ہوا کہ امر اور حکم بھی صرف اللہ تعالی کا حق ہے؛

معرفت توحید کے مراتب:

توحید خداوندی اور معرفت الٰہیہ کے تین درجے ہیں

....

۱: **عوام الناس کی توحید**: یہ وہ مرتبہ ہے جس میں آدمی زبان سے اقرار اور دل سے اس بات کی تصدیق کرے کہ: اشهدُ ان لّا اِلٰه الاّاللّٰه واشهدُ انّ مُحمّداً عبدُه و رسوله؛ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس اقرار کا **فائدہ** یہ ہے کہ آدمی کفر سے نکل کر ایمان کی حدود میں داخل ہوجاتا ہے اور یہ اللہ تعالی کی معرفت کی طرف پہلا قدم ہے؛ اور اسی سے آدمی شرک کی حدود سے نکل کر ایمان کی سرحدوں میں آجاتا ہے؛ اور اس مغفرت الٰہی کا مصداق بن جاتا ہے جس کی بنیاد صرف اور صرف توحید باری تعالی پر رکھی گئی ہے، جیسے ارشاد باری تعالی ہے: ان الله لايغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء؛ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی اپنے ساتھ شرک کرنے والے کو نہیں بخشتے؛ اور باقی اپنی مشیت کے مطابق جس کو چاہیں بخش دیتے ہیں؛

۲: **خاص لوگوں کی توحید**: اور وہ یہ ہے آدمی کے باطن میں خوف خدا کی وجہ سے اخلاق حمیدہ پیدا ہوکر اخلاق رذیلہ نکل جائیں؛ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے

اخلاق حمیدہ:

اخلاق حمیدہ جن کے انسان میں پائے جانے سے کمال روحانی کی دلیل ہے اور ان کی تعداد دس ہے؛

۱: **توبہ واستغفار**: جیسے ارشاد باری ہے: يآ ايّهاالّذِين آمنُواتُوبُوااِلَى اللّٰه تَوْبَةً نَّصُوحاً؛ یعنی اے ایمان والو اللہ کی بارگاہ میں ایسی سچّی اور سُچی توبہ کرو کہ اس

....

کے بعد گناہ کا تصور بھی نہ آئے؛

۲: **صبر** یعنی اللہ تعالی کی طرف سے آنے والی ہر تکلیف اور مصیبت میں آہ و بکا کرنے کی بجائے صبر کرے؛ اسکا اللہ کی طرف سے بہت بڑا اجر ہے جیسے ارشاد باری تعالی ہے: فجعلنَاهُم آئمّةً يّهدُون بِاَمْرنَالمّاصبرُوا؛ پھر صبر کرنے کی وجہ ان لوگوں کو ہم نے عامۃ الناس کی ہدایت اور اپنے امور کی تکمیل کے لئے امام بنادیا؛

۳ **شکر و رضاء**: اللہ تعالی کا ہر وقت اور ہر حال میں شکر کرنا جیسے ارشاد باری تعالی ہے: وان تشكروا يرضه لكم یعنی اگر تم شکر کرو تو اللہ تم سے راضی ہوجائے گا

۴خوف وخشیۃ الٰہی: یعنی اللہ تعالی کا ایسا ڈر اور خوف جو ہمہ وقت انسان محسوس کرتا ہو جیسے اللہ تعالی نے فرمایا: وامّامن خاف مقام ربّه ونَهَى النفس عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنّة هِيَ الْمَأْوٰى؛ اور جو شخص اپنے رب کے عزت اور مقام کے پیش نظر اس سے ڈرا، اور اپنے نفس کو ہوا وہوس سے روکتا رہا اس کا ٹھکانا جنت ہوگا؛

۵: امید ورجاء: یعنی اللہ تعالی سے مغفرت کی امید رکھے جیسے اللہ تعالی نے فرمایا: قَالَ وَمن يّقنطُ مِن رَّحمةِ رَبّه اِلّاالضَّالُّون؛ یعنی اللہ رب العالمین کی رحمت سے گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں؛

۶: توکل وتفویض؛ ہر مشکل میں اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے اللہ تعالی پر بھروسہ کرے جیسے اللہ تعالی نے فرمایا: وَمَن يَّتَوَكّل عَلَى اللّٰهِ فَهُو حَسبُه؛ اور جو شخص اللہ تعالی پر توکل کرتا ہے اس کی ہر بگڑی ہوئی میں اللہ..................................

تعالی اس کو کافی ہو جاتے ہیں؛

۷: اخلاص یعنی اپنا ہر عمل خالص اللہ تعالی کی رضاء کے لئے کرے جیسے اللہ تعالی نے فرمایا: اِلّا الّذِينَ تَابُواوَاَصلحُواوَاعتَصمُوابااللّٰه وَاَخلصوا دينهم لِلّه فأُؤلئك مع المُؤمنِين ؛ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ اور اصلاح کی اور انہوں نے اللہ تعالی پر اندھا اعتماد اور اپنے دین کے معاملہ میں اخلاص اختیار کیا، یہی لوگ اصل اہل ایمان میں سے ہیں؛

۸: زُہد واستغناء: اللہ کی عطاء کردہ نعمتوں پر اسکا شکر یہ اور جو نعمتیں عطاء نہ کی گئی ہوں ان نعمتوں سے زہد اور استغناء اختیار کرے جیسے اللہ تعالی نے فرمایا: لِكَيلَا تَأْسَوعَلى مَا فَاتكُم وَلاتَفرَحُوا بِمَاآتَاكُم ؛ یہ کہ کہیں ایسا نہ ہو تم اللہ تعالی کی طرف سے نہ ملنے والی اشیاء پر دست افسوس ملنے لگو، اور جو نعمتیں مل جائیں ان پر خوشی سے پھولے نہ سماؤ؛

۹: انابت، ورجوع الی اللہ اور محبت باری: اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور سے محبت نہ ہو اور ہر ضرورت میں اسی کی طرف رجوع ہو جیسے ارشاد ربانی ہے: يُحبّونهُم كَحُبّ اللّه وَ الّذِين آمنُوا اَشدّ حبًّا للّه؛ وہ ان سے محبت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالی سے محبت کی جاتی ہے، اور اہل ایمان اللہ تعالی کے ساتھ شدید محبت کرتے ہیں؛ اور انابت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد باری تعالی ہے: وَاَنِيبُوا اِلٰى ربّكم وَاَسلمُوالَهٗ ؛ اور تم اپنے آپکو پروردگار کی طرف جھکاؤ، اور اس کے مطیع اور فرمانبردار بندے بن جاؤ؛

۱۰: رضاء بر قضاء باری تعالی: انسان کے لئے اللہ تعالی کا جو بھی فیصلہ اور مرضی ہو اس پر انسان خوش رہے جیسے فرمان باری تعالی ہے: وَلٰكنْ لِيَقْضِيَ اللّٰه اَمْرًا

....

كَانَ مَفْعُولًا؛ اور اس لئے کہ اللہ تعالی کا امر پورا ہوا اور وہ پورا ہو کر ہی رہتا ہے

اخلاق رذیلہ:

اور انسان کے باطن سے اخلاق رذیلہ دُھل جائیں، کیونکہ انسان میں ان کا پایا جانا انسانی روحانیت کے زوال کی علامت ہے اور ان کی تعداد دس ہے؛

(۱) **شہوت یعنی** خواہشات نفسانی اور جسمانی سے اجتناب اور پرہیز کرے؛ اور جسمانی خواہشات چار ہیں (۱.۱) کثرتِ کلام: ہر وقت اور بے مقصد بولتے رہنا (۲.۱) کثرتِ خردونوش: ہر وقت بلاضرورت بلاکسی تمیز کھاتے رہنا (۳.۱) کثرتِ نیند: ہر وقت سوتے رہنا اور سستی میں مبتلاء رہنا (۴.۱) کثرتِ دوستاں: جاہل، بے مقصد، غیر ذمہ دار، آوارہ دوستوں کی کثرت ہونا؛ جیسے اللہ تعالی نے فرمایا: وَلَاتَتّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰه ؛ اور اپنی خواہشات کی اتباع نہ کرو ورنہ وہ آپکو اللہ ذوالجلال کے راستہ سے ہٹادیں گی: وَاَمّامَن خَافَ مَقَامَ رَبّه وَنَهَى النَّفس عَنِ الْهوٰى فَانّ الْجَنّةَ هِيَ الْمَأْوٰى؛ اور جو شخص اپنے پروردگار کے مقام کو جان کر اس سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہشات نفسانی سے روکتا رہا تو اسکا مقام جنت ہوگا؛

۲: حرص ولالچ اور ہوا وہوس: انسان اپنی خواہشات کی تکمیل میں زیادہ سے زیادہ کوشش کرتا ہے: جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے: اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَاتَمَنّٰى؛ کیا انسان کو وہ سب کچھ مل سکتا ہے جس کی وہ تمنا کرے؛

۳: غیض وغضب: انسان کو وجہ بے وجہ غصہ آجائے اور اپنے آپ سے باہر ہو جائے جیسے اللہ تعالی کا قول ہے: وَ رَدّ اللّٰهُ الّذِيْنَ كَفَرُوابِغَيْظِهِم لَم

....

يَنَالُوا خَيرًا؛ اور کفار کے غیض وغضب کی وجہ سے اللہ تعالی انکو رد کردیا؛ اور وہ کبھی خیر حاصل نہیں کرسکتے ؛

اور ایمان والوں کے لئے ارشاد ربانی ہوا جیسے: وَالْـكَـاظِـمِينَ الْغَيظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ؛ اور ایمان والے ایسے لوگ ہیں کہ غصے پر قابو پاجاتے ہیں اور ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کرنے والے لوگوں سے عفو ودرگزر کرتے ہیں ؛

۴: **حسد وکینہ اور بغض**: اس عادت میں انسان اندر ہی اندکسی برائی کی غرض جلتا اور کڑھتا رہتا ہے اور اسکی جلائی ہوئی آگ میں نہ جانے کتنوں کو جلنا پڑتا ہے؛ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: قل اعوذ برب الفلق ......ومن شر حاسد اذا حسد؛ا ور اے نبی آپ کہہ دیجئے میں ہر ایک چیز کے آغاز کرنے والے رب کی پناہ میں آتا ہوں ......اور حاسدین کے شر سے جب وہ حسد کرنے پر آمادہ ہوجائیں ؛

۵: **حب جاہ ومال**: انسان اپنی محبت دنیا کی عارضی اشیاء میں تلاش کرتا ہے اس میں حلال وحرام کی تمیز بھی ختم ہوجاتی ہے، اگر خواہش حاصل ہوجائے تو خوش ہوجاتا ہے اور نہ ملنے پر شور وشغف کرنے لگتا ہے جیسے اللہ تعالی نے فرمایا: ومنهم من يلمزك فی الصدقات فان اعطوا منها رضوا وان لم يعطوا منها اذا هم يسخطون ؛ اور ان لوگوں میں بعض صدقہ کے مال میں لالچ رکھتے ہیں اگر انکو یہ مال دے دو، تو خوش ہوجاتے ہیں اور اگر نہ دو تو ناراض ہوجاتے ہیں ؛

۶: **بخل وکنجوسی** یعنی انسان کے پاس سب کچھ ہونے کے باوجود اپنی ضروریات مناسب طریقے سے پوری نہ کرے بلکہ کمینگی کو اپنا شیوہ اور عادت بنائے رکھے

....

جیسے ارشاد باری تعالی ہے: ولا يحسبن الذين يبخلون بما آتاهُم اللّٰه من فضله هو خيرٌ لّهم بل هُو شرّ لهم؛ اور اللہ تعالی کی طرف سے اسکا فضل اور مال مل جانے پر بھی بخل کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے انکے لئے خیر ہے، بلکہ مال کا حق ادا نہ کرنا تو انکے لئے شر اور برا ہے؛

۷: **اسراف وفضول خرچی**: انسان اللہ تعالی کے دیئے ہوئے مال کو صحیح طور پر خرچ کرنے کی بجائے غیر مناسب طریقے سے بے مقصد خرچ کرے اس قسم کے لوگوں کے بارے اللہ تعالی کا فرمان ہے: ان المبذّرين كانوا اخوانَ الشّياطين؛ بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں ؛

۸: **غرور وتکبر**: یعنی انسان اپنی بڑائی کرتا پھرے اور بقول شیخ سعدی

؎ تکبر عزازیل راخوار کرد بزندان لعنت گرفتار کرد

یعنی تکبر نے شیطان کو ذلیل وخوار کردیا اور لعنت کے قید خانے کا قیدی کروادیا؛ اور ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالی کا فرمان ہے: ولا تصعّر خدّك للنّاس ولا تمش فی الارضِ مرحاً انّ اللّٰه لايُحبّ كلّ مُختالٍ فخُور؛ اور اپنا چہرہ لوگوں سے تکبر کرتے ہوئے نہ پھیر اور نہ ہی زمین پر اکڑ کر چل اللہ کسی تکبر کرنے والے اور دکھلاوہ کرنے والے کو پسند نہیں فرمتے ؛

۹: **ریاء وسُمع اور دکھلاوہ**: یعنی نیکی کرنا مگر مقصد لوگوں کی رضا ہو اور ہر عمل لوگوں کے دکھلاوے کی غرض سے کیا جائے؛ جیسے ارشاد باری ہے: لا تبطلوا صدقاتكم بالمنّ و الاذٰى كالّذين يُنفق مَالهُ رئَاء النّاس؛ اپنے صدقات احسان جتلانے اور ایذاء رسانی سے باطل اور ضائع نہ کرو، ان لوگوں کی طرح جو اللہ تعالی کی بجائے لوگوں کے دکھلاوے کے لئے اپنا مال خرچ کرتے ہیں ؛

....

۱۰: **عُجب وخودرائی**: یعنی انسان اپنے دل میں تکبر کرتا اور اسکا کسی کے سامنے اظہار نہیں کرتا: جیسے ارشاد باری ہے: بل عجبتَ ویسخرون واِذَا ذکّروا لايذكُرُون، واذارَؤوآ يةً يستسخرون؛ بلکہ کفار لوگ عجب میں مبتلاء ہوکر تمسخر کرتے ہیں اور اللہ تعالی کو یاد نہیں کرتے اور اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو تمسخر کرنے لگتے ہیں

۳: خاص الخاص لوگوں کی توحید

یہ توحید اور معرفت خداوندی کا آخری مرتبہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ مقام **وحدت الوجود** یا مقام **وحدت الشھود** پر فائز ہوجائے اور اس کو: ان تَعبد اللّٰه كانك تراه فان لم تكن تراه فانّه يراك؛ کی عملی شکل حاصل ہوجائے اور بندے میں اللہ تعالی کے لئے: نحن اقرب اليه من حبل الوريد؛ کا مکمل احساس بیدار ہوجائے. اسی مقام کے بارے میں امام جلال الدین رومیؒ مثنوی میں ارشاد فرماتے ہیں

؎ گفتہ ئے او گفتہ ئے اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ملائکۃ اللہ: یہ اللہ تعالی کی نورانی مخلوق ہیں اور لا یعصون الله ما امر هم و یفعلون ما یؤ مرون ؛یعنی اللہ تعالی کے احکامات کی پابندی کرتے اور اسکے حکم کی بجا آوری میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں، انکی کئی اقسام ہیں اور ہر ایک اپنے فرض کی بجا آوری میں مصروف ہے ان پر موت نہیں آتی البتہ قیامت کے دن ان پر بھی موت آئے گی، اور یہ مذکر مؤنث نہیں ہوتے انسانوں کی طرح اللہ تعالی کی عبادت کرنے کی وجہ سے انکی ترقی ہوتی ہے، اور باقی مسائل کی تفصیل انکے اپنے مقام پر آئیگی.

....

کتب الٰہی: کل ایک سو چار کتب اللہ کی طرف سے نازل کی گئی تھیں؛ حضرت آدمؑ پر دس صحیفے؛ حضرت شیثؑ پر تیس صحیفے؛ حضرت ابراہیمؑ پر دس صحیفے؛ حضرت موسیٰؑ پر توریت اور کچھ صحیفے بھی نازل ہوئے تھے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: صحف ابراهیم و موسی؛ حضرت داودؑ پر زبور؛ حضرت عیسیٰؑ پر انجیل؛ قرآن کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم؛ اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ سے پہلے کی تمام معروف زبانوں میں کتب اور صحیفے نازل فرمائے تھے؛ ارشاد باری ہے: وما ارسلنا من الرّسولٍ الا بلسان قومه؛ یعنی ہم نے ہر نبی کو اسکی قوم کی زبان میں نبی بنا کر بھیجا تھا؛ اور ارشاد ہے: وان مّن اُمّةٍ الا خلا فیها نذیرٌ؛ یعنی دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جسمیں ہم نے اپنا کوئی نہ کوئی ڈرانے والا نہ بھیجا ہو؛ اس لئے رسول اللہ ﷺ سے قبل تمام امتوں کے معزز اور محترم شخصیات کا احترام لازم ہے؛ اور انکی گستاخی سے ایمان کے زائل ہونے کا خطرہ ہے؛ اللہ تعالی ہماری اور ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے؛

انبیاؑ و رسل: مسلمان مؤرخین کا اس بات پر اجماع ہے کہ: انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے؛ جبکہ بعض روایات میں تعداد اس سے زیادہ میں نقل کی گئی ہے؛ ان میں پہلے حضرت آدمؑ اور آخری ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؛ ان میں رسولوں کی تعداد اصحاب بدر یا اصحاب طالوت کی مقدار کے برابر یعنی تین سو تیرہ ۳۱۳ تھی؛ ان رسولوں میں پانچ اولوالعزم ہیں اور انکا تذکرہ قرآن کریم میں بھی ہے اور وہ حضرت نوحؑ؛ حضرت ابراہیمؑ؛ حضرت موسیٰؑ؛ حضرت عیسیٰؑ؛ حضرت محمد ﷺ ہیں؛ اور ان انبیاء میں سے پانچ نبی عرب سے ہیں: حضرت ہودؑ؛ حضرت صالحؑ؛ حضرت اسماعیلؑ؛ حضرت شعیبؑ؛ حضرت محمد

....

ﷺ ہیں

مشقی سوالات

۱: اجمالی ایمان لانے کے لئے جن سات اشیاء کا ماننا لازمی ہے وہ کیا ہیں؟
۲: توحید کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کریں؟
۳: توحید کی کتنی اقسام ہیں اور کون کون سی ہیں؟
۴: توحید امر اور حکم خداوندی سے کیا مراد؟ کیا دنیا میں رائج جمہوری نظام شریعت کے مطابق ہیں یا اس سے اختلاف ہے؟
۵: اللہ کے فرشتوں پر ایک تفصیلی مضمون تحریر کریں!
۶: انبیاء اور رسل میں فرق اور انکی تعداد بتائیں؟
۷: اللہ تعالی کی طرف سے نازل شدہ کتب کی تعداد؛ اور مشہور کتابوں کے نام بتائیں؟
۸: حضرت موسیٰؑ پر توریت کے علاوہ بھی کوئی کتاب نازل ہوئی تھی؟

عقیدہ نمبر: (۲) اللہ تعالی کی وحدانیت

اور اللہ تعالیٰ واحد ہیں مگر آپکی وحدانیت تعداد کے لحاظ سے نہیں؛ کہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالی اس لحاظ سے واحد ہیں کہ دو یا تین نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالی کی وحدانیت میں عدد کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں؛ ہم واحد کا مطلب یوں بیان کریں گے کہ اللہ تعالی کا واحد ہونا اس لحاظ سے ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود ارشاد فرمایا: قُل هوالله احدالله الصمدلم یلد ولم یولدولم یکن له کفواًاحد ؛ یعنی اے نبیؐ! آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ اکیلا ہے، اور وہ ہر ایک سے بے نیاز ہے؛ وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا؛ اور نہ ہی اس سے کوئی اور شخصیت پیدا ہوئی ہے؛ اور اس کا ہمسر کوئی نہیں ہے؛

عقیدہ نمبر:(۳) اللہ تعالی سے مشابہت

اوراس اللہ تعالی کی ذات اورصفات کی مانندکوئی چیزنہیں ہے؛اورنہ اللہ تعالی اپنی کسی پیداکردہ چیز کے مشابہ ہے،اورنہ کوئی چیزاس کے مشابہ ہے؛

عقیدہ نمبر:(۴)

وہ اللہ تعالی اپنے تمام اسماء وصفات خواہ ذاتی ہوں یافعلی ان تمام سمیت ہمیشہ سے ہےاور ہمیشہ رہے گا؛

عقیدہ نمبر:(۵) اللہ تعالی کی ذاتی صفات

اوراللہ تعالی کی ذاتی صفات مندرجہ ذیل ہیں

(۱)الحیاۃ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حیٔ اورزندہ ہےاوررہےگااوریہ زندگی اللہ تعالی کی ذاتی ہےایسانہیں کہ کسی کی طرف سے عطاء کی گئی ہو

(۲)القدرۃ:یعنی اللہ تعالیٰ کاہر چیز پرہروقت بلاکسی مجبوری اورپریشانی کے قادرہیں

(۳)العلم:یعنی اللہ تعالیٰ کوہربات اورہرشئے کادائمی اورازلی طورپرعلم ہے

(۴)الکلام یعنی اللہ تعالیٰ ازل سے بلاکسی مجبوری حدود کےمتکلم ہیں

(۵)السمع:یعنی اللہ تعالیٰ کے سننے کی صفت کہ وہی اصل سمیع ہے

(۶)البصیر:یعنی اللہ تعالیٰ کےبصیر ہونے اورہرایک کوہروقت دیکھنے کی صفت کامالک ہے

(۷)الارادہ:یعنی اللہ تعالیٰ کےارادہ کرنے کی صفت کہ وہ اپنےارادہ میں کسی وقت،ضرورت،مسئلہ اورمکان کےمحتاج نہیں؛

عقیدہ نمبر:(۶) اللہ تعالی کی صفات فعلیہ

اوراللہ تعالیٰ کی اکثرصفات فعلیہ ہیں جن میں سے چندایک مندرجہ ذیل ہیں

(۱)لتخلیق یعنی اللہ ہرچیزکےخالق اورپیداکرنے والے ہیں

(۲)الترزیق یعنی اللہ تعالیٰ ہرایک کورزق دینے والے ہیں اورہرایک اپنی بقاء کے لئے اسی کے رزق کامحتاج ہے

(۳)الانشاءیعنی کائنات میں ہرقسم اورہرچیزکی بڑھوتری اورنموّاللہ تعالی کی مشیت کےمرہون منت ہےاگروہ نہ چاہےتوکچھ بھی نہ ہو

(۴) الابداع یعنی ہرنئی چیزیاعمل کاپیداکرنااوراس کاآغازاللہ کی ....

نوٹ:اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات میں کسی کامحتاج نہیں اوراس اللہ تعالی کی وجہ سےکائنات کی ہرچیزموجودہ شکل میں ہےاگروہ اس میں تبدیلی کردےتویہ کائنات کا موجودہ نظام بدل جائےاورتمام اعمال سےجونتیجہ ہم اخذکرتےہیں اسی ذات کی وجہ سےنتیجہ دیتےہیں،جیسے آگ جلاتی ہے،پانی بہاتا،ہوااڑاتی،اورمٹی پگھلاتی ہے؛اوراگرذاتِ باری تعالی اس(schedule)یاپروگرام کوعارضی یامستقل طورپربدل دےتویہ کائنات میں ہمیشہ کےلئےبدل جائے؛اوراسکےبعدآگ کا جلنا،پانی کابہنابدل جائےگا؛جیسےاللہ تعالی کاآگ کوٹھنڈاہونےکافرمان کہ :یانارُکونی بردا و سلاما علی ابراھیم یعنی اےآگ ابراہیمؑ کےلئےٹھنڈی اورسلامتی والی ہوجا!اورموسیٰؑ کےذریعےپتھرکوپانی بن جانےکافرمان:اضرب بعصاك الحجر،کہ اےموسیٰ اپنی لاٹھی پتھرپرمارو.یاداوٗدؑ کےذریعےلوہےکوحکم باری تعالی ہوتاہے:وَ اَلَنّالَہُ الۡحَدِیۡد؛اورہم نےلوہےکوداودعلیہ السلام کےلئےنرم کردیا؛

جانب سے ہےاوروہی اسکوبناتاہے،اس کی کاریگری،اوراچھوتےکام کرنے والاہے

(۵)الصنع یعنی کائنات میں ہرطرف اسی کی صنعت اورکاریگری کارفرماہےوغیرہ

عقیدہ نمبر:(۷)اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں

اللہ تعالی اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے؛اور ان کا کوئی اسم یا صفت حادث نہیں ہے؛

عقیدہ نمبر:(۸)

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے عالم اور اپنے ہی علم سے عالم ہیں؛اور علم اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے

....

نوٹ:اس صفت میں اللہ تعالی کسی کے محتاج نہیں اور اگر کوئی کسی کے عطاء کردہ علم کا عالم ہوتو ہم اسکو عالم الغیب نہیں کہتے ، کیونکہ اللہ تعالی نے اپنی صفت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے: عالِمُ الغَیبِ فلَایُظهرُ علی غَیبهٖ اَحداً ، اِلّامَنِ ارْتَضٰی مِن رّسولٍ فانّه یسلُكُ منْ بینِ یَدَیه وَمِنْ خَلفِه رَصداً. یعنی اللہ تعالی عالم الغیب میں ہیں اور انکے غیب اور چھپی ہوئی باتوں سے کوئی شخص آگاہ نہیں ہوسکتا،سوائے اسکے ان رسولوں کے جن کو آگاہ کرنے پر وہ راضی ہوا اور اسکو مطلع کرنا چاہے مگر حفاظت کیلئے اسکے آگے پیچھے نگہبان مقرر فرما دیتا ہے؛

عقیدہ نمبر:(۹)

اور اللہ تعالیٰ اپنی ہی قدرت کے ساتھ قادر ہیں اور قادر ہونا اسی کی ازلی اور دائمی صفات میں سے ہے،

عقیدہ نمبر:(۱۰)

اور اللہ تعالیٰ اپنے ہی کلام سے متکلم ہیں اور کلام اللہ تعالیٰ کی ازلی اور دائمی صفت ہے؛

عقیدہ نمبر:(۱۱)

اور اللہ تعالیٰ اپنی صفت تخلیق کی وجہ سے خالق ہیں اور تخلیق اللہ تعالی کی ازلی صافت میں سے ایک صفت ہے

عقیدہ نمبر:(۱۲)

اور اللہ تعالیٰ اپنے فعل کی وجہ سے فاعل ہے اور فعل اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات میں سے ایک صفت ہے؛

....

نوٹ: جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا فعَّالٌ لِمَا یُرید یعنی اللہ ویسے ہی کرتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے؛اور جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: الم تر کیف فَعَلَ ربك بعاد، کیا تو نے نہیں دیکھا؟ کہ تیرے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اور فرمایا:الم تر کیف فَعَلَ ربّك باصحَاب الفیل، یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا؟ کہ تیرے رب نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

عقیدہ نمبر:(۱۳)فاعل مفعول اور فعل کی حقیقت

اور حقیقی معنوں میں فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور فعل اللہ کی ازلی صفات میں سے ایک صفت ہے اور تمام مفعول اللہ تعالی کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق اور اس کے امور کا ظہور ہیں؛ جبکہ اللہ تعالی کے افعال غیر مخلوق اور غیر حادث ہیں

عقیدہ نمبر:(۱۴)

اور اللہ کی تمام صفات ازلی، غیر فانی، غیر محدث اور غیر مخلوق ہیں؛

عقیدہ نمبر:(۱۵)صفات باری تعالی کو حادث ماننے کا حکم

لہذا جو شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق یا حادث ہیں یا اس بارے میں توقف کرنے کا نظریہ رکھے یعنی اسکے موافقت یا مخالفت میں کوئی

رائے قائم نہ کرے . یا اللہ کی صفات کے قدیم یا حادث ہونے کے بارے میں شک کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے؛

....

نوٹ:اس میں پانچ بحثیں ہیں

پہلی بحث یہ کہ اللہ کی ذات وصفات میں کیا فرق ہے؟

یعنی اللہ تعالی کی ذات وصفات میں اتفاق ہے یا تضاد؟اس میں اهل السنة والجماعة کا عقیدۃ یہ ہے کہ صفات نہ تو ذات باری تعالی کا عین ہیں اور نہ ہی ذات سے جدا ہوکر اپنا مستقل وجود رکھتی ہیں؛اسی لئے امام ابو الحسن ....

الاشعری فرماتے ہیں:ان الاسم هو الصفة وقسمه تقسيم الصفات، یعنی اسم صفات باری ہی کا نام ہے اور اسکی تقسیم صفات کی تقسیم کی طرح ہے؛اور یہ اسماء اور صفات ایک ذات کا پتہ دیتی ہیں نہ کہ خود ذات ہیں؛ اگر کوئی انکو ذات سمجھ کر یاد کرنے لگے تو یہ ایک قسم کا شرک ہے اسی لئے اللہ تعالی نے اس بات سے منع فرماتے ہوئے کہا:ماتعبدون من دونه الااسمائاً سمّيتُموها؛ یعنی جو تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو یہ تو صرف نام ہیں جو تم نے خود ہی رکھ چھوڑے ہیں؛تو اس سے یہ پتہ چلا کہ بعض اوقات لوگ نام کو ذات سمجھ کر اسکی عبادت شروع کردیتے ہیں؛اور اللہ تعالی نے اس کی طرف سے توجہ ہٹاتے ہوئے فرمایا:سبح اسم ربك الاعلی؛ یعنی اللہ رب الاعلی کی تسبیح کیا کرو.اسی بناء پر ہم صفات کو عین ذات اور نہ غیر ذات باری قرار دیتے ہیں جیسا کہ صاحب قصیدۃ بدأ الامالی فرماتے ہیں:

صفاتُ اللّه ليستْ عينَ ذاتٍ   ولاغَيراً سواه ذَا انْفصالِ

یعنی اللہ تعالی کی صفات نہ تو عین ذات باری تعالی ہیں اور نہ ہی ذات باری سے جدا ہوکر اپنا مستقل وجود رکھتی ہیں

دوسری بحث:

یہ ہے کہ ذات باری کی طرح صفات باری تعالی قدیم ہیں یا حادث؟

صفات باری کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ صفات جو صفت فعل سے مشتق (۲) وہ صفات جو ذات والا صفات سے وابستہ ہیں

(۱) ذات سے وابستہ ہونے والی صفات تو ہمارے عقیدہ میں ذات باری تعالی کی طرح قدیم ہیں.البتہ فرق یہ ہے: ذات سے وابستہ صفات ذات باری کی مانند

....

دائمی اور قدیم اور بلا تجدد اور حدوث ہیں

(۲) جبکہ دوسری وہ صفات جو فعل سے مشتق ہیں:ان میں قدیم بالتجدّد ہیں(Repetition forever)اس پہلی قسم فعل سے مشتق ہوں جیسے الخالق ؛ الرازق ؛ المصور؛

ائمہ وحدة الشهوديه کے نزدیک یہ صفات ذات باری تعالی سے ظاہر ہوتی ہیں اور اسکا مظہر غیر خدا تعالی ہوتا ہے،جبکہ ائمہ وحدة الوجودية کے نزدیک یہ صفات ذات باری سے ظاہر ہوکر ذات میں لوٹ جاتی ہیں انسے ظاہر ہونے والا عکس لوگوں کے سامنے ظہور کرتا ہے؛اسی لئے صاحب قصیدۃ بدأ الامالی فرماتے ہیں:

صفاتُ الذّاتِ والافعالِ طُراً   قديماتٌ مَصُونَاتُ الزَّوالِ

یعنی:اللہ تعالی کی صفات خوہ ذاتیہ ہوں یا فعلیۃ علی الاطلاق دائمی اور قدیم ہیں،ہر قسم کے زوال اور تغیر وتبدیلی سے پاک ہیں؛اور اگر کسی غیر کے فعل سے مشتق ہوں جیسے المعبود؛ المشکور؛یہ ازلی نہیں کیونکہ اسکا تعلق ذات باری تعالی سے نہیں ہے بلکہ مخلوق سے ہے اور مخلوق کا فعل بھی مخلوق کی طرح مخلوق ہوتا ہے؛

تیسری بحث:یہ کہ اللہ تعالی کی صفات کی تعداد کتنی ہے؟

اللہ تعالی کی وہ صفات جن پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے اور نقل صحیح سے منقول اور توقیفی ہیں:ان للـه تسعة وتسعون اسماًمائة غير واحدة من احصاها دخل الجنة [اخرجه البخاری ، المسلم ، الترمذی ، ابن ماجه ، احمد]

انکی تعداد ننانوے ہے اور یہی ہیں جن کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:من ....

احصاها دخل الجنة ، یعنی جس نے انکو یاد کرلیا وہ جنت میں داخل ہوگا،اور یاد کرنے سے مراد:من عرف اسمآء اللّه تعالی واعتقدهاومات علی

ذلك فهو من اهل الجنة، یعنی جوانکو جانے ، یاد کرے ، اسکے مطابق اپنا عقیدہ بنائے ، اور اسی پر اسکو موت آئے وہ سیدھا جنت میں جائے گا؛ ورنہ اسکے علاوہ اللہ تعالی کے بے شمار اسماء ہیں جونقل صحیح سے منقول نہیں اور نہ ہی توقیفی ہیں .انکی تعداد تین ہزار تک بھی ذکر کی جاتی ہے کیونکہ اللہ کی ذات کا تعارف ائمہ علم کلام ان الفاظ میں کرواتے ہیں:الله علمٌ لذات الواجب الوجود ، المستجمع لجميع الصفات الكمال ، المنزه عن النقص والزوال ،یعنی اللہ اس ذات والاصفات کا نام ہے: جوواجب الوجود ہے، اور تمام صفات کمالیہ کی جامع ہے، اور ہر نقص وزوال سے مبرا اور منزہ ہے .اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کی صفات کی تعداد مختص نہیں ہے، کیونکہ کئی صفات قرآن میں مذکور ہونے کے باوجود ان ننانوے صفات میں مذکور نہیں جیسے:رفيع الدرجات، ومقلب القلوب والابصار، قابل التوب، شديد العقاب، ذو العرش، ذوالمعارج ، مولج الليل فى النهار؛ مولج النهارفى الليل ، اسی طرح جب اللہ تعالی اپنی مخلوق کی تخلیق کی وجہ سے خالق ہے؛ تو اِجرائے امر کی وجہ سے آمر بھی ہے؛ اسی لئے فرمایا:الالـه الـخلق والامر: جان لو!خلق اور امر کی صفات اسی ذات کے لئے ہیں؛ ان ننانوے صفات کے علاوہ باقی صفات معنویہ ہوں گی یعنی معانی کے لحاظ سے اس پر اطلاق کرنے میں اگر کوئی برائی نہ ہوتو اللہ تعالی کی صفات میں شامل ہوں گی ؛

چوتھی بحث: کہ اللہ تعالی کی صفات کی اقسام کتنی ہیں؟

(۱): وہ صفات جو اپنے اظہار کے لئے صرف ذات کی محتاج ہیں جیسے : شـــــــــــــــــــــــــــــــــیءٌ؛

....

موجودٌ؛ذاتٌ؛صمد؛

(۲): وہ صفات جو اللہ تعالی کی ذات کے ساتھ وابستہ اور قائم ہونے کے لئے معانی کی محتاج مگر ذات سے وابستہ ہیں انکو صفات ذاتیہ کہا جاتا ہے ان کا عمل اور اثر ذات ہی سے وابستہ ہے۔انکی تعداد آٹھ ہیں جسے کسی شاعر نے یوں نظم کیا ہے:

حياةٌ كلامٌ ثم علمٌ وّ قدرةٌ　　　ارادتُهٗ سمعٌ صفاتُ مع البصرُ

لذاتِ الاله عِندَ كل محققٍ　　　وزِيدَ بقاءٌ عند حبرِ مع النَّظر

یعنی وہ ۱ :الحیّ ہے یعنی اپنی حیاۃ میں اللہ کسی کے محتاج نہیں جیسے اللہ تعالی نے فرمایا:الحی لااله الاهو ؛وہ زندہ ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے؛ ۲ : الکلام کی صفت یعنی اللہ تعالی کا متکلم ہونا جیسے ارشاد باری ہے:وكلم الله موسى تكليما؛ اور اللہ تعالی نے موسیؑ سے کلام کیا اسی طرح المتکلم ہے ۳ :العـالم یعنی اللہ تعالی کا ازلی اور ابدی عالم ہونا؛ اور کوئی معاملہ اللہ تعالی کے علم سے اوجھل نہ ہونا جیسے اللہ تعالی نے فرمایا: يعـلـم خـائـنة الاعين وما تخف الصدور؛ یعنی اللہ تعالی آنکھوں کی خیانت، اور سینے میں چھپے رازوں سے آگاہ ہے اسی طرح العـليم ، العلّام ٤ : القدرة یعنی اللہ تعالی کا ہر وقت ہر چیز اور ہر ایک پر بلا کسی دوسرے کی محتاجی قادر ہونا جیسے اللہ تعالی نے ارشادفرمایا:وكـان امـرالـلـه قدرا مقدورا ؛ اور اللہ تعالی کا ہر امر تقدیر سے مقدر کردیا گیا ہے؛ اسی طرح:القدير ،المقتدر ہے ٥ : الارادة یعنی اللہ تعالی کا صاحب ارادۃ اور آزاد مرضی والا ہونا جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے:فعّال لمايريد. اللہ تعالی جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اسی طرح المريد ہے ٦ : السميع یعنی اللہ تعالی ہروقت ....

اور ہر حال میں سننے والے ہیں؛ جیسے ارشاد باری تعالی ہے:ان الله كان سميعا بصيرا. یقیناً اللہ تعالی سننے والے اور دیکھنے والے ہیں؛ اسی طرح السامع ہے ۷ :البـصير یعنی اللہ تعالی کا دیکھنے والا ہونا ۸ :البـقاء یعنی اللہ تعالی کا باقی ہونا جیسے ارشاد باری ہے:كـل مـن عـليهـا فـان ويـبـقـى وجـه ربك ذو الجلال والاكــرام؛ ہر چیز پر فنا ہے اللہ تعالی اپنے جلال اور عظمت سمیت باقی اور قائم رہیں گے؛ اور صفت ذاتیہ میں اُٹھویں صفت کے بارے میں ائمہ کرام کی اراء مختلف ہیں کہ ایا یہ صفات ذاتیہ ہے یا نہیں؟ اور یہ تمام صفات اللہ تعالی کے لئے ازلی اور ذاتی ہیں؛

(۳): وہ صفات جو اپنے ظہور کے لئے کسی فعل کی محتاج ہیں جیسے الخالق اور الغافر ہے

(۴): وہ صفات جنکی اضافت کے لئے فعل کی محتاجی ہو اور یہ فعل انسان کا ہو تو یہ ازلی اور ابدی صفات نہیں؛ البتہ یہ کہنا کہ اللہ ازلی طور پر اس عالم کے خالق اور رازق ہیں درست ہے کیونکہ یہ صفات ازلیہ میں سے ہے؛

پانچویں بحث:اللہ کی صفات میں الحاد کیا ہے؟

اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالی کی وہ صفات جو انہوں نے اپنے لئے بیان فرمائی ہیں انکو پڑھا اور یاد کیا، اور انکا ذکر کیا جائے؛ اپنی طرف سے صفات بنا کر

اللہ تعالی کی طرف منسوب نہ کیا جائے ؛ جیسے اللہ تعالی اپنا مثل بنانے پر قدرت رکھتے ہیں یا نہیں ؟ یا اللہ تعالی جھوٹ بولنے پر قادر ہیں یا نہیں ؟ اللہ تعالی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں یا نہیں ؟ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے :و ذر الذین یلحدون فی اسمائہ ؛ یعنی اللہ تعالی کے ناموں میں الحاد سے بچو! اس سے مراد ہر ایسا نام یا صفت جس میں مخلوق کی عبادت یا مخلوق سے مانگنے کا شبہ پیدا ہو؛ اس ....

سے پرہیز کرنا چاہئے . یا ایسے نام غیر اللہ کے لئے معروف ہوگئے ہوں ان کے اللہ تعالی کی ذات کے لئے استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہے ؛ خواہ انکا مفہوم جس قدر راونچا کیوں نہ ہو؛ ان اسماء سے اللہ تعالی کو یاد کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے : جیسے مولیٰ مشکل کشا، داتا گنج بخش، سخی سلطان، لج پال، سرکار، غریب نواز، بندہ نواز، غوث الاعظم، دستگیر ؛ وغیرہ یہ وہ نام ہیں جو محاورۃً غیر اللہ کے لئے بطور نام استعمال ہوتے ہیں ؛ اگر کوئی شخص اللہ کے لئے استعمال کرے تو خطرہ ہے کہ وہ **الحاد فی الاسماء** کا موجب نہ ہو؛ باوجود ان اسماء کے معانی بہت اونچے ہیں، مگر انسانوں کے لئے کثرت سے استعمال ہونے کی بنا پر اس کو بولے جانے پر بہر صورت قاری یا سامع اس سے غیرِ خدا ہی مراد لیتا ہے ؛ اب اگر اللہ تعالی کے لئے ان اسماء کو استعمال کریں تو ذات باری تعالی وتقدس کی توہین لازم آئے گی جو موجب نقصان ایمان ہے ؛ اس سے پرہیز کرنا لازم ہے .

جن مسائل میں توقف جائز ہے؟

بعض شرعی مسائل میں توقف کرنا درست ہے جبکہ علم عقائد کے کسی مسئلہ میں توقف کرنا ہرگز درست نہیں ؛ امام صاحب سے جن مسائل میں توقف معلوم ہوا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں

(۱): دھر کی تعریف کے بارے میں کہ اس سے مراد کتنا وقت ہے ؛

(۲): ہیجڑا مشکل جو اپنی دونوں شرم گاہوں سے برابر پیشاب کرے اسکے مسائل میں کہ وہ آدمی کے حکم میں ہے یا عورت کے حکم میں ہے

(۳): مشرک اور کافروں کے بچے اگر بچپن میں فوت ہو جائیں تو جنت میں ....

جائیں گے یا جہنم میں ۴۔ ختنہ کے وقت کے بارے میں کہ کس عمر میں کیا جائے ؟

(۵): گدھے کے جوٹھا پاک یا ناپاک ہونے کے بارے میں ؛

(۶): گندگی کھانے والی مرغی کتنے دن بندر کھے جانے سے پاک ہوتی ہے

(۷): جنات کے ایمان لانے پر انکو ثواب ہوگا یا نہیں

(۸): کلب معلم کی کیا شناخت ہے اور وہ کب سیکھا ہوا سمجھا جائے گا ؛ (۹): ملائکہ انبیاء سے افضل ہیں یا نہیں ؛

(۱۰): والدینِ مصطفیٰؐ کے بارے میں کہ وہ ایمان والے تھے یا نہیں تھے ؟

(۱۱): یزید کے بارے میں کہ اس پر لعنت کرنا درست ہے یا درست نہیں ہے ؛ (۱۲): اگر کوئی شخص کلماتِ کفر بولتا ہو جس کی ننانوے توجیہات کفر کی اور ایک توجیہ ایمان کی ہو اس پر کفر کا فتوی دیا جائے گا یا نہیں دیا جائے گا ؛

تحقیق : ان میں بعض مسائل پر تو امام صاحب کی آراء موجود ہیں اور ان کا توقف ختم ہو گیا تھا اور جب بعد میں حتمی فیصلہ سامنے آ گیا تھا ؛ اور بعض کے بارہ میں بعد میں بھی توقف رہا ان میں خاص طور سے مسئلہ نمبر ۱، ۲، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، اور ۱۲ کے بارہ میں توقف معروف ہے جبکہ باقی مسائل میں امام صاحب کے فتاوی معروف ہیں ؛ اور توقف کی صرف شرعی مسائل میں اجازت ہے نہ کہ عقائد کے ضمن میں جیسا کہ امام صاحب سے فقہ اکبر میں ہے ؛

حکم اذا لم یعلم شیئا من العقائد ؟

واذا أشكل على الانسانِ المؤمن شيءٌ من دقائقِ علم التوحيدِ و الصفات ؛ فانه ينبغي له ان يعتقدَ في الحالِ ماهوالصوابُ عندالله تعالى ؛ اِلى ان يجد عالماً ....

فيسئَالُه ؛ ولا يسعُه تَاخير الطَّلب ؛ ولا يُعذَر بالوَقف فيه ويَكفر اِن وقَفَ ، یعنی اگر کسی انسان کو علم توحید وصفات کے کسی مسئلہ میں مشکل پیش آ جائے تو اسکو چاہئے فی الحالیہ کہے کہ 'جو اللہ تعالی کے ہاں درست ہے اس پر میرا اعتقاد ہے' اور اسی وقت کسی عالم کی تلاش کرنا شروع کردے جو اسکو بات سمجھا دے اور اسکے سولوں کا جواب دے اور اس کے بارے میں ہرگز سستی نہ کرے ؛ اور اگر کوئی توقف کر کے بیٹھ جائے اور اس بارے میں کوئی تگ ودو نہ کرے تو ایسے شخص کی تکفیر کی جائے

گی ؛لہذا عقائد کے تمام مسائل میں چونکہ توقف صریحاً کفر ہے جیسا کہ امام صاحب نے ارشاد فرمایا اور اسی توقف کو ختم کرنے کی غرض سے حضرت امام صاحب کی کتاب کا اردو ترجمہ کیا جا رہا ہے تا کہ عوام الناس میں جو عقائد کے سلسلے میں جہالت ہے اور موجب کفر ہے اس سے لوگوں کو محفوظ کیا جا سکے ؛

مشقی سوالات

۱: اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کیا فرق ہے؟

۲: قدیم اور حادث کے کیا معانی ہیں اور ان میں فرق کیا ہے؟

۳: اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات کونسی اور کتنی ہیں؟

۴: کیا ایسی صفات جو اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہیں غیر اللہ کے لئے استعمال کر سکتے ہیں

۵: عقائد کے کسی مسئلہ میں توقف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

﴿اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے کلام کے بارے میں﴾

عقیدہ نمبر:(۱۶) قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے

اور قرآن کریم جو مصحف کی شکل میں لکھا ہوا، اور ایمان والے لوگوں کے دلوں میں محفوظ ہے، اور انسانی زبانوں سے پڑھا جانیوالا ہے ؛اور نبی ﷺ پر نازل شدہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ؛

عقیدہ نمبر:(۱۷)

اور ہمارے الفاظ جو ہم قرآن پڑھنے کے دوران تلفظ کرتے ہیں وہ مخلوق ہے ؛اور ہمارا قرآن کریم کی لکھائی کرنا مخلوق ہے، اور ہمارا پڑھنا مخلوق اور حادث ہے ؛ جبکہ قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے غیر مخلوق اور غیر حادث ہے ؛

....

نوٹ: اگر چہ جدید سائنس یہ کہتی ہے کہ: انسان تلفظ کرنا یا بولنا ہمیشہ کے لئے فضاؤں میں محفوظ رہتا ہے؟ مگر یہ سائنسدانوں کی خام خیالی ہے جو انہوں نے دعوی کیا کہ یہ ہمیشہ کے لئے محفوظ رہتا ہے ؛حقیقت اس کی یہ ہے اللہ تعالیٰ ان تمام آوازوں کو جو کسی مقصد کی غرض سے انسان کے منہ سے نکلتی ہیں ان کو فضاء میں محفوظ کر لیا جاتا ہے ؛اور یہ محفوظ کیا جانا طولاً نہیں بلکہ عمقاً یا عرضاً ہوتا ہے ؛ جبکہ عموماً آواز طولاً سفر کرتی ہے جس سے مخاطب کو خطاب کا پتہ چلتا اور آواز سنائی دیتی ہے ؛ تحقیقات بسیار کے بعد زمانہ قدیم کے کسی انسان یا جاندار کا کلام سنا یا سنایا جا سکے تو یہ کلام کے دائمی ہونے کی دلیل

....

نہیں ہے ؛ بلکہ عین ممکن ہے کوئی زمانہ ایسا بھی آئے جس میں عمقاً یا عرضاً محفوظ کئے گئے کلام کو سننے پر قدرت عام ہو جائے اور اس طرح زمانہ قدیم میں کئے گئے کلام کو سنا جا سکے (اگر چہ اس کلام کا زمانہ اور اس کا متکلم پھر بھی محل نظر رہے گا) اور اللہ تعالیٰ کے کلام: یو مئذٍ تحدثُ اخبارھا، بانّ ربّك اَوحی لھَا، یعنی ایک دن ایسا آئے گا کہ کہ غیب کی خبریں بیان کر دی جائیں گی ؛اور تمہارا پروردگا اس کا طریقہ انسانوں کو وحی کر دے گا ؛اور یہ حفاظت اللہ تعالیٰ نے میدانِ محشر میں حساب کتاب کے لئے کی ہے اور قیامت کے دن پھر اسی آواز کو طولاً عرضاً کر کے جو انسان اپنے برے اعمال کا انکار کرے گا اس کو سنا دیا جائے گا؛ پھر کسی اور روپ میں بدل کر جنت یا جہنم کا انعام یا سزا بنا دی جائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:وَ وجدُوا ماعَمِلُوا احَاضِراً ؛ یعنی انسانوں کے اعمال انکے سامنے موجود اور حاضر کر دئے جائیں گے اور اعمال کا وجود اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے اپنی شکل میں دائمی ہر گز نہیں البتہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق بدلتا رہے گا ؛

☆☆☆☆☆

عقیدہ نمبر:(۱۸) قرآنی واقعات اور قصص کی حقیقت

اور یہ جو قرآن کریم میں موسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں، اور اسی طرح فرعون وابلیس کے متعلق قرآن کریم میں جو کچھ

آیا ہے یہ تمام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے؛ اور اللہ تعالی نے ان کے احوال کی خبر دینے کے لئے ان واقعات کا ذکر کیا ہے نہ کہ فرعون وابلیس کی فضیلت کی وجہ سے؛

عقیدہ نمبر: (۱۹) اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی حقیقت

اور اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق اور حادث نہیں ہے جبکہ موسیٰؑ کا کلام دوسری مخلوقات کی طرح مخلوق اور حادث ہے؛

عقیدہ نمبر: (۲۰)

اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام اور قدیم ہے اور یہ لوگوں کے کلام کی طرح نہیں ہے

عقیدہ نمبر: (۲۱)

اور موسیٰؑ نے کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: و کلّم اللّٰہ موسٰی تکلیماً، یعنی موسیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بتدریج کلام کیا،

عقیدہ نمبر: (۲۲)

اور اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ کلام کرنے کی صفت کے سے متصف تھے جبکہ موسیٰؑ کلام کرنے والے نہ تھے

نوٹ: کیونکہ موسیٰ کا کلام حدوث کے پردے میں چھپا ہوا ہے اور فنا ہو گیا ہے یا ہو جائے گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پر دوام کی چادر ڈالی ہوئی ہے؛ اور اس لئے کہا ہے کہ کلام تو اللہ تعالیٰ ہی کرنے والے تھے موسیٰؑ نہ تھے کیونکہ حادث چیز اپنے وجود میں نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے؛

☆☆☆☆☆

مشقی سوالات

۱: قرآن کریم کس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے؟

۲: کلام کے حادث اور قدیم ہونے میں کیا فرق ہے؟

۳: کیا انبیاء کا کلام اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے؟

۴: قرآن کریم میں نازل شدہ فرعون وابلیس کے کلام کا کیا حکم ہے

۵: کیا انسان کے محفوظ کلام کوئی فائدہ ہے؟

﴿اللہ تعالی کی صفات اور تخلیق کے بارے میں﴾

عقیدہ نمبر: (۲۳) اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی ہیں

اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کی تخلیق سے بھی پہلے ہی خالق تھا؛ اور: لیس کمثلہ شیء وھو السمیع العلیم؛ یعنی اللہ تعالی کی مانند کوئی چیز نہیں اور وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے؛

عقیدہ نمبر: (۲۴)

اور جب اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو یہ کلام وہی تھا جو اللہ تعالی کی ازلی صفات میں سے ہے؛

عقیدہ نمبر: (۲۵)

اور بات معلوم ہونی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوقات کی صفات کی طرح نہیں بلکہ اس سے ہر لحاظ سے مختلف ہیں ؛

عقیدہ نمبر:(۲۶) اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات کی حقیقت

اللہ تعالیٰ جانتے ہیں مگر ہمارے جاننے کی طرح نہیں، اس لئے کہ ہمارا جاننا محتاج ہے اسباب کی حد بندیوں کا جبکہ اللہ تعالی کے ساتھ ایسا نہیں ہے

عقیدہ نمبر:(۲۷)

اور اللہ تعالی قدرت رکھتے ہیں اور آپکی قدرت کاملہ ہماری قدرت کی طرح نہیں ہوتی ،

عقیدہ نمبر:(۲۸)

اللہ تعالی دیکھتے ہیں مگر آپ کا دیکھنا ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں کیونکہ ہمارا دیکھنا اعضاء وجوارح کا محتاج ہے جبکہ اللہ تعالی اعضاء وجوارح کی قید سے بلند ہیں،

عقیدہ نمبر:(۲۹)

وہ کلام کرتے ہیں مگر ہمارے کلام کرنے کی طرح نہیں

عقیدہ نمبر:(۳۰)

اور وہ سنتے ہیں مگر ہمارے سننے کی طرح نہیں ؛

عقیدہ نمبر:(۳۱) اللہ تعالیٰ کا کلام بغیر آلات وحروف ہے

اور جو ہم کلام کرتے ہیں وہ کلام آلات واعضاء اور حروف وادوات ....

نوٹ: مبادا کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اللہ تعالی کا کلام کمپیوٹر (Computers) کے نظام کی طرح ہے ؛ جیسے اس میں آلات وحروف نہیں ہوتے اسی طرح ان میں بھی آلات وحروف نہیں ہوتے ؛ مگر معلوم ہونا چاہئے کہ کمپیوٹر (Computers) پورا نظام چلانے میں کی بورڈ (Keyboard) کا محتاج ہوتا ہے حتیٰ کہ پرنٹ کرنے ، انٹرنیٹ پر فائل ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے یا اپ لوڈ (Upload) کرنے میں محتاج ہے، جبکہ اللہ تعالی کا غیبی نظامِ کسی طرح کی مشینری کی مانند اور کسی (operator) یا (driver) کے محتاج نہیں ہیں ؛ بلکہ اللہ تعالیٰ اس قسم کی مثالوں سے بھی بلندتر اور بالاتر ہیں ؛

کے ساتھ کرتے ہیں اسلیئے کہ ہم اپنے کلام میں آلات اور حروف کے محتاج ہیں ؛ جبکہ اللہ تعالیٰ بغیر آلات اور حروف کے کلام کرتے ہیں ؛

عقیدہ نمبر:(۳۲)

اور تمام حروف اور آلات کلام، اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق ہیں جبکہ اللہ کا کلام مخلوق نہیں ہے ؛

عقیدہ نمبر:(۳۳) اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں

اور اللہ تعالیٰ شئے ہیں مگر عام اشیاء میں سے کسی کی مانند نہیں ہیں اور شئ کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز بلا جسم (physical body) اور بلا جوہر (Energy) اور بلا عرض (Attributes) کے ثابت اور قائم ہو ؛ اور اللہ تعالیٰ کی ذات حدود (limits) میں محدود نہیں ؛ اور کوئی اس کی ضد (opposite) نہیں کہ ضد کے ذریعے اس کو جان لیا جائے ، کوئی اس کا شریکِ کار (Partner) نہیں اور کوئی اس کے مثل نہیں ؛

....

نوٹ: یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ اللہ تعالی کی مدمقابل طاقت کا نام شیطان ہے ؛ مگر یہ بہت بڑی غلطی اور اللہ تعالی کا مقابل اسکی مخلوقات میں سے کسی کو جاننا صریحاً کفر ہے اور یہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے جو دو خدا کو ماننے والے ہیں ؛ بلکہ انسان کی مدمقابل قوت کا نام شیطان ہے، اور شیطان کی جنگ اللہ تعالی سے نہیں بلکہ

انسان کے ساتھ ہے؛

﴿باب اللہ تعالی کے اعضاء وجوارح کا بیان﴾

عقیدہ نمبر: (۳۴) اللہ تعالیٰ کا ہاتھ، چہرہ اور نفس

اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ، اور چہرہ، اور نفس ثابت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے؛ اور یہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے اعضاء یعنی ہاتھ، نفس، اور چہرے کا تذکرہ فرمایا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی بلا کیف صفات ہیں؛

عقیدہ نمبر: (۳۵)

اللہ تعالیٰ کے اعضاء و جوارح کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے مراد اس کا دستِ قدرت یا دستِ نعمت ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت زائل ہو جائیگی؛

اور دست سے مراد دست قدرت یا دست نعمت لینا یہ رائے فرقۂ قدریہ اور معتزلہ فرقہ کے لوگوں کی ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد دستِ قدرت یا دستِ نعمت ہے؛ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو بلا کیف ہے؛

عقیدہ نمبر: (۳۶) اللہ تعالیٰ کے غضب اور رضا کی حقیقت

غضب اور رضا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے دو صفتیں ہیں اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کی طرح بلا کیفیت ہیں؛

عقیدہ نمبر: (۳۷) اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خالق ہیں

اللہ تعالیٰ نے بلا کسی دوسری چیز یا شخص کی مدد کے تمام اشیاء کو بنایا ہے

عقیدہ نمبر: (۳۸)

اور اللہ تعالی ہمیشہ سے اپنی تمام اشیاء کو جانتے ہیں؛ جبکہ ان اشیاء کو ابھی ان کو پیدا بھی نہیں کیا گیا تھا؛

﴿اللہ تعالی کی تقدیر مشیت اور تخلیق﴾

عقیدہ نمبر: (۳۹)

اللہ تعالی ہی وہ ذات ہے جو کائنات کی ہر شے کی تقدیر اور فیصلہ کرتی ہے؛

عقیدہ نمبر: (۴۰)

اور دنیا وٗ آخرت میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی مشیت، اس کے علم، اور اس کے فیصلے، اور اس کی تقدیر اور لوحِ محفوظ میں لکھے جانے کے بغیر معرض وجود میں آ جائے؛ لیکن اللہ تعالیٰ اس چیز کو تمام اوصاف (Qualities) کے ساتھ مقید کر کے لوح محفوظ میں لکھا ہے نہ کہ صرف حکم کے ساتھ لکھا ہے؛

عقیدہ نمبر: (۴۱)

اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی قضاء اور قدر اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ہیں جو ازلی ہونے کا ساتھ بلا کیفیت و بلا تمثیل ہیں

عقیدہ نمبر: (۴۲)

کوئی معدوم جب عدم کے پردوں میں چھپا ہوتا ہے وہ بھی اللہ تعالی کے علم میں ہوتا ہے؛ اور اللہ تعالی اس کو جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ معدوم وجود میں آنے کے بعد کیا رنگ وروپ اختیار کرے گا؛

عقیدہ نمبر: (۴۳)

اور اسی طرح اللہ تعالی موجود کو وجود کا روپ اختیار کرنے سے پہلے اور وجود میں آنے کی صورت میں اور اس بات کو بھی جانتے ہیں کہ وہ وجود فنا ہونے کے بعد کیسا ہوگا اور اس کی فنا کیسے ہوگی؛

....

نوٹ: معدوم سے مراد وہ جو تمام مخلوقات ہیں جو مخلوقات (existences) کی نظر اور علم میں معدوم ہوں؛
ورنہ اللہ تعالی کی نظر اور علم میں کائنات کوئی چیز معدوم نہیں ہے جیسا کہ ائمہ علم کلام کا کہنا ہے: والمعدوم لیس بشیء؛ یعنی معدوم کی کوئی حقیقت نہیں ہے اس جملے کو اللہ تعالی کی طرف منسوب کرنے سے مطلب یہ ہے کہ معدوم کا وجود ہی نہیں ہے؛ اور اگر اس کی نسبت مخلوقات کی طرف کی جائے تو مراد یہ ہوگی کہ معدوم ایسی مخلوقات کا نام ہے جو انسانی دسترس میں نہ آسکے؛ واللہ تعالی اعلم

عقیدہ نمبر: (۴۴) قائم اور قاعد کے بارے اللہ تعالی کا علم

اور قائم اپنے قیام کی حالت میں اللہ کے علم میں ہے

عقیدہ نمبر: (۴۵)

اور یہی قائم جب وہ بیٹھ جاتا ہے تو اس کے بیٹھ جانے کا وقت اور بیٹھنے کے بعد کا علم بغیر سابقہ علم کے زوال یا نئے علم کی آمد کے اللہ تعالی کے علم میں ہوتا ہے؛ بلکہ بلا تغیر وحدوث اللہ تعالی کی ذات والی صفات کے علم میں ہے؛
اور یہ تغیر وتبدیلی اور مختلف احوال کا ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنا یہ مخلوقات کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور مخلوقات کے ساتھ اسی طرح تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے؛

....

نوٹ: بعض فرقے اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالی کو جو علم حاصل ہے وہ اجمالی علم ہوتا ہے؛ تفصیلی علم نہیں ہے اور جب کوئی نئی بات ظاہر ہوتی ہے وہ پہلے سے اللہ تعالی کے علم میں نہیں ہوتی اللہ تعالی اس قسم کے لوگوں کے عقائد سے ہماری حفاظت فرمائے
اهل السنت والجماعت : کا عقیدہ اس بارے میں یہ ہے کہ اللہ تعالی کو قیام وقعود اور تغیر وتبدل کا علم پہلے سے حاصل ہے اس سے بھی پہلے کہ وہ عمل ابھی موجود ہونے کے مرحلے سے بھی دور ہو

﴿ایمان اور کفر اور انسانوں کی تخلیق﴾

عقیدہ نمبر: (۴۶) ہر پیدا ہونے والے کی فطرت

ہر ایک انسان کو اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان سے سالم پیدا کیا ہے؛ پھر (عالم الست) میں ان کو مخاطب کیا؛ اور ان کو بعض باتوں کا حکم دیا او ربعض سے منع کیا؛ اسکے بعد کفر کرنے والے نے اپنے قول وفعل اور افکار میں حق تعالی جل وعلیٰ کی مخالفت کی؛ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شخص کو توفیق نہ ملنے کی وجہ سے ہوا ہے، اور ایمان لانے والا اپنے عمل وفعل اور تصدیق، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو عطا کردہ توفیق اور مدد سے ایمان والا بنا ہے

....

نوٹ: اسلام کی فطرت پر پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ماحول اور معاشرہ اور خاندانی اثرات اس کو کسی قسم کے رسم ورواج سے متاثر نہ کریں تو وہ شخص اصلِ فطرت میں مسلمان ہونے کی کامل اہلیت رکھتا ہے، کیونکہ: ہر قول وعمل کے درمیان افراط وتفریط سے بچنے کا نام اسلام ہے؛ اور افراط وتفریط دونوں قسم کی انتہا پسندی انسان کو راہِ راست سے ہٹا دیتی ہے؛ جو ماحول کے اثرات سے انسان میں پیدا ہوتی ہیں؛ اور اثرات کے عناصر ترکیبی: خاندان، ماحول، رسوم رواج، تعلیم اور اندازِ تعلیم ہے؛ جبکہ اسلام نام ہے راہِ اعتدال، اور صراط مستقیم، اور محبت اور الفت سے زندہ رہنے کا؛ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: المُسلمُ من سلم المسلمون من لِسانه ویده، یعنی صحیح ....

معنوں میں مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ سے پہنچنے والی اذیت، اور زبان سے پہنچنے والی ایذا سے ہر دوسرا مسلمان محفوظ رہے؛ اور ایک حدیث حضرت امام صاحب نے ان الفاظ میں نقل فرمائی: انّ اولادکم وُلِدُوا علی الفطرة فلاتداوهم بالخمر ولا تغذوهم: یعنی تمھاری اولادوں کو فطرت پر پیدا کیا گیا ہے لہذا انکو شراب نہ بطور دوائی، اور نہ بطور غذاء دیا کرو، اور ایک حدیث میں ارشاد ہوا کہ: لا خیر فی من لا یألف ولا یُألف، یعنی ایسے شخص میں کوئی خیر نہیں، جو شخص اوروں کے لئے اپنے دل میں الفت نہیں رکھتا، اور کسی کی دوستی اور بھائی چارگی کا دم نہیں بھرتا، اور اسکی برائیوں کی وجہ سے کوئی اور شخص بھی اس سے الفت اور محبت کا دم نہیں بھرتا، لہذا مسلمان جس کو اللہ نے پیدا کیا فطرت کے قوانین کے مطابق پیدا کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: انّا هدیناهُ السّبیل أمّا شاکراً وّامّا کفوراً، یعنی انسان کو ہم نے راہ ہدایت دکھائی، اب وہ شکر گذاری کر کے راہِ ایمان، یا ناشکری ونافرمانی کر کے راہِ کفر اختیار کر لے، معلوم ہو جانا چاہئے کہ: ابتدائی عمر میں آدمی کو بلا کسی تکلیف اور تکلف کے اسلام یا ایمان حاصل ہو جاتا ہے؛ مگر اس کے بعد درجہ ایمان پر جانے یا راہِ کفر اختیار کرنے کے لئے دونوں طرف محنت اور مشقت کرنی پڑتی ہے؛

عقیدہ نمبر: (۴۷) آدمؑ کی ذریت اور ان کے اعمال کی تخلیق

اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی پشت سے ذروں کی شکل میں انکی ساری ذریت نکالی، پھر انکو عقل کی نعمت سے نوازا، پھر ان کو اپنے امر: الستُ بربّکم (کیا میں تمہارا رب ہوں کہ نہیں؟) کا مخاطب بنایا اور ان کو ایمان لانے کا حکم صادر فرمایا اور راہ کفر اختیار کرنے سے منع فرمایا، اور اس وقت سب نے مل کر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا، اور یہ دورِ الست میں ان مخلوقات کا اقرار اصل میں ایمان لانا تھا؛

....

نوٹ: امر: الست بربکم ایک معاہدہ تھا، جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے اس دنیا میں بھیجے جانے کی تخلیق سے پہلے عالمِ ارواح میں چھوٹے چھوٹے ذروں کی شکل میں پیدا کرنے کے ساتھ کیا تھا؛ سب انسانوں کو ذرّوں کی شکل میں ایک جگہ جمع کیا اور ان کو مخاطب کر کے پوچھا: الستُ بِربِّکم؟ یعنی کیا میں تمہارا رب ہوں یا نہیں؟ تو اس وقت سب ذرّے نما انسانوں نے بایک زبان جواب دیا تھا: قالُوا بلی وربّنا! یعنی ہاں آپ ہی ہمارے رب ہیں؛ جب یہ عہد لیا گیا اس زمانے کو عہدِ الست کہتے ہیں؛ اور اس استفسار اور اقرار کو جو انسان اور رب رحمٰن کے مابین ہوا امرِ الست کہا جاتا ہے، اور اس دنیا میں جو انسان ایمان کی نعمت سے مزین ہوتے ہیں اس کو: اثرِ الست کہتے ہیں؛ اور جو لوگ اس دنیا میں بے ایمان رہ جاتے ہیں اس کو: کفرِ الست کہتے ہیں؛ اور ایمان کی طرف اپنے دوستوں کو بلانا اور اس کی دعوت عام کرنا فکرِ الست ہے؛ اور اسی مقصد کے لئے لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنا ذکرِ الست کہلاتا ہے،

عقیدہ نمبر: (۴۸)

اب ان سب کو اسی فطرت پر پیدا کیا؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اناهدیناه السبیل اماشاکراً واماکفورا، یعنی (ہم نے اس انسان کو سیدھے راستے کی طرف ہدائت دی، بعض ان میں شکر گزار اور کچھ نافرمان ہو گئے)؛

عقیدہ نمبر: (۴۹)

اور امر: الستُ بربکم: کے بعد جس نے بھی نافرمانی والا راستہ اختیار کیا، اس نے اللہ کی طرف سے عطاء کردہ فطرت میں تغیر اور تبدیلی کی، اور جو شخص ایمان لایا اس نے اللہ کی طرف سے عطا کردہ فطرت کی تقدیس کی اور راہِ راست پر ثابت قدم رہا، اور اسی کی طرف سے عطا کردہ راہ پر ثابت قدم رہا اور ہمیشگی اختیار کی،

عقیدہ نمبر: (۵۰) کفر اور ایمان میں جبر کی حقیقت

اور اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو کفر یا ایمان پر مجبور پیدا نہیں کیا؛

عقیدہ نمبر: (۵۱)

اور نہ ہی ان کو ایمان یا کفر پر تخلیق کیا ہے البتہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی تخلیق کامل ومکمل شخصیات کے انداز میں کی ہے؛

عقیدہ نمبر: (۵۲)

جبکہ کفر اور ایمان بندوں کے اپنے افعال ہیں، جوانہوں نے کسب کے ذریعے اختیار کئے ہوئے ہیں

عقیدہ نمبر: (۵۳)

مگر اللہ تعالیٰ اپنے کامل علم کی وجہ سے کافر کو کفر اختیار کرنے سے پہلے ہی جانتے ہیں کہ یہ کافر ہوگا، اور جب اس کے بعد وہ شخص ایمان لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان پر ہونے اور اسکے ایمان کا درجہ اور مرتبہ بھی جانتے ہیں کہ یہ شخص کس درجہ کا مؤمن ہوگا، جب کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر اور تبدیلی واقع نہیں ہوتی؛

﴿انسانوں کے افعال کی حقیقت﴾

عقیدہ نمبر: (۵۴)

انسانوں کی تمام حرکات اور سکنات اور ان کے تمام افعال حقیقتاً ان کی اپنی کمائی اور اپنی ہی ذمہ داری پر ہیں؛ جبکہ ان کا تمام اعمال کے خالق حقیقی اللہ تعالی ہیں

عقیدہ نمبر: (۵۵)

اور یہ تمام اعمال اللہ تعالی کی مشیت؛ اور اس کے علم، اور اسی کے فیصلے اور اسکی قدرت اور اس کی تقدیر سے معرضِ وجود میں آتے ہیں؛

عقیدہ نمبر: (۵۶) اطاعت اور معصیت

اللہ تعالی کی کی طرف سے واجب کردہ تمام اطاعات اسی کے امر اور اسی کی رضا، اور اسی کے علم، اسی کی مشیت، اور اسی کی قضا، اور اس کی تقدیر کے مقدر کرنے سے معرضِ وجود میں آتے ہیں؛

عقیدہ نمبر: (۵۷)

اور تمام معاصی اور گناہ یا نافرمانیاں اللہ تعالی کے علم کامل کی وجہ سے اور اس کی قضاء، اور اس کی تقدیر کے مقدر کرنے، اور اس کی مشیت سے معرض وجود میں آتے ہیں؛ جب کہ بندوں سے ان کے معاصی اور گناہ کے صادر ہونے میں نہ تو اللہ تعالی کی محبت اور نہ رضا اور نہ ہی اس کا امر شامل حال ہوتا ہے؛

مشقی سوالات

۱: اللہ تعالی کی صفات فعلیہ ازلی ہیں؟

۲: جسم جوہر اور عرض کا کیا مطلب ہے؟

۳: اللہ تعالی کے لئے ہاتھ نفس اور چہرہ کی کیا حقیقت ہے؟

۴: اللہ تعالی کے غضب اور رضاء کی کیا صورت ہے؟

۵: اللہ نے تقدیر کیسے مقدر کی ہے؟

۶: معدوم اور موجود میں کیا فرق ہے؟

۷: بدلتی رہنے والی اشیاء کا اللہ تعالی کو کیسے اور کب علم ہوتا ہے؟

۸: ہر پیدا ہونے والا کس فطرت پر پیدا کیا گیا ہے؟

۹: جبر اور اختیار کی کیا حقیقت ہے؟

﴿انبیاء اور اولیاء اور صحابہ کرام﴾

عقیدہ نمبر: (۵۸) انبیاء کا معصوم ہونا

اور تمام انبیاء علیہم السلام ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے پاک اور مبرّا ہیں، اسی طرح کفر اور قبیح باتوں اور فحش حرکات وسکنات سے بھی محفوظ ہوتے ہیں؛

عقیدہ نمبر: (۵۹)

ہاں کبھی ان سے بھول چوک اور دنیاوی امور میں معمولی غلطی سرزد ہو جاتی ہیں

....

نوٹ: واضح ہو کہ انبیاء سے جو بھول چوک اور معمولی غلطی سرزد ہوتی ہے اور وہ امور دنیا میں سے ہوتی ہے اس کو گناہ نہیں کہا جاتا؛ کیونکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد اصلی یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کو دین میں اللہ تعالی کے فرامین پر بے چون وچرا عمل کے لئے امادہ کردیں جبکہ امور دنیا میں انکو تجربات کی طرف مائل کریں اور جو بات تجربات سے حاصل ہو اس کو بہتر جانیں اور اپنی زندگی میں اختیار کریں؛

اور انبیاء کرام کا امور دنیا میں چونکہ اصلی مقصد تجربات کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے اس لئے اگر اس تجربے میں کوئی بھول چوک ہو جائے تو بھی شریعت اس کو گناہ شمار نہیں کرتی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رُفعت عن اُمّتی الخطأ وَالنّسیَان: یعنی میری امت سے غلطی اور بھول چوک سے ہونے والے گناہ معاف کردئے گئے ہیں

عقیدہ نمبر: (۶۰) ہمارے نبی ﷺ کی فضیلت

اور محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالی کے دوست، اس کے بندے اور اس کے رسول اور اس کے نبی، اس کے برگزیدہ اور اس کے چنے ہوئے ہیں، اور آپ ﷺ نے ساری زندگی میں کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی؛ اور آپ ﷺ نے کبھی پلک جھپکنے کی مقدار کے برابر بھی اللہ تعالی سے شرک نہیں کیا ؛ اور نہ ہی آپ نے اپنی ساری زندگی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے؛

عقیدہ نمبر: (۶۱) انبیاء کے بعد سب سے افضل

تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد امت میں سب سے افضل شخصیت کا نام (خلیفۂ اول) حضرت سیدنا ابوبکر الصدیقؓ ہیں؛ ان کے بعد

(خلیفۂ دوم) حضرت سیدنا عمر بن الخطاب الفاروقؓ ہیں ؛ انکے بعد

(خلیفۂ سوم) حضرت سیدنا عثمان بن عفان ذوالنورینؓ؛ اور انکے بعد

(خلیفۂ چہارم) حضرت سیدنا علی بن ابوطالب المرتضٰی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں؛

عقیدہ نمبر: (۶۲)

جو حق پر جمے رہنے والے اور ہر قسم کی مشکلات میں حق پر ثابت قدم رہنے والے تھے؛ اور ہم ان سب کو اپنا دوست رکھتے اور ان سے محبت کرتے

ہیں؛

عقیدہ نمبر: (٦٣) صحابہؓ کا تذکرہ

اور ہم اصحابِ رسولؐ میں سے کسی صحابی کا تذکرہ سوائے اچھے انداز کے نہیں کرتے (اس موضوع پر تفصیلی بحث الفقہ الابسط میں کی گئی ہے)

﴿مسلمانون اور انکے گناہ کے بارے میں﴾

عقیدہ نمبر: (٦٤) گناہگار مومن کی تکفیر کا مسئلہ

اور ہم کسی مسلمان سے گناہوں کی کثرت یا کسی بھی گناہ کی وجہ کے پیش نظر اس کی تکفیر نہیں کرتے، اگرچہ وہ گناہِ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو؛ تاوقتیکہ وہ شخص ارتکاب گناہ اس انداز میں کرے کہ وہ اس گناہ کو حلال اور جائز سمجھ کر کرے؛

اور نہ ہی ہم کسی مسلمان سے اس کے ایمان کے زائل ہونے اور کفر میں مبتلاء ہونے کا فیصلہ دیتے ہیں بلکہ ہم ان کو حقیقی معنوں میں مؤمن کہیں گے؛

عقیدہ نمبر: (٦٥)

کیونکہ ہمارے نزدیک یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص مؤمن بھی ہو اور فاسق بھی ہو مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ مؤمن اپنے ایمان کے ہوتے ہوئے کافر ہو جائے؛

عقیدہ نمبر: (٦٦) موزوں پر مسح

اسی طرح اہل السنّت والجماعت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ ہم موزوں پر سنت سمجھ کر مسح کو جائز سمجھیں اور موزوں پر مسح کریں؛

....

نوٹ: موزوں پر مسح کرنے کی چند شرائط ہیں:

پہلی شرط: یہ کہ کامل طہارت حاصل ہونے کے بعد پہنے گئے ہوں، یعنی وضو وغیرہ اور اگر شرعی عذر ہو تو تیمّم کرنے کے بعد پہنے گئے ہوں، البتہ اگر غسل فرض ہو تو غسل کرنے کے بعد پہنے گئے ہوں؛

دوسری شرط: یہ ہے کہ موزے اتنے بڑے سائز کے ہوں کہ ٹخنوں تک دونوں پاؤں کو چھپالیں

تیسری شرط: یہ ہے کہ ان کو پہننے کے بعد ان میں متواتر ایک میل تک چلنا ممکن ہو؛ اور مضبوط اتنے ہوں کہ اتنا چلنے پر بھی نہ تو پھٹیں اور نہ کٹیں اور نہ چلنے میں مانع ہوں؛

چوتھی شرط: یہ ہے کہ موزے پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں یا اس سے زیادہ مقدار پھٹن سے محفوظ ہوں؛ اور یہ مقدار خواہ ایک جگہ سے ہو؛ یا متعدد جگہ سے ہو، اگر پہننے کے دوران پھٹن مذکورہ مقدار تک پہنچ جائے تو مسح فاسد ہو جائے گا؛

پانچویں شرط: بلا کسی چیز کی پکڑ (grip) کے وہ پاؤں پر خود بخود ٹکے (stick) رہیں؛ یعنی یہ ہے کہ ان کی موٹائی بذاتِ خود اس قدر ہو کہ اپنی ہی طاقت پر پاؤں میں جمے رہیں اور باندھنے اور پکڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے، البتہ اگر اس قسم کا موزہ جو مذکورہ شرط پوری کرتا ہو اور اس کو سردی یا ہوا کے اندر داخل ہونے سے بچاؤ کے لئے باندھ دیا جائے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے؛

....

چھٹی شرط: یہ ہے کہ پانی موزے سے گزر کر پاؤں تک نہ پہنچنے پائے؛ اس سے موزے کی موٹائی اور مضبوطی کی طرف اشارہ ہے؛ یعنی موزہ ایسا نہ ہو کہ مسح کے دوران موزے سے پانی اندر چلا جائے اگر ایسا ہوا تو مسح کرنے سے مانع ہوگا

ساتویں شرط: اور پاؤں کا پنجہ کم از کم تین انگلی کی مقدار باقی ہو اور اگر پاؤں ٹخنے سے ہی کٹا ہوا یا قدرتی طور پر نہ ہو تو ایسی صورت میں موزوں پر مسح جائز نہیں ہوگا؛

ضروری تنبیہ:

۱۔آج کل یہ فیشن عام دیکھا گیا ہے کہ آدمی اپنی پہنی ہوئی جرابوں پر مسح کر لیتے ہیں؛ جبکہ مذکورہ سات شرطوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی، لہذا اس صورت حال میں موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہونا چاہئے؛ اور جواز کے ضمن میں حضور ﷺ کی حدیث: مسح علی الجوربین والنعلین[اخرجه الترمذی، النسائی، ابوداود، ابن ماجه، احمد] کا حوالہ دیا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ: عرب لوگوں کا اس زمانے میں رواج تھا کہ چمڑے سے پاؤں کے سائز کا غلاف سیتے تھے اس کو خفّ کہتے تھے؛ اور خف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ: مَاخَفِی الشَّیُٔ بِتَلَبّسِہٖ یعنی جو کسی شئی کو مخفی کرے اور چھپالے اسکو پہن لیا جائے؛ اور اسی طرح چمڑے سے بناتے مگر اس کی بناوٹ پاؤں کی مانند نہ ہوتی تھی، بلکہ ایک چھوٹی تھیلی جو بعض اوقات روٹی کو محفوظ رکھنے یا دیگر مقاصد کے لئے استعمال ہوتی اس کو جراب کہتے تھے، اور اس کو کبھی ہاتھوں پر چڑھا لیتے اور کبھی سردی سے بچاؤ کے لئے پاؤں میں ڈال لیتے اس کے علاوہ ان کا دوسرا

....

استعمال بھی تھا، اسی لئے صاحبِ مقامات حریریؒ ایک جگہ فرماتے ہیں' وفِی جِرَابِی مُضغَةٌ' یعنی میری جراب میں سامانِ خورد ونوشت تھا، مگر اردو زبان میں جراب کا لفظ پاؤں میں سردی سے بچاؤ کے لئے پہنی جانے والی شےء کے لئے استعمال ہونے لگا، لہذا نام کے تشابہ (similarity) سے شئ کی حقیقت نہ بدلے گی اور نہ ہی ایک چیز کا حکم دوسری چیز پر لگایا جائے گا؛ تاوقتیکہ ساری شرائط پوری نہ پائی جائیں؛ لہذا کسی کے کہے میں آکر اپنی نماز کو خراب نہیں کرنا چاہئے؛ کیوں کہ عاقبت میں ہر شخص اپنے کئے اور نہ کئے کا خود ذمہ دار اور جوابدہ ہوگا؛ یہ بہت بڑی نادانی کی بات ہے کہ کسی کو دیکھ کر اپنا عمل ضائع کر دیا اور یہ عقل مندی کی بات نہیں بلکہ سرے سے جہالت ہے؛

☆☆☆☆☆

عقیدہ نمبر:(٦٧) رمضان المبارک میں تراویح

اہل السنّت والجماعت کے معمولات میں سے یہ بھی ہے کہ رمضان کی تمام راتوں میں نماز تراویح ادا کرتے اور اس کو سنت سمجھتے ہیں

....

نوٹ: اس باب میں مندرجہ ذیل بحثیں ہیں:

بحث اول تراویح کی مشروعیت

تراویح کے ضمن میں جو معلوم ہے وہ صرف اس قدر کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من قام رمضان ایماناًواحتساباًغفرله ماتقدم من ذنبه (البخاری) یعنی جس شخص نے رمضان میں اپنے محاسبہ اور اللہ تعالی کی عبادت کرتے ہوئے قیامِ رمضان کا معمول جاری رکھا، اللہ تعالی اس کے گذشتہ تمام گناہ معاف فرمادیں گے، اسی طرح ایک اور حدیث میں نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: انّ اللّٰه عزّ وجل فرض صیام رمضانَ و سنتُ قیامَه (احمد) یعنی اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے تم پر فرض کئے ہیں اور میں تم پر رمضان کا قیام سنّت کرتا ہوں؛

بحث دوم جماعت تراویح

حضورِ اکرم ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں صرف تین راتوں میں نماز تراویح پڑھی تھی اور تیسرے یا چوتھے دن نماز تراویح کے لئے تشریف نہیں لائے اور اس کی وجہ ان الفاظ میں ارشاد فرمائی: ولَم یَمنَعنِی مِنَ الخروجِ اِلَیکم اِلاَاِنّی خَشِیت اَن تَفرِضَ عَلَیکم (البخاری) ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ رمضان میں تراویح کی تعدادِ رکعات حضورِ اکرم ﷺ سے متعین اور ثابت نہیں ہے، اور یہ ہی ماجرا حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور ابتدائے زمانہ خلافت عمرؓ

....

میں یہی حالات رہے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء پر تمام صحابہ کو جمع فرما دیا اور یوں سنتِ تراویح جماعت کے ساتھ ہونے کا معمول شروع ہوا: فقال عمرؓ اِنّی اَرَی لَو جَمَعت هٰؤلَاء عَلی قَارِیءٍ وَاحِدٍ لَکَانَ اَمثَل، ثم عَزَمَهم فَجَمَعَهم عَلی اُبَیّ اِبنَ کَعبٍ (البخاری) یعنی حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے سوچا کہ اگر سب لوگوں کو ایک قاری کی اقتداء میں تراویح کے لئے جمع کردوں تو یہ بہت اچھی بات ہوگی؛ پھر اس کا فیصلہ کیا اور سب لوگوں کو

ایک قاری کی اقتداء میں تراویح کا حکم صادر فرمادیا؛

بحث سوم تراویح کی تعداد رکعات

اب سوال یہ ہے کہ تراویح کتنی رکعات ہیں؟ حضرت سائب بن یزیدؓ نے گیارہ رکعات تراویح منقول ہے؛ اور فرماتے ہیں: اَمَرَ عُمَرُبنِ الْخطّابِ اُبی بنِ کعبَ وَتمیمِ الدّاریؓ انّ یَقُومَالِلنَّاسِ بِاحدیٰ عَشَرَ رکعةً ، یعنی حضرت عمر بن الخطابؓ نے ابی بن کعب اور تمیم الداری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات نماز پڑھائیں؛ دوسری روایت: یزید بن رومان سے ہے کہ: کَانَ النّاس یَقُومُونَ فِی زَمَنِ عُمَربنِ خَطَّابٍ فِی رَمَضَانَ ثَلَاثَ وَعَشَرَةَ مِن رَكُعَةٍ (اخرجہ مالک بروایت امام محمدؒ) حضرت عمرؓ بن الخطاب کے زمانے میں امت کے جمہور ائمہ کرام کا اس بات پر اجماع تھا کہ: 'نماز تراویح کی مقدار بیس رکعات ہیں' اور اسی طرح کی آراء امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ہیں، لہذا معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سب اپنے وقت کے بڑے اعلیٰ درجہ کے آئمہ کبار اور علوم حدیث، علوم فقہ اور علوم قرآن کے ماہرین تھے؛ چونکہ رسول اللہ ﷺ سے نماز تراویح کی کوئی خاص عدد رکعات معلوم نہیں اسی وجہ سے اس

....

میں اختلاف پیدا ہوا ہے؛ اور اس بارے میں دو مختلف احادیث ملتی ہیں: جن میں ایک گیارہ اور دوسری بیس تعداد رکعات والی ہے، مگر نماز تراویح میں بیس رکعات کے ساتھ تعامل اور اجماع امت شامل ہو کر امت مسلمہ کے لئے عمل کی قوی دلیل کا درجہ رکھتی ہے اور اسی بناء پر یہ رائے قابل عمل ہے

بحث چہارم نماز تراویح اور نماز تہجد میں فرق

وہ احباب جو نماز تراویح کے آٹھ رکعات ہونے کے پرزور داعی ہیں انکی مضبوط ترین دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ: مـا کـان یـزیدُ فی رمضان ولافی غیرہ علی احدی عشر رکعة (بخاری) اس موضوع پر اختلاف رائے کی بنیادی وجہ یہ حدیث ہے؛ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حدیث پاک میں منقول اس نماز کو تراویح کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اگر تو یہ نماز صرف رمضان میں ہوتی تو تراویح کہلاتی؛ جب کہ یہ نماز رمضان اور غیر رمضان دونوں میں اس اہتمام سے پڑھی جا رہی ہے، اگر کہا جائے کہ یہ نماز رمضان میں تراویح اور غیر رمضان میں تہجد تھی تو اس دعوی کی دلیل اسی مدعی کے ذمّے بیان کرنا لازم آتا ہے جو یہ دعوی کرتا ہے ورنہ دعوی بلا دلیل ہونے کی وجہ سے باطل ہوگا؛ جبکہ اصل بات یہ ہے کہ: یہ نماز تہجد تھی اور چونکہ ابتداء میں رسول اللہ ﷺ پر تہجد لازم کی گئی تھی اسی وجہ سے اس کا اہتمام بھی اسی قدر زیادہ تھا اور امام مالک نے اپنے قول جدید میں ان آٹھ رکعات کو بیس رکعات میں شامل کر کے چھبیس رکعات نماز تراویح ارشاد فرمائی ہیں؛ اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ تمام آئمہ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ نماز تراویح کا تعلق صرف ماہ رمضان سے ہے جبکہ نماز تہجد روزانہ پڑھی جاتی تھی، اور حضور.......................................

اکرم ﷺ پر لازم کی گئی تھی؛

جبکہ تراویح کے بارے میں اصل بات تو یہ ہے کہ رمضان المبارک میں حضور اکرم ﷺ نے تراویح کے طور پر جو نماز پڑھی ہے وہ صرف تین راتوں میں پڑھی جانا منقول ہے اس سے زیادہ کچھ وضاحت موجود نہیں، البتہ حضرت عائشہؓ والی حدیث تہجد کی نماز ہے نہ کہ نماز تراویح، جبکہ اختلافی مسئلہ تراویح کا ہے نہ کہ تہجد کا؛ اور جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو دلیل بھی ایسی ہی لانے جس سے اس مسئلہ کا حل نکلتا ہو نہ یہ کہ: کوئی حدیث پڑھ کر کہا جائے کہ میں نے تو دلیل دے دی ہے بس اب آپ اس پر عمل کریں۔

اور بالفرض حضرت عائشہؓ سے منقولہ روایت سے تراویح کے آٹھ رکعات ہونے پر استدلال کیا جانا درست مانا جائے؛ تو سوال پیدا ہوگا کہ: رمضان میں تو یہ آٹھ رکعات تراویح ہیں مگر (ولا فـی غیـره) یعنی غیر رمضان میں جو آٹھ رکعات نماز پڑھی گئی وہ کیا تھی؟ اگر کہا جائے کہ وہ تراویح ہے؛ تو سوال پیدا ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ نے رمضان کے آخری عشرہ میں جو تین دن عبادت کی وہ کیا تھی؟ اور اس طرح تو احادیث میں تضاد آجائے گا کہ ایک حدیث میں تراویح آٹھ اور دوسری میں تین راتیں تراویح پڑھنے کا تذکرہ ہے؛ اور یہ جو حدیث میں مذکور ہے: ان اللّٰہ فرَض صیام رمضان عَلیکم و سنتُ لکم قیامهٗ ، یعنی اللہ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کئے اور میں نے اس کا قیام تمہارے لئے سنت کیا ہے، اب سوال پیدا ہوگا اس حدیث کا کیا مقصد ہے؟ کیونکہ یہ حدیث رمضان میں قیام کے سنت ہونے پر دلالت کرتی ہے؟ اور حدیث عائشہؓ قیام اللیل (یعنی نماز تہجد) کے سنت ہونے کو ثابت کر رہی ہے

....

خاتمہ: لہذا اس ساری بحث سے یہ بات معلوم یہ ہوتی ہے کہ قیامِ رمضان اور قیام الیل کی سنت ہونے میں فرق ہے۔ وہ ایسے کہ گیارہ رکعات والی تمام احادیث حضورِ اکرم ﷺ کے نماز تہجد کے معمول کا ذکر کرتی ہیں، چونکہ رمضان میں حضور ﷺ پر نماز تہجد لازم تھی اس وجہ سے خاص اہتمام فرماتے تھے؛ اور جو شخص جاگتا وہ بھی آپ ﷺ کی اتباع میں اہتمام کرتا تھا؛ اسی پس منظر کی وجہ سے یہ عمل خاص اہمیت اختیار کر گیا؛ اور امّت مسلمہ کا کوئی فرد اس بات کا انکار نہیں کرتا؛ رہا مسئلہ قیامِ رمضان یعنی نماز تراویح کا تو اس کی بیس رکعات کا معمول حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شروع ہوا تھا؛ اور اس کے بعد تمام صحابہ کرام، امت کے دینی معاملات کے اہل حل وعقد نے اسی کو اختیار کر لیا اور یہی معمول آج تک چلا آرہا ہے اور اسی پر عمل کرنا لازم ہے؛

پانچویں بحث طریقہ نماز تراویح اور اسکا حکم

اور نماز تراویح کے اداء کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پانچ ترویحے (چار رکعات کے مجموعے کو ترویحہ کہتے ہیں) ادا کئے جائیں؛ اور ہر تراویحے میں چار رکعات ہوں؛ اور ہر دو رکعات کے بعد سلام پھیرا جائے؛ یوں دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعات تراویح ادا کی جائیں؛ اور اسکا حکم یہ کہ یہ نماز سنتِ مؤکدہ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے؛ اور اگر کسی شخص کی رائے ہو کہ آئمہ احناف کے نزدیک بارہ رکعات سنتِ مؤکدہ اور آٹھ نفل کے حکم میں ہیں تو اس پر عمل یا فتویٰ نہیں ہے بلکہ یہ قول مرجوح ہے اسکو قول کو عمل کے لئے تسلیم نہیں کیا جائے گا؛

....

ضروری تنبیہ

آج کل ایک رواج بالعموم دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ آٹھ رکعات تراویح پڑھ کر چلے جاتے ہیں؛ اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کرلیا ہے؛ لہذا اس بارے میں واضح ہو کہ اگر انہوں نے آٹھ رکعات کو تراویح جانتے ہوئے ایسا کیا ہے؛ اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے اپنی نماز پوری کر لی ہے؛ تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ بدعت کا ارتکاب کر رہے ہیں؛ کیونکہ آٹھ رکعات تراویح کا قول وعمل کسی زمانہ میں اور کسی دور میں بھی قابل قبول اور قابل عمل نہیں رہا؛ اور انکا ایسا کرنا اجماعِ امت کے خلاف ہے؛ کیونکہ اجماع میں منقول کم از کم تراویح کی تعداد بیس رکعات ہیں؛ اگرچہ بعض آئمہ نے چھتیس یا اکتالیس رکعات بھی ارشاد فرمائی ہیں؛ اور ہر وہ عمل جو حضور ﷺ یا اجماعِ امت کے خلاف بلا دلیل کیا جائے؛ یا با دلیل تو ہو مگر اجماعِ امت کے خلاف ہو اس پر عمل میں اس قدر اہتمام کیا اور کروایا جائے کہ عمل نہ کرنے والے کو مطعون کیا جانے لگے تو ایسا عمل بدعت قرار دیا جائے گا، کیونکہ صحیح حدیث کے خلاف امت کا اجماع ہو جانا :هو دال علىٰ نسخه ؛ یعنی وہ اجماع اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ وہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے اس پر عمل مرجوح، خلافِ اولیٰ، اور عقائد کی زبان میں بدعت پر کا ارتکاب کرنا، اور سنت اور اجماع کے خلاف عمل کرنا ہے، اگرچہ حدیث اس کی تائید کر رہی ہو مگر منسوخ ہونے کی وجہ سے یہ عمل بدعت ہے؛ اور اگر کوئی شخص اہل السنّت والجماعت کے اجماعی عقائد کے خلاف اپنا عقیدہ رکھے اس کا عقیدہ اہل السنّت کے راستے سے ہٹا ہوا اور بدعت کا ارتکاب جانا اور سمجھا جائے گا؛

....

خلاصۂ کلام: اور معلوم ہو جانا چاہئے: العمل القليل بالسّنّة خيرٌ من عملٍ كثيرٌ بالبدعة، یعنی سنّت کے مطابق تھوڑی سی نیکی بہتر؛ بجائے بدعت کے مطابق زیادہ عمل کرنے سے؛ اور وہ احباب جن کو صحابۂ کرامؓ سے قلبی لگاؤ نہیں یا ان کے دلوں میں صحابۂ کرام کا بغض بیٹھا ہوا ہے اور وہ ہر اس عمل کے خلاف کرنے کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں جس پر صحابۂ کرام رضوان الله عليهم اجمعين کے دور میں اجماع ہو چکا ہو؛ ایسے لوگ بڑے فخریہ انداز میں یوں کہتے ہیں کہ دین عمرؓ کا ہے یا محمد ﷺ کا۔ ہم محمد ﷺ کے دین کو مانتے ہیں عمرؓ کے دین کو نہیں مانتے اللہ ایسی سوچ اور فکر سے پناہ نصیب فرمائے۔

☆☆☆☆☆

عقیدہ نمبر: (٦٨) فاسق وفاجر کی امامت کا حکم

اور ہر فاسق وفاجر ایمان والے کی اقتداء میں نماز پڑھنا اہل السنّت والجماعت کے نزدیک جائز ہے؛ اور جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ اہل بدعت میں سے اور اہل السنّت والجماعت کے راستے سے ہٹا ہوا ہے

عقیدہ نمبر: (٦٩) دائمی جہنمی کون ہے

اور ہم اہل السنّت والجماعت کے تمام لوگ یہ نہیں کہتے کہ کسی مؤمن کو گناہ کے ارتکاب سے کوئی نقصان نہیں ہوگا؛

اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا؛ یا یہ کہ وہ فاسق اور فاجر ہونے کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہے گا بشرطیکہ دنیا سے ایمان کی حالت میں رخصت ہوا ہو؛

ہاں اگر اس کی موت ایمان پر نہ آئی ہو تو اس کے بارے میں یہی فیصلہ ہے کہ وہ دائمی جہنمی ہے۔

عقیدہ نمبر: (۷۰) نیکیاں مقبول اور گناہ معاف

ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں اللہ تعالی کے ہاں لازماً مقبول ہیں؛ اور ہمارے گناہ ضرور معاف ہوں گے جیسا فرقۂ مرجیہ کا کہنا اور ان کا مسلک ہے اور ہمارا مرجیہ فرقہ سے کوئی تعلق نہیں ہے؛

عقیدہ نمبر: (۷۱)

لیکن اس بارے میں اہل السنّت والجماعت کا قول یہ ہے کہ مسئلہ کی حقیقت واضح ہو چکی ہے اور اس کو مفصل طور سے بیان کر دیا گیا ہے؛ لہذا جو شخص نیک عمل کرتا ہے اور اس کا وہ نیک عمل ہر قسم کے شرعی عیوب سے پاک؛ اور عمل کو فاسد کرنے یا باطل کرنے والے اسباب سے محفوظ ہو؛ اور بندہ ایمان کے بعد کفر یا ارتداد کے کسی عمل کے ارتکاب کے ذریعے اپنے عمل کو فاسد کئے بغیر ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس دنیا سے روانہ ہوا تو اللہ تعالی اس عمل ضائع نہیں کرے گا بلکہ ان کو قبول کرے گا اور اس پر ان ضرور ثواب دے گا؛

....

(نوٹ: یا یہ رائے اہل تشیع کی ہے جو اللہ پر عدل کو لازم کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کا بدل اور ہماری نیکیاں پورے اجر و ثواب کی مستحق ہیں اور اللہ پر لازم کہ اس کا پورا بدلہ عطاء کرے) جبکہ اہل السنّت والجماعت کا مؤقف یہ ہے: مسئلہ واضح اور ظاہر ہے کہ جو شخص عمل صالح کرتا ہو اور وہ تمام شرائطِ ضرور یہ پر پورا اترتا ہو؛ اور عمل کو باطل کرنے والے تمام عیوب سے خالی ہو، اور اس شخص نے کفر وارتداد سے بھی اپنے اعمال کو باطل نہ کیا ہو اور وہ آدمی اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو گیا تو وہ مؤمن ہے؛ اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ ان کو قبول کرے گا اور اسکو پورا اجر و ثواب عنائت کرے گا؛ اور یہ ثواب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی وجہ سے ہے نہ کہ اس آدمی کے حقدار ہونے کی وجہ سے؛ یعنی اس نے اتنے اچھے اعمال سرانجام دیئے کہ وہ اس اجر کا حقدار قرار پایا کہ اس کو پورا اجر ملنا چاہئے؛

عقیدہ نمبر: (۷۲)

اور معلوم ہونا چاہئے کہ شرک اور کفر کے علاوہ جتنے گناہ ہیں اگر ان کے کرنے کے بعد کوئی مومن توبہ کئے بغیر مر جائے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالی کی مشیت اور چاہت پر منحصر ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو معاف کر دے اور چاہے تو اس کو جہنم کا عذاب دے؛ اور اس کا معاف کرنا بھی اللہ کی چاہت پر منحصر ہے کہ سرے سے اسکو سزا ہی نہ دے۔

عقیدہ نمبر: (۷۳) ریاء اعمال کو باطل کرتی ہے

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ انسان سے صادر ہونے والے بڑے سے بڑے عمل میں ریاکاری شامل ہو جائے تو وہ سرے سے اس عمل کے اجر کو باطل کر دیتی ہے؛ اور اسی طرح عُجب بھی اعمال کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے

....

نوٹ: احادیث میں ریاء اور دکھلاوا شرکِ اصغر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور ریاء نام ہے آخرت کے لئے کئے گئے کسی عمل پر دنیا کا فائدہ حاصل کرنا۔ اسی لئے امام ابوالحارث المحاسبی (المتوفی ۲۴۵ھ) ریاء کا تعارف ان الفاظ سے کرواتے ہیں: الرياء ارادة العبد العبادَ بعمل الآخرة؛ یعنی ریاء نام ہے بندہ اللہ تعالیٰ

کی اطاعت والے کاموں سے بندوں کی رضا وخوشنودی حاصل کرے ؛اور یہ اخلاص کی ضد ہے۔اور ریاء کاری میں انسان اپنی معمول کی عبادت سے

....

لوگوں پر یہ ظاہر کرتا کہ میں بڑا پرہیزگار انسان ہوں،اور اسکا علاج یہ ہے اسکی ضد یعنی اخلاص کو حاصل کرے؛اور اخلاص کا حصول اگر ریاء کاری کے خطرہ کے بغیر ہوتو بھی عبادت ہے؛ کیونکہ یہ مومنوں کے لئے مقصود اصلی ہے؛

حصول اخلاص کا طریقہ:

اس کے حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں ا۔ پہلا طریقہ محنت ہے اور وہ ہے:

(۱) اگر انسان کے سامنے مقصد اللہ تعالی کے علاوہ کوئی اور بن چکا ہوتو

(لااله الاالله ؛ لامقصودی الاالله)

(۲) اگر اللہ تعالی کے علاوہ مطلوب کوئی اور بن چکا ہوتو

(لااله الاالله ؛ لامطلوبی الاالله)

(۳) اگر اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہوتو

(لااله الا الله ؛ لامحبوبی الا الله)

(٤) اور اگر خیالات منتشر رہتے ہوں طبیعت میں یک سوئی نہ ہوتو

(لااله الا الله ؛ لامرغوبی الا الله)

(٥) اور اگر دنیا کے اسباب وایجادات سے بہت متأثر ہوتو

(لااله الاالله) کا ورد کثرت سے کرے

۲۔دوسرا طریقہ سہل ہے اور وہ ہے کہ کسی اللہ تعالی کے مخلص بندے کی تربیت میں رہے اور اس سے ذکر اذکار کی تلقین لیتا رہے اور یہ ہی منشاء ہے قرآن کریم میں اللہ تعالی کے فرمان کا کہ:یاایھاالذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین ؛ یعنی اے ایمان والو تقوی اختیار کرو اور صادق لوگوں کے ساتھ ہو

....

جاؤ؛اور

(پہلا طریقہ) بھی قرآن کریم کی آیت:یاایھاالذین امنوااذکرواللہ ذکرا کثیرا،یعنی اے ایمان والو کثرت سے اللہ تعالی کا ذکر کرو،

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے:وللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بھا؛اور اللہ تعالی کے کئی بہترین نام ہیں ان کے ذریعے اللہ تعالی سے دعا کیا کرو؛ان آیات سے معلوم ہوتا ہے

اور اسی طرح

(دوسرا طریقہ) بھی اللہ تعالی کے منشاء اور مرضی کے عین مطابق ہے لہذا ارشاد باری تعالی ہے یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادیقین یہ کہ اے ایمان والو اللہ تعالی سے ڈرو اللہ اپنا تعلق صادقین اور ظاہر و باطن کے لحاظ سے سچے لوگوں سے جوڑ لو

اور یاد رکھنا چاہئے کہ اخلاص سے ہی کسی عمل کی بارگاہِ ربوبیت میں اہمیت بنتی ہے کیونکہ اخلاص ایسا جوہر ہے کہ تھوڑا عمل بھی اس کی وجہ سے کثیر بن جاتا ہے،متنعااللہ برزقھما آمین

مشقی سوالات

ا: نبی علیہ السلام کی خصوصیت پر ایک مضمون لکھیں؟

۲: انبیاء کے بعد سب سے افضل کون ہے؟

۳: کیا کسی گناہ کی وجہ سے مؤمن کافر ہو جاتا ہے؟

۴: موزوں پر مسح کے مسائل تحریر فرمائیں؟

۵: نماز تراویح پر ایک مفصل نوٹ لکھیں؟

باب[۱۰] معجزات کرامات اور استدراجات

عقیدہ نمبر: (۷۴)

انبیاء کرامؑ سے معجزات کا ظاہر ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے؛ جبکہ اولیاء کرام کے لئے کرامات ثابت ہیں؛

....

اور اولیاء اللہ کی کرامات اصل میں انبیاء کرام کے معجزات ہی ہوتے ہیں؛ کیونکہ جس شخص کو کرامت ملتی ہے وہ نبی ﷺ کی کامل پیروی کی وجہ سے ملتی ہے؛ اسی بناء پر ہم اس کو انبیاءؑ کا معجزہ تسلیم کرتے ہیں؛ ورنہ اولیاء اللہ کی بذاتِ خود کوئی اہمیت اور اہلیت نہیں ہوتی کہ کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دے سکیں؛ بلکہ یہ انبیاء کرام کا فیضانِ نظر ہی ہوتا ہے جو ان کے اس دنیاء سے چلے جانے کے بعد میں بھی جاری رہتا ہے اور ان کی اتباع کرنے والے شخص پر اپنا اثر دکھلاتا ہے اور یوں کرامت ظہور پذیر ہوتی ہے؛

عقیدہ نمبر: (۷۵)

اور رہا مسئلہ ان لوگوں کا جو اللہ تعالی کے دشمن ہیں جیسے ابلیس فرعون اور دجال لعنۃ اللہ علیھم اجمعین ان کے بارے میں جیسا کی احادیث صحیحہ میں وارد ہے ویسا ہوا ہے اور ہوگا؛ البتہ ہم ان کو معجزات یا کرامات نہیں کہتے البتہ ان کا نام ہم بندوں کی حاجت برآری اور ضرورت پوری ہونا کہتے ہیں؛ اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوتا ہے اللہ تعالی سب کی حاجات اور ضروریات پوری کرتے ہیں اور کفار کی حاجت برآری استدراجا کی جاتی ہے اور اس طاقت کے ان کو دئے جانے سے مقصود ان کو سزا دینا ہوتا ہے جس سے وہ اور زیادہ دھوکے میں مبتلاء کوتے ہیں اور زیادہ سرکشی اور کفر میں مبتلاء ہوجاتے ہیں اور اہل السنّت والجماعت کے نزدیک یہ سب اللہ تعالی کے ہاں جائز اور ممکن ہے

....

(اس کی زندہ مثال جیسے امریکہ کو بظاہر نا قابل تسخیر طاقت دی ہے یہ اللہ تعالی کی طرف سے استدراج ہے ان کی حقانیت کی دلیل نہیں اور جو لوگ ان باتوں کو دیکھ کر اپنا ایمان ضائع کرتے ہیں وہ اصل میں اللہ تعالی کی آزمائش اور اس کی خفیہ تدبیر کی زد میں ہوتے ہیں اس قسم کی آزمائشوں سے اللہ تعالی ہماری حفاظت فرمائے)

عقیدہ نمبر: (۷۶)

اور اللہ تعالی ہر چیز کے خالق ہیں قبل اس کے کہ کسی چیز کی تخلیق کی جائے اور اس کو وجود دیا جائے؛

عقیدہ نمبر: (۷۷)

اور اللہ تعالی ہر ایک کو رزق دیتے ہیں قبل اس کے کہ اس کو رزق دیں

....

یہاں عقیدہ ۷۶؛ ۷۷ کا دوبارہ تذکرہ اس لئے کیا گیا کیونکہ معجزات وکرامات اور استدراجات بھی اللہ تعالی کی تخلیق کا مظہر اور نمونہ ہوتا ہے اس لئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالی کی تخلیق کی وجہ سے ہے اور کوئی کمزور ایمان والا اس کو کفار کا کمال سمجھ کر کفر کی طرف مائل نہ ہوجائے اور دوسر بات یہ کہ اللہ تعالی نے پر ایک کو رزق دینا ہوتا ہے اور رزق نام ہے ہر عمل کو دنیا میں جاری وساری رہنے کے لئے ضروری اسباب مہیا کرنا اور اللہ تعالی کفار کو اپنے کفر کی طغیانی اور سرکشی کے لئے ضروری اسباب دیتا ہے اور ایمان والوں کو ایمان کی حفاظت کا تقاضی کرتا ہے واللہ تعالی یھدی من یشاء الی صراط مستقیم؛

عقیدہ نمبر:(۷۸)

اور اللہ تعالی آخرت میں دیکھے جائیں گے اور مؤمن جنت میں اللہ تعالی کو اپنے سرمین دی گئی آنکھوں سے دیکھیں گے ؛ اور یہ اللہ تعالی کو دیکھنا بغیر تشبیہ اور بغیر کیفیت اور بلا کمیت کے ہوگا اور اس دوران اللہ تعالی اور بندوں کے درمیان کوئی مسافت بھی نہ ہوگی ؛

﴿ ایمان اسلام اور انکے لوازمات ﴾

عقیدہ نمبر:(۷۹) ایمان، اسلام

ایمان نام ہے: زبان سے لوازمات ایمان کا اقرار، اور اعضاء سے اسکی تصدیق کرنا؛ یعنی زبان سے اقرار کے ساتھ ساتھ دل و دماغ سے تصدیق بھی ہو؛

عقیدہ نمبر:(۸۰)

جن اشیاء پر ایمان لانا لازم ہے اس پر ایمان لانے کے لحاظ سے تمام اہل سماء وارض کا ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا؛ البتہ یقین اور تصدیق کے لحاظ سے ایمان میں کمی یا زیادتی ہوتی ہے

....

اس لئے کہ ایمان ایک جوھر مجرد عن المادہ چیز ہے جس پر مقولہ کمیت کا اطلاق نہیں ہوتا؛ البتہ اس پر مقولہ کیفیت کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ جو ایمان

....

لانے والی ضروریات کا چشم دید گواہ ہوگا اس کی کیفیت، اور ایمان بالغیب والے شخص کی کیفیت میں یقیناً فرق ہے، لیکن جن اشیاء پر ایمان لانا لازم ہے اس لحاظ سے ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؛ جیسے اللہ تعالیٰ کا ایک، موجود، اور بلا کیفیت ہونا وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے اگر چہ شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا، اور ایک عام آدمی نے صرف اللہ تعالی کا نام سنا ہے اور اس پر ایمان لایا ہے؛ اس لحاظ سے یہ دونوں ایک خدا کو بلا کیفیت وتشبیہ ایک مانتے ہیں، اور امام اعظم کا فرمان ہے کہ جن اشیاء پر ایمان لانا ہے اس لحاظ سے ایمان میں کمی یا زیادتی نہیں ہوسکتی؛ البتہ ایمان جن اشیاء پر لانا لازم ہے اس لحاظ سے اس میں کمی زیادتی ہوتی ہے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو دیکھ چکا ہو اور جو صرف سن چکا ہو ان کے یقین اور ایمان میں کیفیت کے لحاظ سے ضرور فرق ہے

نوٹ: ایمان اور یقین کیفیت کے لحاظ سے تین مراتب ہیں

۱: حق الیقین ۲: عین الیقین ۳: علم الیقین

(۱) علم الیقین: یعنی عام مؤمنین نے رسول اللہ ﷺ سے ایمانیات کی باتیں سنیں اور ایمان لائے ان کی یک سن کر ایمان لانے کی کیفیت علم الیقین ہے

(۲) عین الیقین: اور صحابۂ کرامؓ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رہے اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے ان کا سینہ کھول دیا یہاں تک کہ ان کو شرح صدر کی کیفیت حاصل ہوگئی یہ عین الیقین ہے؛

(۳) حق الیقین: انبیاء میں حضرت محمد ﷺ یا بعض دوسرے انبیاء کرام نے اللہ تعالی کو آنکھوں سے دیکھا یہ حق الیقین ہے؛ لہذا جس شخص کے لئے علم الیقین اور اس کے بعد عین الیقین اور اس کے بعد حق الیقین کا مرتبہ پورا ہوا اس کے..................

بارے میں ہم یوں کہیں گے کہ ایمان کی کیفیتی مراتب میں یہ شخص سب سے اونچا ہو؛ اور اگر کوئی شخص صرف علم الیقین رکھتا ہو تو ایمان کے کیفیتی مرتبہ میں وہ کم درجہ پر ہے؛ اس جگہ امام صاحبؒ یہ بات سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ ایمان میں کمیت کے لحاظ سے کمی زیادتی نہیں بلکہ کیفیت کے لحاظ سے کمی زیادتی ہوتی ہے۔

عقیدہ نمبر:(۸۱) تمام مومن ایمان میں مساوی ہیں

ایمان اور توحید کے لانے کے مراحل کے لحاظ سے تمام مؤمن برابر ہیں البتہ اعمال میں کمی زیادتی کی وجہ سے ایک دوسرے پر ان کو فضیلت حاصل ہوتی ہے

....

مثلاً جس شخص نے لاالـہ الا اللـہ پڑھا اور اسکا اقرار کیا تو اللہ تعالی کو ایک، اور معبود ماننے میں کوئی فرق نہ رہا، کیونکہ سب ماننے والے اللہ تعالی کو ایک مان رہے ہیں؛ اور ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالی کو ایک ہی مانیں اور سب کو یہ بھی لازم ہے کہ ایک ہی طریقہ سے اللہ تعالی کو ایک مانیں؛ ہر ماننے والے پر ایک جیسی ذمہ داری لاگو ہوتی ہے؛ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ: امام اعظم نے اس جملہ میں کمیت یا کیفیت کے لحاظ سے ہر ایمان لانے والے شخص کو برابر قرار دے دیا ہے؛ اور کیفیت میں اضافہ یا کمی اعمال سے ہوتی ہے اور اعمال کے لحاظ سے مومنوں کے مراتب میں فرق ہے؛ البتہ یہاں لزوم ایمان سب ذی عقل اشخاص پر برابر طور پر لازم ہے؛

عقیدہ نمبر: (۸۲) اسلام ایمان اور دین میں فرق

اور اسلام نام ہے سپردگی، اور اور اپنے آپکو اللہ تعالی کی مشیت اور مرضی پوری ہونے کے لئے اس کے حوالے کرنے کا، اور اللہ تعالی کے احکامات اور عوامل کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا،

لہذا لغوی طور پر تو ایمان اور اسلام میں فرق ہے؛ لیکن دونوں میں تعلق توافق اور لزوم کا ہے یعنی اسلام بغیر ایمان کے اور ایمان بغیر اسلام کے نہیں پائے جاتے؛ اور اس کی مثال کمر اور پیٹ کے آپس میں تعلق کی مانند ہے یعنی بغیر کمر کے پیٹ، اور بغیر پیٹ کے کمر کا تصور نہیں کیا جاسکتا؛

عقیدہ نمبر: (۸۳)

اور دین: نام ہے اسلام اور ایمان دونوں کے مشتملات کے ساتھ ساتھ احکامات شرعیہ پر عمل کرنے کا ان سب کو ملا کر دین کہا جائے گا؛

﴿اللہ تعالی کی معرفت کا بیان﴾

عقیدہ نمبر: (۸۴) معرفت کا حق

ہم اللہ تعالی کی معرفت مکمل انسانی کوشش کی حد تک پہچانتے ہیں؛ اور ہمارا ایمان اللہ تعالی پر اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالی نے اپنی صفات خود اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہیں؛ اور ان تمام صفات کے مطابق ہی معرفت حاصل کر سکتے ہیں؛

عقیدہ نمبر: (۸۵)

اور کوئی شخص اللہ تعالی کی عبادت کا حق ادا نہیں کرسکتا اور نہ ہی ایسی عبادت کرسکتا ہے جس کا اللہ تعالی اہل ہے؛ لیکن ہم اس کی عبادت صرف اس کے احکامات کی تکمیل کے لئے کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں اور اپنے رسولوں کی سنت کے ذریعے ہماری راہنمائی فرمائی؛

عقیدہ نمبر: (۸۶) مومن معرفت میں برابر ہیں

اور تمام مومن معرفت الٰہی، یقین کامل، توکل علی اللہ، محبت باری، اللہ تعالی کی رضاء، خوف خدا، اور اللہ تعالی سے پر امید ہونے میں برابر ہیں؛ جبکہ ایمان لانے کے بعد باقی تمام فرائض شرعیہ کی ذمہ داری پوری کرنے کے لحاظ سے ان میں فرق ہے

....

نوٹ: یعنی ہر شخص پر لازم ہے کہ مذکورہ صفات کو حاصل کرنے کی کوشش کرے اور ان میں ترقی کرے؛ ان صفات میں اگر کسی شخص کی حالت ہمیشہ ایک سی رہتی ہے تو وہ خطرے میں ہے بلکہ ان منازل میں آگے بڑھتا چلا جائے اور ان میں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں پہنچ کر یہ سمجھا جائے کہ اسکی ذمہ داری پوری ہوگئی ہے؛ البتہ اللہ تعالی کی طرف سے دئے گئے احکامات پورا کرنے کے بعد ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے؛ اور یہ ایمان کے علاوہ اسلام کے ظاہری احکامات سے تعلق رکھتے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، عبادات، اچھے معاملات؛ اب کوئی شخص غریب ہے تو اس پر زکوۃ لازم نہیں ہے جبکہ امیر شخص پر زکوۃ فرض ہے؛ اسی طرح مریض پر روزہ لازم

نہیں صحت مند پر لازم ہے ؛

اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ متقی اپنے تقویٰ یا محبت کے مقامات میں ترقی کرتا جائے تو وہ مرتبہ میں عام الناس کے برابر ہے ؛ اس عبارت میں امام صاحب کا یہ مقصد نہیں اور اس قسم کی رائے رکھنا جہالت ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ان مقامات میں آگے بڑھنا یا ان مقامات کا انسان کے ذمہ ہونا ہے ، وہ صحت مند ہو یا بیمار ، مالدار ہو یا غریب ، بادشاہ ہو یا فقیر ہر ایک کے ذمہ ہے کہ وہ ان مقامات کے حصول کی کوشش کرتا رہے ؛ اور باقی اعمال میں فرق سے مراتب کے لحاظ سے فرق پڑ جائے گا ؛

عقیدہ نمبر : (۸۷) فضل و عدل

اور اللہ تعالیٰ بندوں پر فضل فرمانے والے ہیں ؛ اور بندوں کے ساتھ انکے ہر معاملہ میں انصاف کرنے والے ہیں ؛ اور کبھی اللہ تعالی اپنے کسی بندے کے تھوڑے عمل پر اپنے فضل کی وجہ سے زیادہ اجر دے دیتے ہیں ؛ اور یہ محض اللہ تعالی کے فضل کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالی اپنے عدل کے پیش نظر گناہ گاروں کو سزا دیتے ہیں اور کبھی ان پر فضل اور مہربانی فرماتے ہوئے ان کو معاف فرما دیتے ہیں ؛

﴿انبیاءؑ اور صلحاء کی شفاعت﴾

عقیدہ نمبر : (۸۸)

انبیاء کرامؑ کا قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں اپنی امت کے گناہ گاروں کی شفاعت کرنا حق اور سچ ہے ؛

عقیدہ نمبر : (۸۹)

اور ہمارے نبی علیہ السلام کی شفاعت گناہ گار مومنوں کے لئے خواہ وہ گناہگار کبیرہ کے مرتکب ہوں یا ایسے گناہ جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا موجب ہوں انکے لئے اللہ تعالی کی بارگاہ میں شفاعت حق اور ثابت ہے

عقیدہ نمبر : (۹۰) اعمال کا تولا جانا

قیامت کے دن انسان کے اعمال کا تولا جانا حق اور درست ہے ؛

عقیدہ نمبر : (۹۱)

اور اسی طرح جب جنتی جنت کی طرف جائیں گے تو حضورِ اکرم ﷺ حوضِ کوثر پر ان کا استقبال کریں گے اور حوضِ کوثر پر سب سے پہلے ان کی مہمان نوازی ہوگی ، یہ درست اور حق ہیں ۔

....

نوٹ : یاد رکھنا چاہئے کہ اعمال کا تولا جانا انکی کثافت کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ یہ اللہ تعالی بہتر جانتے ہیں وہ کیسے ہوگا ؛ مگر آج کے دور میں یہ بات بڑے آرام سے سمجھ آ جانے والی ہے ؛ مثلاً کمپیوٹر (computer) ڈسک میں دکھائی کچھ نہیں دیتا مگر اس پر دوبارہ لکھائی کرنا ، اس پر کوئی اور کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اگر اس پر کوئی لکھائی کرنیں لگیں تو کمپیوٹر کہہ دیتا ہے کہ آپ کی ڈسک یا فلاپی (Disk or Floppy) میں مزید جگہ نہیں ہے اب اس پر کچھ اور لکھنا ممکن نہیں ؛ جبکہ اس کو دیکھا جائے تو اس پر کچھ بھی لکھا نظر نہیں آتا ؛ اسی طرح کمپیوٹر میں ریم (RAM) اور ہارڈ ڈسک (Hard Drive) کو دیکھ کر مانا جا سکتا ہے کہ واقعی دنیا میں ایسا (system) موجود ہے جسکو دیکھا نہیں جا سکتا ؛ اور اس سے کہیں بہتر نظام جو اس نظام کے خالق کے خالق کا ہے بھلا اس سے کوئی عمل کیسے محفوظ ہونے سے رہ سکتا ہے ؛ اسی لئے اللہ تعالی نے قرآنِ کریم میں فرمایا : ووجدوا ما عملوا احاضراً ؛ یعنی کل قیامت کے دن تم اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر باش پاؤ گیا ور کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہوگی ؛

عقیدہ نمبر : (۹۲)

دنیا میں جس قدر جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں قیامت کے دن ہر زیادتی کرنے والے کو اس کی زیادتی کا بدلہ دینا پڑے گا؛ اور یہ ہی حق اور درست ہے؛

عقیدہ نمبر:(۹۳)

اور انسان سے نیکیاں لیکر جس سے زیادتی کی ہوگی اس کو دیدی جائیں گی؛ اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اسکی برائیاں لیکر زیادتی کرنے والے کو دے دی جائیں گی؛ اور یہ بات حق اور درست ہے اور عقائد اہل السنّت والجماعت کی رائے کے عین مطابق ہے؛

عقیدہ نمبر:(۹۴)

جنت و دوزخ اللہ تعالی نے پیدا کی ہوئی ہیں جو کبھی فنا نہیں ہونگی؛

عقیدہ نمبر:(۹۵)

اور جہنم پر بنا ہوا پل صراط بھی حق اور موجود ہے؛

اور جنت کی حوروں کو کبھی موت نہ آئے گی؛ وہ ہمیشہ زندہ رہیں گی

عقیدہ نمبر:(۹۶)

اور اللہ تعالیٰ جس شخص کو سزا یا جزاء دیں گے یا اسکو ثواب وعقاب دیں گے وہ کبھی فنا نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ اور دائمی ہوگا؛

مشقی سوالات

۱: معجزہ کرامت اور استدراج میں کیا فرق ہے؟

۲: اللہ کی رؤیت کے بارے میں آپکی کیا رائے ہے؟

۳: اسلام کس لحاظ سے کم زیادہ ہوتا ہے؟

۴: ایمان کے لحاظ تمام مؤمن برابر ہیں کیسے؟

۵: کیا اللہ کی معرفت کا ہم حق ادا کر سکتے ہیں؟

۶: معرفت کے کون کون سے مقامات ہیں؟

۷: اللہ کے فضل اور عدل میں کیا فرق ہے؟

عقیدہ نمبر:(۹۷) ہدایت اور گمراہی

اللہ تعالی جس کو چاہتا ہے اس پر اپنا فضل کرتے ہوئے اس کو ہدائت دے دیتا ہے؛ اور جس کو چاہتا ہے اپنا عدل کرتے ہوئے اس کو گمراہ کر دیتا ہے؛

عقیدہ نمبر:(۹۸)

اور کسی شخص کا گمراہ ہونا اس وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کا ہاتھ اس سے ہٹا لیتے ہیں۔

عقیدہ نمبر:(۹۹)

اللہ تعالی کی مرضی کا بدل جانے کا مطلب یہ ہے کہ بندے سے صادر ہونے والے کام اللہ تعالیٰ کی منشاء اور اس کی مرضی کے خلاف ہوتے ہیں؛ اور یہ اللہ تعالیٰ کے عدل کی وجہ سے ہوتا ہے؛ اور اسی طرح جو شخص اللہ تعالی کی مدد سے محروم ہوا اور گناہ و معاصی کا ارتکاب کرتا ہو وہ بھی اللہ تعالی کے عدل کی وجہ سے سزا کا مستحق ہوتا ہے؛

....

نوٹ:اسی مناسبت سے حضرت سلطان العارفین کے خیال کو یوں پیش کیا جا تا ہے؛

فضل کرے تو بخشا جائے مجھ جیسا بے کار
عدل کرے تو کانپ رہے ہوں بڑے بڑے سرکار
عدل وفضل صفت ہے تیری،تو ہے بڑا رحیم
در تیرے کو چھوڑ کے آخر کہاں بڑا دربار

عقیدہ نمبر:(۱۰۰)

اہل السنّت والجماعت کے نزدیک ہمیں یہ بات کہنا جائز نہیں کہ شیطان نے جبراًاور طاقت آزمائی کرتے ہوئے بندے سے ایمان چھین لیا ہے ؛لیکن ہم یوں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہونے کی وجہ سے بندے نے ایمان چھوڑااور یوں شیطان نے اس بندے سے ایمان سلب کرلیا؛

....

ایمان سلب کرسکنے کی طاقت ہرگز شیطان کے پاس نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس قابل ہے کہ بندے سے اس کا ایمان سلب کرنے کے اہل ہوا؛اور ایمان کیفیت قلبی کا نام ہے جس پر شیطان کو کوئی دسترس نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ انسان از خود نہ چھوڑ دے؛مگر یأس اور نا امیدی نے شیطان کی مرضی پوری کردی انسان کے ایمان چھوڑنے کی وجہ بن گیا اور شیطان بندے کے ایمان سلب کرنے کی وجہ بن گیا؛

﴿قبر اور اس ے لوازمات﴾

عقیدہ نمبر:(۱۰۱) منکراورنکیر کی قبر میں آمد

قبر میں مردہ دفنانے کے بعد منکراورنکیر دوفرشتوں کا آنا اور انسان سے سوال کرنا

....

اوراحادیث میں آتا ہے قبر میں بندے سے تین سوالات کئے جاتے ہیں

(۱):من ربك یعنی تیرا رب کون ہے؟

(۲):مادینك یعنی تیرا دین کیا ہے؟

(۳):من نبیك یعنی تیرا نبی کون ہے؟

اورمؤمن درست جواب دے گا کہ

(۱):الله ربی؛ میرا رب اللہ،

(۲) :و الاسلام دینی اورمیرا دین اسلام ہے

(۳): ومحمدنبیی ﷺ محمدؐمیرے نبی ہیں؛جبکہ کافر ہر سوال کے جواب میں تعجب سے دائیں بائیں دیکھے گا مگر کوئی جواب نہ دے سکے گا؛اور یہ ساراواقعہ اسی دنیاوی قبر میں پیش آئے گا جو قبرستان میں بنائی جاتی ہے؛اورجس میں مردہ کورکھا جاتا ہے؛(اس موضوع پر امام صاحب نے جامع المسانید میں حدیث نقل فرمائی ہے)

عقیدہ نمبر:(۱۰۲) قبر کی زندگی

روح کا قبر میں جسم کی طرف لوٹایا جانا درست اورعین حق ہے؛

عقیدہ نمبر:(۱۰۳)

اور تمام کفار کے لئے اور بعض گنہگار مسلمانوں کے لئے قبر میں تنگی اور اس کا عذاب تمام کفار کو دیا جانا اور معض مسلمان گناہ گاروں کو دیا جانا حق اور درست ہے

....

نوٹ: عذابِ وثوابِ قبر کا مسئلہ: دین کے ان مشکل اور مختلف فیہ مسائل میں سے ہے جس کو سوائے دلائل نقلیہ کے ثابت نہیں کیا جاسکتا البتہ عقلی دلائل کے لحاظ سے صرف اسی قدر کہا جاسکتا ہے کہ: بنیادی طور پر انسانی جسم کے تین حصے ہیں

(۱): روح: جس کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے: قل الروح من امر ربی، یعنی روح میرے پروردگار کے امر کا ظہور ہے؛ اس سے زیادہ روح کے بارے میں شریعت میں معلومات نہیں دی گئی؛ البتہ اللہ تعالی نے ملائکہ کو نور سے بنایا ہے؛ اس کو انگریزی میں (spirit) کہا جاتا ہے

(۲) اور انسانی جسم میں دوسری چیز نفس (soul) ہے اور اسکی چار قسمیں ہیں جن کا ذکر قرآنِ کریم میں یوں ہے

(۱): **نفس امارہ:** یہ نفس کی وہ قسم ہے جو ہمہ وقت انسان کو برائی کی طرف مائل کرتی رہتی ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ان النفس لأمّارةٌ بالسُّوء یعنی نفس امارہ انسان کو برائی کی طرف مائل کرتا ہے

....

(۲) **نفس لوامہ:** یہ نفس کی وہ قسم ہے جو انسان کو برائی پر ملامت کرتی ہے اور اچھائی کے صادر ہونے پر فرحت اور خوشی کا اظہار کرتی ہے جیسے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے: و لا اُقسم بالنّفس لوّامه، یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں نفس لوّامہ کی

(۳) **نفسِ مطمئنہ:** یہ نفس کی وہ قسم ہے جس کے ظاہر ہوجانے سے انسانی طبیعت میں برائی سے طبعی نفرت اور نیکی سے طبعی رغبت پیدا ہوجاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: یا ایتهاالنّفسُ المُطمئِنّه: یعنی اے نفس مطمئنہ لوٹ جا اپنے پروردگار کی طرف

(۴) **نفس ملہمۂ خیر وشر:** یہ وہ نفس ہے جو اچھی صحبت کی وجہ سے اچھائی اور برائی سے آگاہ رہتا ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: و نفسٍ وّما سوّاها فالهمها فجورها و تقوها، یعنی اور وہ نفس جسکو نیکی اور بدی پر متنبہ کرنے کی صلاحیت دے کر پیدا کیا گیا ہے اور یہ چاروں اقسام کی نفوس مختلف انسانون میں مختلف انداز سے اثر انداز ہوتے ہیں؛ اس کو عیسائی علم العقائد میں (soul) کہتے ہیں، اسی کا نام ہندو علم العقائد میں کرشن اور یوروپی (Metaphysical philosophy) فلاسفی میں (super ego) کے نام سے اور اسی کو سر محمد اقبال نے اپنی شاعری میں (خودی) سے تعبیر کیا ہے؛ اور عامۃ الناس اسی کو دل یا خواہش کہتے ہیں

(۳) اور تیسری چیز انسان میں اسکا مادی جسم ہے اور یہ جسم چار اجزاء کا مجموعہ ہے آگ پانی مٹی اور ہوا؛ بقول امام عبیداللہ بن سلام سندھی: اگر ہر جزو کے تین حصے فرض کئے جائیں (3x3x3x3 = 81) اقسام کے انسان سامنے آجاتے ہیں یہ کم از کم اقسام ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی خصوصیات دوسرے سے

....

مختلف ہیں؛ جنکی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی؛ ان میں سے ہر ایک کی خاصیات دوسرے سے منفرد ہیں: جسم میں ضروریات اور خواہشات کا پیدا کرنا؛ اور ان کو پورا کرنے کی راہ **نفس** دکھاتا ہے؛ اور انسان میں شعور وادراک پیدا کرنا **روح** کا کام ہے؛ اور اس دنیا کی غذائیت سے لطف اندوز ہونا **جسم** کا کام ہے؛

موت وحیات کی حقیقت

انسانی موت اور حیات کی حقیقت بڑی عجیب ہے؛ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اللّٰہُ یتوفّی الْاَنفُسَ حین موتها والّتی لم تمت فی منامها؛ یعنی اللہ تعالی انسان کے اندر سے نفس نکال لیتے ہیں جب اس کو موت دینا مقصود ہو، اور اگر نفس واپس بھیج دیں تو یہ نیند ہوتی ہے، جبکہ روح ابھی اسی کے اندر موجود رہتی ہے، لہذا انسانی موت وحیات کی نوعیت کچھ یوں بنتی ہے کہ اس میں شعور ہوتا ہے مگر اس کی موجودگی سے دنیا کے عارضی اسباب ولوازمات میں استفادہ ممکن نہیں ہوتا اگرچہ شعور وادراک اس میت میں مکمل طور پر موجود ہوتا ہے؛ بلکہ بعض اوقات دنیا کے مقابلے میں وہ شعور وحیات زیادہ واضح اور عیاں ہوتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی کہ: المیتُ یعذّب ببکاء اهله (بخاری) یعنی میت کو اہل خانہ کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے؛ اگر موت انسان کو پتھر کی طرح بنادے تو اس کو عذاب دئے جانے کے کوئی معنی نہیں ہیں؛ اور ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ میدانِ بدر میں کفار کی میّتوں کے پاس جا کر رسول اللہ ﷺ نے

پوچھا:ھــــل وجــــدتــــم مــــــا وعــــد ربــــکـــم حـــقـــــا، کیاتم نے اپنے رب کا وعدہ پورا ہوتا ہوا پا لیا ہے؟

....

توصحابہ کرامؓ نے تعجب سے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ کیا یہ آپکی آواز سنتے ہیں؟ توحضور اکرم علیہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:ھم اسمع منکم ؛یعنی وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں؛مراد یہ تھی کہ اب ان میں شعور اور احساس پہلے سے زیادہ ہوگیا ہے توان کو کیوں نہ سنائی دے گا ،

مخفی زندگی کی ایک اور مثال

انسان کے کلام کی حقیقت یہ ہے کہ:اس کے کلام میں تین چیزیں یک بارگی استعمال ہوتی ہیں،پہلی :انسانی زبان سے استعمال ہونے والے الفاظ؛دوسری:ان الفاظ کی تراکیب ؛اورتیسری:ان تراکیب میں استعمال ہونے والا نور یاظلمت جوایک انسان دوسرے انسان کے باطن میں منتقل(transfer) کرتا ہے؛اورانسان کواس بات کا اکثر احساس نہیں ہوتا اسی وجہ سے نیک لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی باتیں سننے سے قلبی اطمینان اور دل میں سکون ہوتا ہے؛اور بعض لوگوں کی بات سننے سے طبعیت میں ارتعاش (disturbance) ہوتی ہے؛اس نور وظلمت کا دنیا میں پتہ نہیں چلتا؛البتہ مرنے کے بعد اس کی حقیقت انسان پر کھل جاتی ہے؛اسی طرف بات کی حقیقت کی طرف اللہ تعالی نے ان الفاظ کے ساتھ اشارہ فرمایا:اِنَّ اللّٰـهَ يُسۡمِعُ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ (الفاطر) یعنی اللہ تعالیٰ مردوں کوسنا تا ہے مگر وہ ازخود نہیں سن سکتے؛وجہ یہ ہے کہ:انسان کے مرنے کے بعد اللہ تعالی کا ایسا غیبی نظام حرکت میں آجاتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے علم اورمرضی کے تابع ہوتا ہے،کسی زندہ شخص کواس کی حقیقت قطعاً معلوم نہیں کہ:کیا ہورہا ہے؟اس ساری بحث کا عام قاری کی سمجھ میں آنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے؛اس لئے اللہ تعالیٰ نے ....

موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں فرمایا ہے کہ:ولـکـن لاتشعرون، یعنی تمہارے شعور کی رسائی وہاں تک نہیں؛چونکہ عام آدمی کے شعور کی اس مقام تک رسائی کی نفی کی گئی ہے،عین ممکن ہے کوئی شخص اپنے شعور کو بلند کرلے تواس کو مرنے کے بعد کی زندگی کچھ معلوم ہونے لگے ؛جیسا کہ بعض لوگ کشف القبور کے ذریعے بعض باتیں جاننے لگتے ہیں؛مگر یہ قوت مقصودِ اصلی نہیں ؛اوراس کے حاصل کرنے اوراس کی تگ ودوکرنے سے حاصل وصول کچھ نہیں ہوتا؛اسی لئے قبر میں عذاب ہونا،انسانی روح کا اسی قبر میں لوٹایا جانا،اسی قبر کا انسان کی پسلیاں دبانا حق ہے؛

نوٹ:روح کولوٹائے جانے سے مراد یہ ہے کہ:انسان کی موت کے ساتھ انسانی نظام میں تبدیلی کردی گئی ہے؛اوراب وہ دارلجزاء میں چلا گیا ہے وہاں اس کوزندہ کیا جاتا ہے تاکہ باور کروایا جائے کہ دنیا میں کیا کرتا رہا اوراس کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے،یہ مختصر بیان ہے جواللہ تعالیٰ نے اس مترجم پرکھولا ورنہ اصل حقیقت اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اس کا حقیقی علم مرنے کے بعد ہوگا؛

نوٹ: یہ مسئلہ فقہاء اورصوفیاء کے درمیان متنازع ہے کیونکہ فقہاء ظاہرنص کودیکھ کرفیصلہ کرتے ہیں جبکہ صوفیاء کے ہاں ظاہر کے ساتھ اسکے باطن کوبھی مدنظر رکھا جاتا ہے؛اس دنیا کے نزاع لفظی میں پڑنے کی بجائے اپنی آخرت کی تیاری میں محنت کرنی چاہئے جہاں کی کامیابی اصل کامیابی اورناکامی اصل ناکامی ہے؛اوراللہ سے ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ وہاں کی کامیابی سے سرفراز فرمائے اورناکامی سے محفوظ فرمائے؛

﴿اللہ تعالی کے اسماء وصفات عربی کے علاوہ﴾

عقیدہ نمبر:(۱۰۴)

اوراللہ تعالیٰ کی وہ تمام صفات جوعلمائے فارسی نے بیان کی ہیں جوذات باری اورصفات عالی کے بارے میں ہیں ان تمام کا اپنی زبان سے اقرار کرنا درست ہے؛سوائے ید(دست) کوفارسی زبان میں استعمال کرنے کے لہذا (روئے خدا) کہنا درست ہے مگراس میں بھی تشبیہ اورکسی کیفیت کا احتمال نہ ہوگا

....

اللہ تعالیٰ کی فارسی یا کسی اورزبان میں جوصفات ذکر کی گئی ہیں اس کی دوقسمیں ہیں (۱) اگر کسی صفت کے ذریعے ذاتِ باری تعالی میں نقص وارد ہونا لازم آئے تووہ صفت اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہے (۲) اس کے علاوہ وہ تمام صفات جن سے ذات باری تعالی میں نقص اورعیب لازم نہ آتا ہوذات باری

تعالی کے لئے استعمال کرنا درست ہوگی ؛ جیسے فارسی زبان میں یدالله کا ترجمہ'دست خدا' لفظ اللہ تعالی کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ؛ مثلاً یوں کہہ سکتے ہیں ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے سامنے ،مگر یہ سامنا بلاتشبیہ اور بلا کیفیت ہوگا [دست خدا] یا [اللہ کا ہاتھ] وغیرہ جیسے کلمات اللہ تعالی کے لئے استعمال کرنا درست اور جائز نہیں ہے ؛

عقیدہ نمبر: (۱۰۵) قرب اور بعد کی حقیقت

اور اللہ تعالی کا کسی سے قرب اور بعد ان معنوں میں نہیں ہوگا کہ اس سے مسافت کے لحاظ سے دوری یا نزدیکی مراد لی جائے ؛

عقیدہ نمبر: (۱۰۶)

اس سے مراد ذلت اور عزت یا قدر ومنزلت ہوتی ہے ؛ لہذا مطیع اور اللہ تعالی کا فرمانبردار بندہ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے ؛ مگر یہ قرب بے کیفیت ہے ؛ اور نافرمان اور گناہ گار شخص بلا کسی کیفیت کے اللہ تعالی سے دور ہوتا ہے ؛ اور مطیع کی قریبی اور نافرمانی کی دوری بلا کیفیت اور بلا تشبیہ ہوتی ہے ؛ دنیا میں قریب یا دور کے معنوں میں نہیں ہے ؛

عقیدہ نمبر: (۱۰۷) وقوف وجوار کی کیفیات

اللہ تعالی کا قرب اور اس کا بعد اور کسی کی طرف متوجہ ہونا یہ مناجات کرنے والے پر وارد ہونے والی کیفیات ہیں ؛ اور اس اللہ تعالی کی ہمسائیگی اور اس کے سامنے ٹھہرنا بھی اللہ تعالی کی بے کیفیت صفات میں سے ہیں ؛

﴿حقیقت قرآن اور آیات کی فضیلت میں﴾

عقیدہ نمبر: (۱۰۸)

قرآنِ کریم : جو رسول اللہؐ پر نازل ہوا ہے ، یہ وہی قرآن کریم ہے جو ایک مصحف کی شکل میں لکھا گیا اور ہمارے سامنے موجود ہے ؛

عقیدہ نمبر: (۱۰۹)

اور تمام قرآنی آیات حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں ؛ اور عظمت وفضیلت میں سب قرآنی آیات برابر ہیں ؛

عقیدہ نمبر: (۱۱۰) بعض آیات کی فضیلت

اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ : بعض آیات کو اللہ تعالی کی طرف سے ذکر کے لحاظ سے فضیلت ہے ؛ اور بعض آیات کو اس آیت کے مضمون میں مذکور ہونے والی ذات کی وجہ سے فضیلت ہے ؛ جیسے آیت الکرسی کی فضیلت ، اور وہ اس وجہ سے ہے کہ : ذات باری کا اس آیت میں تذکرہ کیا گیا ہے ؛ اور اس میں اللہ تعالی کی ذات کی فضیلت وعظمت ہے اور اس کی صفات کا اجلال ہے ؛ اس لحاظ سے اس آیت میں دو فضیلتیں جمع ہوگئی ہیں ایک ذکر کی فضیلت ؛ اور دوسرا مذکور یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کی فضیلت ؛

ورنہ عام آیات میں سے بعض میں صرف ذکر کی فضیلت ہوتی ہے اور مذکورہ شخصیت کی فضیلت بالکل نہیں ہوتی ؛ مثال کے طور قرآن کریم میں بعض مقامات پر کفار کا تذکرہ ہے اس میں صرف ذکر کی فضیلت ہے وہ اس طرح کہ یہ آیت قرآن کریم میں اللہ تعالی نے ذکر فرمائی ہیں ؛ اس میں مذکورہ شخصیت کو کوئی فضیلت اور مرتبہ نہیں کیونکہ وہ لوگ تو طبقۂ کفار میں سے ہیں ؛

عقیدہ نمبر: (۱۱۱) اسماء وصفات کی عظمت

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے تمام نام اور اس کی تمام صفات ، عظمت اور فضیلت میں برابر ہیں اور ان میں کوئی تفاوت اور فرق نہیں ہے ؛ اور نہ ہی کسی میں کمتری یا برتری پائی جاتی ہے ؛

﴿ والدین اور اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ﴾

عقیدہ نمبر: (۱۱۲) حضورؐ کے والدینؓ کا ایمان

حضور اکرم ﷺ کے والدین ایمان کی حالت میں فوت ہوئے ہیں ؛

....

نوٹ: یاد رہنا چاہئے کہ: امام صاحب سے فقہ اکبر میں اس مسئلہ پر تین طرح کی عبارات ملتی ہیں ؛

(۱) ایک رائے یہ ہے کہ: والدین نبی ﷺ ایمان کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے؛ اور اس رائے میں نہ تو کوئی شک ہے؛ اور نہ ہی اس پر کوئی ایسا اعتراض کہ اس کا جواب نہ ہو ہے؛ کیونکہ آپؐ کی ولادت سے قبل جو لوگ فوت ہوئے اگر وہ اپنے قبیلے یا قوم کی طرف مبعوث کئے گئے نبی پر ایمان لا چکے تھے تو انہیں بلا کسی شک وشبہ مؤمن سمجھا جائے گا ؛

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ: والدین نبی ﷺ کی موت فطرت پر ہوئی ؛

فطرت کی وضاحت امام اعظم ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

۲۱: کلُّ مولودٍ یولد علی فطرة

خلق اللہ تعالی الخلقَ سلیماً من الکُفرِ و الایمان ؛ ثم خاطَبهُم وامرهم

....

ونهاهم ؛ یعنی: اللہ تعالی نے تمام مخلوقات کو اسلام اور کفر سے سالم پیدا کیا ہے، اور پھر انکو امر ونواہی کے احکامات دئے؛ تو گویا فطرت نام ہے کفر اور ایمان سے ورے ہونے کا؛ جبکہ اسلام بذات خود دین فطرت کا نام ہے، لہذا اگر کوئی شخص اللہ تعالی کے اوامر ونواہی پر عمل کرے یا دین فطرت پر ہو تو وہ مسلمان ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ اس زمانے کے لئے باقاعدہ کوئی رسول نہیں بھیجا گیا تھا اور ہر قبیلہ اور قوم کی طرف جو نبی بھیجا گیا اس زمانے کے لوگوں کا اسی پر ایمان لانا ان لوگوں کے ایمان دار ہونے کی دلیل تھی؛ جیسے کہ حدیث میں آتا ہے: کل مولودٍ یولد علی فطرة ؛ یعنی ہر پیدا ہونے والا اس کی فطرت پہ پیدا ہوتا ہے پھر ماحول، اس کا خاندان، اس کے رسم رواج، اس کو ایک ڈگر پر چلاتے ہیں اور وہ اسی پر چل نکلتا ہے؛ اس ساری بات کے پیش نظر انکے بارے میں اسلام کی رائے قابل قبول اور قابل عمل ہے؛

(۳) تیسری رائے یہ کہ والدین نبی ﷺ کی وفات کفر پر ہوئی ؛

اس بارے میں جان لینا چاہئے کہ: جس نسخہ کی یہ عبارت ہے اس میں تحریف ہوئی ہے؛ جیسا کہ صاحب دارالمختار فرماتے ہیں: وما فی الفقه من ان والدیه ماتا علی الکفر فمدسوس علی الامام ، یعنی یہ جو مسئلہ کہ فقہ اکبر میں ہے حضورؐ کے والدین کی موت کفر پر ہوئی ہے، یہ متن میں تحریف ہے؛ جبکہ اصل عبارت اور طرح ہے؛

شیخ ابراہیم قوتلانی اپنے مقالے [الامام علی القاری] میں نقل کرتے ہیں: وانی بحمد الله رأیت لفظ 'مَامَاتَا' فی نسختین بدار الکتب المصریة قدیمتین وعلی القاری بنی شرحه علی النسخة الخاطئة ،یعنی میں نے الحمدللہ دار

....

الکتب مصریہ میں دو نسخے دیکھے جن میں (ماماتا) کے الفاظ تھے؛ اور یہ تحریف کا قصہ یوں ہوا کہ شیخ مرتضی الزبیدی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد احمد بن مصطفے الحلبی کے ہاتھ سے فقہ اکبر کے اس مقام پر لکھا ہوا دیکھا: ان الناسخ لما رأی تکرر ما فی ماماتا ظن ان احدهما زائدة فحذها فذاعت نسخة الخاطئة ، یعنی لکھنے والے نے [مَامَاتَا] کے دو [ما] دیکھ کر اندازہ لگایا کہ ایک [مَا] زائد ہے لہذا اس نے ایک [مَا] حذف کر دیا اور یہ غلطی والا نسخہ دنیا میں پھیل گیا؛ ملاعلی القاری اور دوسرے شارحین نے نسخوں کی تصحیح میں زیادہ محنت نہیں کی جس سے یہ نسخہ عام ہو گیا؛

اور اس کو تسلیم کرتے ہوئے ملاعلی القاری نے شرح فقہ اکبر میں نسخہ زید کا متن اسی طرح نقل فرمایا ہے کہ: والدا رسول الله ماتا علی الایمان ؛ مگر اس مقام پر انہوں نے ترجیح اسی بات کو دی کہ آپکی فوتگی کفر پر ہوئی؛ جب بعد

میں مسئلہ ان کے لئے واضح ہوا تو اپنی آخری تصنیف شرح الشفاء خود فرماتے ہیں: و ابو طالب لم یصح اسلامہ ؛ و ابویہ ففیہ اقوال ؛ و الا صح اسلامہما علی ما اتفق علیہ الاجلة من الا مة ، یعنی والدین رسول ﷺ کے مؤمن ہونے میں متعدد اقوال ہیں ؛ مگر صحیح ترین رائے یہ ہے کہ ان کی وفات اسلام پر ہوئی ہے اور امت کے جلیل القدر آیمہ کی رائے بھی یہی ہے ؛ اور جب ملا علی القاری کا پہلا مؤقف تھا تو انہوں نے اپنے مؤقف کی تائید میں ایک رسالہ [أدلة معتقد أبی حنیفة الامام فی أبوی الرسول علیہ السلام] بھی لکھا مگر بعد میں حقیقت حال معلوم ہو جانے کے بعد اپنا مؤقف بدل لیا ؛ اور شرح الشفاء میں اس کی وضاحت بھی لکھ دی ؛

....

اور بالفرض والمحال اگر ملا علی کی کفر والی رائے کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے انکی مراد کفر لغوی ہوگا یعنی آپنے زمانہ نبوت نہیں پایا ؛ اور یوں اسلام عرفی معنوں میں آپ پر صادق نہیں آتا ؛ اور آپ ویسے مسلمان نہیں ہیں جیسے حضور کے زمانے میں ایمان لانے والے تھے ؛ جبکہ حق بات وہ ہے جو متن میں مذکور ہوئی کہ آپکے والدین کی وفات ایمان پر ہوئی ؛ مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب الشفاء عن والدی المصطفیٰ میں دیکھی جاسکتی ہے ؛

عقیدہ نمبر: (۱۱۳)

اور آپ ؐ کے چچا اور حضرت علیؓ المرتضی کے والد ابو طالب کی وفات کفر پر ہوئی ہے، اور انہوں نے آخر وقت تک ایمان قبول نہیں کیا تھا ؛

عقیدہ نمبر: (۱۱۳) حضورِ اکرم ﷺ کے بیٹے

آپ ؐ کے قاسمؓ، طاہرؓ اور ابراہیمؓ ؛ رضوان اللہ علیہم بیٹے تھے ؛

عقیدہ نمبر: (۱۱۳) حضورِ اکرم ﷺ کی بیٹیاں

اور حضرت فاطمہؓ، رقیہؓ، اُم کلثومؓ اور زینبؓ یہ تمام آپ ﷺ کی بیٹیاں تھیں ؛

....

نوٹ: اور اس پر تمام اہل السنة والجماعة اور اہل التشیع حضرات کی کتب متفق ہیں مگر اہل تشیع سیدة فاطمة کے علاوہ ساری اولاد کو نبوت سے پہلے کی اولاد مانتے ہیں اور اسی کو سب اولاد نبی ﷺ پر وجہ فضیلت قرار دیتے ہیں ؛ جبکہ اصل حقیقت معلوم ہونی چاہئے کہ فاطمہؓ کے والد اور امِ کلثومؓ، رقیہؓ اور زینبؓ کے والد ہونے میں تو شک نہیں اور آپ کا اعلانِ نبوت تو چالیس برس کی عمر میں ہوا ؛ جبکہ آپؐ تو اس وقت بھی نبی ﷺ تھے جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کنت نبیاً و آدم منجدل بین الماء والطین ؛ یعنی جب آدمؑ پانی اور مٹی میں کی شکل میں تھے میں اس وقت بھی میں نبی تھا ؛ لہذا: وقتی تخصیص یا فضیلت سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہے ؛ البتہ حضرات شیعہ کے ہاں دوسری وجہ فضیلت فاطمہؓ کا علیؓ سے نکاح ہونا ہے ؛ چونکہ ان کے نزدیک سارے صحابہ کرامؓ کو چھوڑ کر اصل فضیلت حضرت علیؓ کی ہے ؛ اسی ....
طرح انہوں نے اصل فضیلت کو فاطمہؓ کے اندر بند کر دیا اور ان فضیلتوں کی وجہ سے دوسروں سے انکار کر دیا ؛ اور یہ انکی کم ہمتی اور بے عقلی ہے ورنہ کسی کو تو کسی ایک وقت میں ایک دوسرے پر فضیلت ہوسکتی ہے ؛ اگر اس کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو جھگڑا سرے سے نہیں رہے گا ؛

مشقی سوالات

(۱): اللہ تعالی کی صفات میں سب سے افضل صفت کونسی ہے؟

(۲): جن ایات میں کفار شیطان کا تذکرہ ہے انکی کیا فضیلت ہے؟

(۳): اللہ کے قرب اور بعد کا کیا مطلب ہے؟

(۴): قبر کی زندگی پر ایک نوٹ تحریر فرمائیں؟

(۵): انسان کے گمراہ ہونے کی کیا وجہ ہوتی ہے؟

(۶): والدین نبی ﷺ کے بارے میں اپکی کیا رائے ہے؟

(۷): آپؐ کے کتنے بیٹے اور کتنی بیٹیاں اور انکی عمر میں کیا ترتیب تھی؟

(۸): اہل تشیع کا اولاد نبی ﷺ کے بارے میں کیا نقطۂ نظر ہے؟

﴿عقائد میں توقف کرنے کا حکم﴾

عقیدہ نمبر: (۱۱۶)

اگر کسی شخص پر علم توحید اور علم عقائد کی باریکیوں میں سے کوئی بات سمجھنا مشکل ہو جائے اور اس کی سمجھ میں نہ آئے؛ یا کوئی اور مسئلہ جیسے صفاتِ باری کا مسئلہ سمجھ نہ آرہا ہو تو اسکو چاہئے کہ فی الحال جو بات درست طریقے سے سمجھ میں آتی ہو اس کو مان لے؛ اور یہ عقیدہ رکھے کہ: جو بات اللہ تعالیٰ کے ہاں صحیح اور درست ہے اس پر میرا ایمان ہے؛ اور وہی عقیدہ ہے اور بعد میں جب کوئی ایسا عالم ملے جو اس کی تسلی وتشفی کرسکتا ہو تو اس سے پوچھ کر اپنی رائے درست کرلے **عقیدہ نمبر: (۱۱۶)**

اس مسئلہ کے معلوم کرنے میں ہرگز دیر کرنا درست نہیں ہے؛ اور اگر کوئی شخص اس پر توقف اختیار کرلے تو اس کا یہ عذر اللہ تعالی کے ہاں قابلِ قبول نہ ہوگا؛ اور اس عقائد کے مسئلہ پر توقف کرلینے سے شریعت اسلامیہ میں اس کے بارے میں کفر کا حکم دیا جائے؛

....

نوٹ: ہاں! شرعی مسائل کی مندرجہ ذیل صورتوں میں توقف اختیار کرنا درست ہے

(۱) اگر کسی مسئلہ میں جانبین کے دلائل برابر ہوں

(۲) کسی مسئلہ کا درست جواب معلوم نہ ہوسکتا ہو

....

(۳) یہ کہ: وہ مسائل اصول سے تعلق رکھتا ہو؛ ان مسائل کے جواب میں فوری طور پر یہ کہنا چاہئے کہ: جیسے اللہ کے ہاں درست بات ہے اس پر ہم ایمان رکھتے ہیں؛ مگر جیسے ہی کوئی درست بتانے والا عالم ملے اس سے پوچھ کر اپنی تصحیح کرلی جانی چاہئے؛ جیسا کہ خود امام صاحبؒ سے بارہ مسائل میں توقف ثابت ہے؛ اور کسی نے ان مسائل میں سے بعض کو نظم کرتے ہوئے یوں کہا ہے:

من قال لا ادری عالم یدرہ فقد اقتدی فی الفقہ با لنعمان

فی الدّھروالخنثیٰ کذاك جوابه ومحلّ اطفال ووقتّ ختانه

اور ایک دوسرے امام نے ان مسائل کو یوں لکھا

ووِرعاً للامامِ الاعظمِ النُّعمانِ سببُ التّوقّفِ فی جوابٍ عانِ

سؤرّ الحمارِ؛ بفاضلّ جلالةٍ؛ وثوابّ جنّیّ علی الایمانِ؛

والدھرّ؛ والکلبَ المعلم؛ ثم مع ذریّةَ الکفا؛ و وقتّ ختان

یعنی جو شخص ایسی بات میں لا ادری کہے جسکو وہ نہیں جانتا تو وہ فقہ میں امام اعظم کی اقتدا کررہا ہے؛ کیونکہ انہوں نے بھی کئی مسائل کا جواب دینے کی بجائے توقف اختیار کیا

(۱) یعنی اگر کوئی یہ بات کرے کہ میں اتنے دہر میں فلاں سے بات نہ کروں گا تو اس دہر سے کتنا زمانہ مراد ہے؟

(۲) خنثیٰ مشکل: یعنی ایسا ہیجڑا جو اپنی دونوں شرم گاہوں سے برابر پیشاب کرے اس کو وراثت کے مسائل میں آدمی جانا جائے یا عورت کا حکم لگا کر وراثت کا حق دار قرار دیا جائے؟

(۳) کفار اور مشرکین کے فوت شدہ نابالغ بچوں کے بارے میں کیا رائے ....

رکھی جائے کہ وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں،

اس مسئلہ پر بعد میں امام نے اپنی رائے تبدیل فرمالی تھی؛ اور فرمایا یہ بچے جنت کے غلمان ہوں گے؟

(۴) ختنہ کس عمر تک کر سکتے ہیں؟

دوسرے شعر میں کچھ مسائل تو وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ہیں اور باقی مسائل کی تفصیل یہ ہے؟

(۵) آیا گدھے کا جوٹھا پاک ہے یا ناپاک؟

(۶) گندگی کھانے والی مرغی کتنے دن بند رکھنے سے پاک سمجھی جائیگی؟

(۷) جنات کے ایمان لانے سے انکو ثواب ہوگا یا نہیں ہوگا؟

(۸) کلب معلم یعنی سکھلایا ہوا کتا کس کو سمجھا جائے؟

اور کچھ مسائل جو اسکے علاوہ ہیں، اور بعض ائمہ نے انکو ذکر کیا ہے مندرجہ ذیل ہیں؛

(۹) فرشتے انبیاء سے افضل ہیں یا نہیں؟

(۱۰) والدین مصطفیٰؐ ایمان پر فوت ہوئے یا کفر پر؟ اسکی وضاحت متن فقہ اکبر میں کردی گئی ہے اور تفصیل کے لئے وہاں دیکھنا چاہئے؛

(۱۱) یزید بن معاویہؓ کو برا کہنا چاہئے، یا اچھا؟

(۱۲) اگر کوئی شخص ایسا کلمۂ کفر بولتا ہو جس کی ننانوے توجیہات کفر کی اور ایک توجیہ ایمان کی ہو اس پر کفر کا فیصلہ دینا چاہئے یا نہیں؟

تنقیح مسائل

ان میں سے بعض مسائل پر امام صاحب کی حتمی رائے معلوم ہوگئی ہے؛ اور...

بعض مسائل میں توقف ثابت ہے؛ وہ مسائل جن کا علم عقائد کے اصولی مسائل سے تعلق نہیں اور ان میں توقف اختیار کرنے سے ایمان میں کوئی خاص خلل یا نقصان نہیں مثلاً نمبر ۱، ۲، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۱۱ اور ۱۲ کے بارہ میں توقف معروف ہے اور یہ چونکہ شرعی مسائل ہیں اور ان میں توقف اختیار کرنے کی اجازت ہے؛ جبکہ باقی مسائل نمبر: ۳، ۹، ۱۰، ۱۲ کیونکہ عقائد سے تعلق رکھتے ہیں امام سے انکے بارے میں واضح رائے موجود اور معلوم ہے؛ اگرچہ عین ممکن ہے کہ دیگر مسائل میں بھی امام صاحب کی رائے موجود ہو مگر علمی کمی کے سواء کیا عذر پیش کیا جا سکتا ہے؟ اور امام صاحب کی کتاب کا اردو ترجمہ عوام الناس میں عقائد کے سلسلے میں جہالت کو ختم کرنے کی غرض سے کیا جارہا ہے؛ جو ایمان اور کفر میں فرق کرنے کا ذریعہ ہے؛

عقیدہ نمبر: (۱۱۸) معراج اور اس کا انکار کرنا

معراج کی خبر جس نے دی اور جسؐ سے ہم تک پہنچی ہم اس کے تصدیق کرتے ہیں؛ یہ واقعتاً حق اور سچ ہے؛ اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ گمراہ اور بدعتی ہے؛

....

نوٹ: سوال یہ ہے کہ آیا معراج جسمانی تھا یا روحانی؟ بعض آئمہ اس کے روحانی ہونے کے قائل ہیں؛ مگر حق اور صریح بات یہ ہے: معراج رسول اللہ ﷺ جسمانی تھا؛ ورنہ روحانی معراج تو کئی انبیاء اور حضور اکرم ﷺ کو کئی بار ہوا ہے؛ اور آپؐ کا خاصہ معراج جسمانی ہے یعنی آپ نے اپنے جسمِ اطہر سمیت ساتوں زمین اور ساتوں آسمانوں؛ اور پھر جنت اور دوزخ دیکھی اور اپنے اللہ سے ہم کلام ہوئے؛ اس کا نام معراج ہے

عقیدہ نمبر: (۱۱۹) دجال اور دیگر علامات قیامت

دجال کا نکلنا، اور یأجوج مأجوج کا نکلنا ظاہر ہونا؛ اور مغرب کی طرف سے سورج طلوع ہونا یہ سب حق اور سچ ہے

حیاۃ ونزول مسیح علیہ السلام

حضرت مسیح علیہ السلام کا قیامت قریب آسمان سے اترنا؛ اور دیگر تمام علامات قیامت جو صحیح احادیث وارد ہونے سے معلوم ہیں حق اور سچ ہیں؛

اور وہ سب قیامت سے پہلے یقیناً واقع ہوکر رہیں گی ؛

....

نوٹ: ان علامات میں سب سے پہلے حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ظہور ہوگا ؛ پھر بیت المقدس جائیں گے ؛ اس دوران وہاں دجال کا ظہور ہوگا ؛ حضرت مسیح علیہ السلام دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی منارہ پر نازل ہونگے ؛ اور امام مہدیؓ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کریں گے ؛ اور دجال کو ایسے قتل کریں گے کہ اس پر ایک وار کریں گے جس سے وہ نمک کے پانی میں گھل (mix) جانے کی طرح پگھل (melt) جائے گا ؛ اس کے بعد اسلام کو دنیا میں غالب کریں گے ؛ حتیٰ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں کوئی کافر یہودی یا عیسائی نہ بچے گا ؛ صلیب توڑ دی جائے گی ؛ اور کوئی اس نشان کو پہننے والا نہ رہے گا ، خنزیر قتل کر دیا جائے گا اب کوئی شخص اس کو کھانے والا نہ ملے گا ؛ زمین پر عدل وانصاف کا دور دورہ ہوگا ، کوئی ظلم وستم نہ ہوگا ؛ محبت اور بھائی چارہ عام ہوگا ؛ حتیٰ کہ شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پہ پانی پئیں گے ، اور یہ سب کچھ حضرت عیسیٰ ؑ کی چالیس سالہ زندگی میں ہوگا ، اور آپ کی

....

وفات کے بعد مدینہ منورہ میں حضور اکرم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدفون ہونگے ؛ اسکے بعد یأجوج مأجوج ظاہر ہونگے اور امام مہدی رحمہ اللہ علیہ دعا سے انکو ہلاک کر دیں گے ؛ دھواں ؛ دابۃ الارض نامی مخلوق انسانوں سے انکی طرح باتیں کرے گی ؛ اسکے بعد دنیا سے تمام مؤمن ختم ہو جائیں گے ؛ اور اللہ کا نام لینے والا بھی کوئی نہ بچے گا ؛ قرآن کریم کے الفاظ کتابوں اور سینوں سے نکال لئے جائیں گے ؛ مشرق ، مغرب اور جزیرۂ عرب میں سورج گرہن ہوگا ؛ مغرب کی طرف سے سورج طلوع ہوگا ؛ آخر میں یمن سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف دھکیل کر لے جائے گی ؛

ضروری تنبیہ

ویسے تو مدعیان نبوت برساتی مینڈکوں کی طرح ہر طرف غوغائے نبوت یا نعرۂ مہدیت بلند کرتے پھر رہے ہیں مگر پنجاب میں غلام احمد قادیانی وفات ۱۹۰۸ کا شور سب سے زیادہ ہے ؛

پہلی بات: اب اس کی جگہ چوتھا شخص نمائندگی کر رہا ہے ؛ اور اپنے مقتدا کے جھوٹا ہونے کی گواہی ساری دنیا کو پیش کر رہا ہے ؛ کیونکہ (۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی میں پوری دنیا میں عدل وانصاف غالب کرنا تھا ؛ مگر ان صاحب کے ماننے والے تمام چوھدری ، وڈیرے اپنے مزارعوں اور کھیتوں میں کام کرنے والے اہل دیہہ پر ظلم کرتے ہیں ؛ اور مسلمانوں کو غیر مسلم جانتے ہوئے انکا مال لوٹنا جائز سمجھتے ہیں ، اور اس بات کی ہر روز عملی گواہی دیتے ہیں کہ جس کو ہم مسیح موعود مانتے ہیں وہ صریحاً جھوٹا تھا ؛ کیونکہ مسیحؑ عدل و انصاف کو عام کرنے آئے تھے جبکہ یہ شخص ظلم کو عام کرنے آیا ؛ عامۃ الناس

....

ان لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آجاتے ہیں مگر ساری زندگی باوجود معلوم ہو جانے کے کہ یہ شخص جھوٹا ہے ان کے دام فکر و دجل میں ایسے پھنسے رہتے ہیں کہ نہ اُگلے بنتی نہ ہی نگلے بنتی ہے ؛

دوسری بات: حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی میں دین اسلام کو عام کرنا تھا حتی کہ دنیا میں یہودی عیسائی نہ رہے گا کسی پر جزیہ نہ ہوگا ؛ صلیب توڑ دی جائے گی ؛ خنزیر قتل کر دئے جائیں گے ؛ جبکہ اس شخص کی زندگی میں دنیا میں دہریت عام ہوئی ؛ صلیب کے پھریرے پورے عالم میں لہرائے گئے ؛ حرام گوشت عام ہوا حتی کہ حلال گوشت کی تلاش میں میلوں سفر کئے جانے لگے ؛ سؤر کے فارم بنائے جانے لگے ؛ انکے ظہور سے قبل دنیا میں اگر ایک ارب مسلمان تھے مگر ظہور کے ساتھ ہی یہ سارے مسلمان کافر بن گئے سوائے ان پر ایمان لائے ہوئے چند اشخاص جنکی تعداد شائد لاکھوں میں ہوگی ؛ لہذا موصوف کو فوت ہوئے ۹۳ سال ہو چکے ہیں مگر انکے آنے اور چلے جانے کے بعد کفر زیادہ ہوا ؛ کیونکہ ان کے بقول انکی جماعت کے علاوہ سب لوگ کافر ہیں ؛ کیونکہ موصوف کا کہنا یہ ہے کہ جو اس پر ایمان لائے وہ مسلمان ہے اور جو انکار کرے وہ کافر ہے ؛

تیسری بات: حضرت مسیح علیہ السلام کے آنے سے ہر طرف امن امان دولت کی فراوانی ہو جانی تھی ؛ مگر موصوف کے آنے اور انکے دعوئ مہدیت کے زمانے میں دو عالمی جنگیں ہو چکیں ؛ اور دنیا میں کون سا ملک ہے جہاں امن وامان ہو ؛ غربت وافلاس ہر طرف عام ہوا لوگوں نے زکوۃ دینے سے اپنی دولت بچانی شروع کر دی ؛ اور زکوۃ مانگنے والے ہر طرف وافر مقدار میں آج بھی موجود..

ہیں؛

خلاصۂ کلام: یہ عمومی اور عوامی باتیں اس بات کا صریح ثبوت ہیں کہ دجال ہر زمانہ میں آتے رہے ہیں؛ اور آتے رہیں گے؛ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سیکون فی امتی ثلاثون دجالون کذابون کلھم یزعمون انھم نبی اللہ وانا خاتم النبیین لانبی بعدی؛ **یعنی میرے بعد میری امت میں** تیس دجال آئیں گے اور ان میں ہر ایک نبوت کا دعوی کرے گا؛ اور یہ کہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا؛

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کسی اعلان یا دعوی کا تقاضا نہیں کرے گا؛ مؤمنین کی ایک جماعت خود بخود ان کو جان لے گی اور انکے بلا دعوی انکی تصدیق کرے گی

عقیدہ نمبر:(۱۲۰)

اور اللہ تعالی ہی وہ ذات ہے جو جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدائت دیتا ہے

وما توفیقی الا باللہ

×××××××××

مشقی سوالات

(۱) :کس قسم کے مسائل میں توقف کرنا جائز ہے؟

(۲):امام اعظم نے کن کن مسائل میں توقف کیا؟

(۳):معراج نبوی کا کیا حکم ہے؟

(۴):دجال پر ایک مفصل نوٹ تحریر کریں؟

(۵):حضرت مسیح علیہ السلام پر ایک مضمون تحریر کریں؟

امام اعظم اور علم کلام

تالیف

مفتی رشید احمد العلوی

مکتبہ الجامعۃ العلویۃ

پی او بکس ٦٣ جی پی او گوجرانوالہ

تصانیف مفتی رشید احمد العلوی

المتون المعتبرة[فی عقائد الاشعرية والماتريدية]

٢: کتاب التعلیم والفقہ عربی اردو

[مشتملة على :الخلاصه كيدانى والمنية المصلى ،اور التعليم والمتلم]

٣: اسلامی اصول تعلیم اردو فارسی

٤: مجموعہ **الفقه الاكبر(لامام الائمه ابوحنيفه)**

[مشتملة على:الفقه الاكبر؛الفقه الابسط؛ العالم والمتعلم؛ كتاب الوصية]

٥: الفقه الابسط؛ عربی: از شیخ ماتریدی؛ وفارسی: از خواجہ محمد گیسو دراز، اردو: از رشید احمد العلوی

٦: الشفاء عن ابوی المصطفیٰ اردو

٧: قصائد حمدیہ قادریہ، ترجمہ اردو؛ ٨: الفقہ الاکبر تشریح وترجمہ اردو

٩: الفقہ الابسط: ترجمہ وتشریح اردو؛ ١٠: العالم والمتعلم: ترجمہ وتشریح اردو

١١: کتاب الوصیۃ: ترجمہ وتشریح اردو ١٢: الانعام فی سیرۃ الامام عربی

١٣: امام اعظم کی علم کلام میں خدمات اردو

١٤: العشرين عن الامام الامين عن النبى الكريم عربی اردو

١٥: منیۃ المصلی اردو ترجمہ وتحقیق

مکتبہ العلوم الاسلامیہ ٢٨ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

اردو ترجمہ

اَلْفِقْهُ الْاَبْسَطُ

امام اعظم ابوحنیفة نعمان بن ثابت

راوی ابو مطیع حکم بن عبد اللہ تعالی بلخی

ترجمہ مفتی ابو محمد رشید احمد العلوی

انتساب

حضرت امام سیدنا ومرشدناامام ائمه وسراج الامة

ابوحنیفه نعمان بن ثابت کوفی کابلی تیمی

قيل فيه:

حسبی من الخيرات مااعددته　　يوم القيامة فی رضاالرحمن
دين النبی محمّد خير الوری　　ثم اعتقادی مذهب النعمان

قطعہ:

فقہ اکبر، فقہ ابسط، ہیں تصنیفِ امامِ کل
فقیہِ اوّل، امام اوّل، کتاب اُنکی امامِ کل
فقہ اکبر کے راوی ہیں، حمادِ بن امام اعظم
فقہ ابسط کے راوی ہیں، حکم تلمیذ امامِ کل

قطعہ:

بوحنیفہ ہیں امامِ باصفاء　　متقی عالم، امام الاولیاء
اقتداء انکی کرے دنیا میں جو　　ہیں امام اسکے امام الانبیاء

قطعہ ثانی:۔

بوحنیفہ، منبعٔ صدق وصفاء　　متّقی، عالم، رئیس الأولیاء
ترجمان حق، فقیہ بے بدل　　جس نے بخشی علم وحکمت کو جلا

مقدمہ مترجم:

تمام تعریفیں اسی ذات کے لئے ہیں جو تعریفوں کا پیدا کرنے والا ہے اور یہ تعریفیں اسی ذات بے مثل سے شروع ہوکر اسی پر منتہی ہوجاتی ہیں؛ اور بے شمار رحمتیں اور برکتیں اسکی طرف سے بھیجے گئے آخری رسول کے لئے مختص ہوکر اہل دنیا کے لئے آرام اور راحت کا باعث ہوں، جو اس عارضی دنیا میں امن وآشتی کا دائمی پیغام لیکر عارضی قیام کے لئے وارد ہوئے؛ مگر اہل دنیا کو دائمی مسرتوں، خشیوں، لذتوں کا رہرو بنا گئے، اور آپکی پاکباز روز قیامت تک جاری رہنے والی آل دنیا اور اہل دنیا کے لئے چراغ ہدایت آپکے اصحاب کرام؛ دنیاوی زیب وزینت کا باعث آپکے اہل بیت؛ اور آپ کی نجی زندگی کی امین اور عام لوگوں کے لئے زندگی میں تعلیم وتعلم کے گلہائے گوہر فشاں امهات المؤمنين ،نور نبوت کی پوری کائنات میں بکھری ہوئی کرنوں کو اپنے دامن میں سمیٹے اہل دنیا کی نئے انداز سے شیرازہ بندی کرنے والے ائمه مجتهدين ؛اور ان میں خاص اور اماموں کے سردار مقامِ اجتہاد میں اولیں اور مصداق بشارت سید المرسلین حضرت امام الائمة سراج الامة ابوحنيفه نعمان بن الثابت الكوفی الكابلی ،جنکی ہر رائے کتاب اللہ تعالی وسنت نبویہ عليه التحية والثناء کےِ منوال

پر پوری اتری ہوئی ہے؛اور قیامت تک اخلاص کے ساتھ آپ کی اتباع کرنے والوں پر لاتعداد رحمتیں اس ذات کی طرف سے نازل ہوں؛ جس کے خزانوں میں اس ساری تقسیم کے بعد بھی رائی کے دانے برابر کمی واقع نہیں ہوتی

امام اعظم ابوحنیفہ اپنے زمانے کے امام الائمہ،اور حدیث نبوی کے مطابق سراج الأمہ تھے؛آپکی تصانیف کی تعداد تو تیس سے زیادہ ہے مگرامام صاحب سے نقل کی گئی کتاب ﴿الفقہ الاکبر﴾ کے دنیا میں کئی نسخے پائے گئے ہیں؛ بنیادی طور پر اس نام کی دومختلف کتابیں ہیں: مندرجۂ ذیل میں امام اعظم کے شاگرد ابومطیع حکم بن عبداللہ تعالی بلخی کانقل کردہ نسخہ کئی راویوں کے ذریعے منقول ہے؛اوران نسخوں میں قدرے اختلاف بھی ہے؛لہذا متعدد نسخوں کوسامنے رکھ کراس نسخے کی تکمیل کی کوشش کی گئی ہے؛اس میں اگرکوئی اچھائی ہے تواس نسخہ کے اصل مصنف حضرت امام اعظم ،یامحض اللہ تعالی کے دائمی فضل کی وجہ سے ہےاوراگرکوئی کمی یانقص دیکھنے کو ملے تو بلاکسی بحث وتکرار اس کا ذمے دار یہ عاجز ہے.

عاذنا اللّٰہ جلّ وعلا من شرور انفسانا ومن سیّئات اعمالناحتی نری ربنا وھو الموفّق و المُعین و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العَالِمینَ

کتاب کی سند:

شیخ زاہد الکوثری فرماتے ہیں کہ؛الفقه الابسط کوابوزکریا یحی بن مطرف نے نصر بن یحی سےاورانہوں نےحکم بن عبد الله البلخی سے روایت کیا ہے؛

جبکہ متن میں مطبوعہ سند یوں ہے کہ:ابو المعین میمون بن محمّد بن معتمد المكحول النسفی کو؛ابوعبد الله حسين بن حسين الكاشغری نے (جوالفضل کے لقب سے معروف ہیں) انکو:ابو مالك نصران بن نصرحمّ الختلی نے؛انکو:ابوحسين علی بن حسين بن محمّد غزالی نے بیان کیا؛اورانہوں نے ابوحسين احمد بن موسی فارسی سے؛اورانہوں نےنصربن یحی فقيه سے؛اورانہوں نے ابومطیع حکم بن عبد الله البلخی سے سنا کہ: وہ فرماتے ہیں

(۱)

ابومطیع:۔

ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ سے پوچھا کہ فقہ اکبرکا مطلب کیا ہےاور یہ کس فن کو کہتے ہیں؟

امام اعظم:۔

تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں خواہ وہ ابتداءً ہوں یا انتہاءً؛ ظاہراً ہوں یا باطنا؛اورتوحید کے لحاظ سے ہوں یا بزرگی وعظمت کے لحاظ سے اورعقیدہ کے لحاظ سے یاحقیقۃ لحاظ سے؛ یاشرعی اصولوں کے لحاظ سے ہوں یہ سب کی سب اللہ تعالی کوہی سزاوار ہیں؛

اورتمام تعریفیں اسی اللہ تعالی کے لئے ہیں جو بندوں کےتصور وخیال سے بھی پہلےتعریفات کا مستحق ہے؛اوردرودوسلام ہو ہمارے آقاومولا حضرت محمدالرسول اللہ تعالی ﷺ کے لئےاور آپ کی آلؓ کے لئے

اورفرمایا: گناہ کےارتکاب کی وجہ سے کسی شخص کوکافر نہ کہا جائے؛اورنہ ہی اِس وجہ سے کسی شخص سے اسکے ایمان کی نفی کی جائے؛

اور یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو لازم پکڑا جائے؛

اوراس بات پر یقین رکھا جائے کہ اگر کسی شخص کے مقدر میں اللہ تعالی تعالی کی طرف سے کوئی خیر یا شر ہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا؛

اور یہ جاننا کہ جو خیر وشر انسان کے مقدر میں آنی ہے وہ آ کر رہنی ہے؛ اور جو مقدر نہیں اسکو کوئی مقدر بنا نہیں سکتا؛

پھر فرمایا:۔

﴿فقاھت اور دانائی اور اس کی حقیقت﴾

فقہ اور دانائی دو طرح کی ہوتی ہے

(۱): دینی معاملت میں فقاہت اور دانائی حاصل کرنا؛

(۲): احکام شرعیہ فرعیہ میں فقاہت اور دانائی حاصل کرنا؛

اوران میں اول الذکر زیادہ نفع بخش اور سود مند ہے کیونکہ اس سے آدمی یہ جان لیتا ہے کہ اپنے پروردگار کی عبادت کیسے کرے اوراس کا قرب کیسے حاصل کرے جبکہ شریعت کا علم زیادہ حاصل کرنے سے صرف زیدہ معلومات جمع ہوسکتی ہیں؛

(۲)

ابو مطیعؒ:۔

آپ یہ فرمائیں: سب سے زیادہ نفع مند دانائی کیا ہے؟

امام اعظم:

دانائی اور فقاہت اصل حقیقت تو یہ ہے کہ انسان صاحب ایمان (fatheful) ہو، اور عالم بالا یمان بھی ہو اور اللہ تعالی کی طرف سے نازل شدہ شریعت کا لازمی اور بقدر ضرورت علم رکھتا ہو اور اسکی شرعی حدود سے مکمل آگاہ ہو (جس سے حلال حرام، جائز ناجائز، پاک اور ناپاک سے آگاہ ہو جائے) اور نبی ﷺ نے اپنی اُمت کے لئے جو راہ سنت متعین کیا ہے اس سے آگاہی ہوتا کہ دین کی پیروی کرنے میں کوئی دشواری نہ پیش آئے اور ہر متبع دین کو دین کی حدود اور نبی علیہ السلام کا سنت طریقہ معلوم ہو سکے؛

اور سب سے اہم بات یہ کہ آئمہ امتؒ کے اختلافی مسائل کا علم ہو تا کہ کسی نئے پیش آمدہ حالات میں ان مسائل سے صحیح رہنمائی حاصل کی جا سکے اور انکے آپس میں اختلافات کی وجہ سے ہر انکے بارے میں قسم کی بدگمانی سے بچا جا سکے؛ کیونکہ فرمایا گیا ہے ﴿اختلاف الامۃ رحمۃ﴾ امت کا مسائل دینیۃ میں آپس کا اختلاف اللہ تعالی تعالی کی رحمت کا موجب ہے؛

﴿ایمان اور اس کی حقیقت اور علامات﴾

(۳)

ابو مطیع:۔

آپ مجھے ایمان کی اہمیت کے بارے میں کچھ بتایئے؟

امام اعظم:

اپنی سند ذکر کرنے کے بعد فرمایا

(حدیث اول)

یحی بن یعمرؒ سے ایک حدیث نقل فرمائی جس میں ہے کہ انہوں نے ابن عمرؓ سے پوچھا آپ مجھے دین کے بارے میں بتایئے کہ اس کی حقیقت

کیا ہے؟

ابن عمرؓ:۔ نے فرمایا آپ پر ایمان سے متعلقہ ضروری باتیں سیکھنا لازم ہے اور جب تم انکو اچھی طرح سیکھ لو تو تمہیں پتہ چلے گا کہ دین اور ایمان کیا چیز ہے؛

ابن یعمرؒ: میں پوچھا ایمان کی حقیقت کیا ہے؟

ابن عمر:۔ نے اس کا جواب دینے سے پہلے میرا ہاتھ پکڑا اور ایک عمر رسیدہ بزرگ آدمی کے پاس لے گئے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ بدر شامل تھے اور ابن عمرؓ نے بتایا کہ: میں رسول اللہ ﷺ کی ایک جانب میں تھا اور یہ بزگ دوسری جانب میرے ساتھ تھے اور مجھے اس کی ایک جانب میں بٹھا کر ابن عمر نے ان سے کہا؛ یہ شخص مجھ سے ایمان کی حقیقت کے بارے میں پوچھتا ہے؟

ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ دریں اثناء ہمارے پاس ایک شخص داخل ہوا جس کے خوبصورت لمبے بال؛ سر پر عمامہ باندھے خدمت نبوی میں حاضر ہوا، ہم یہ سوچ رہے تھے کہ وہ اجنبی شخص کسی دیہات سے آیا ہوگا کیونکہ اسکو ہم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا وہ لوگوں کے کندھے پھلانگتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا بیٹھا اور کہنے لگا؛

نو وارد:۔ یا رسول اللہ تعالی ایمان کیا ہے؟

حضورؐ:۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں؛ اور حضرت محمد ﷺ اسکے بندے اور رسول ہیں؛ اور تمام ملائکہ پر ایمان لانا؛ اس کی طرف سے نازل شدہ کتابوں؛ اس کی طرف سے بھیجے گئے رسولوں؛ اور ہر نیک و بد کے فیصلے کیلئے آخرت کے دن پر؛ اور اچھی بری تقدیر کے اللہ تعالی کی طرف سے ہونے پر ایمان لانا؛

نو وارد: آپ نے سچ کہا

ابن عمرؓ: ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ دیہاتی آدمی ہے خود ہی سوال کر رہا ہے اور خود ہی رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کر رہا ہے جیسے یہ سب کچھ جانتا ہے؛

نو وارد: اسلام کے لوازمات کیا ہیں؟

حضورؐ:۔ نے کہا: نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا، اور غسل جنابت کرنا،

ابن عمر: اس نے پھر اس کی تصدیق کی جس پر ہمیں تعجب ہوا کہ دیہاتی آدمی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کر رہا ہے؛ گویا آپ کو تعلیم دے رہا ہے؛

نو وارد:۔ احسان کیا چیز ہے؟

حضورؐ :۔ احسان یہ ہے کہ: تو اللہ تعالی کے لئے عمل (اور ایک روایت کے مطابق عبادت) ایسے کر جیسے تو اللہ تعالی تعالی کو دیکھ رہا ہے اگر ایسے نہیں ہوسکتا تو اسکی عبادت ایسے کر و جیسے وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں؛

نو وارد:۔ آپ نے سچ کہا ہے؛ اب آپ یہ بتائیں کہ قیامت کب آئے گی؟

حضورؐ:۔ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں جواب دینے والا سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا؛

ابن عمر:۔ اس کے بعد وہ شخص اٹھا اور چلا گیا؛ جب لوگ اسکی کی طرف متوجہ ہوئے کہ دیکھیں کون شخص ہے مگر وہ غائب ہو چکا تھا اور کسی کو معلوم نہ ہوا کہ وہ کدھر چلا گیا ہے؟

جب حضور ﷺ نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی کہ اس نو وارد کے بارے میں تجسس کر رہے ہیں تو فرمایا کہ:

یہ جبرئیلؑ تھے جوتمہارے لئے دین کے بنیادی ارکان سکھانے کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے تشریف لائے تھے؛

(۴)

ابومطیع:۔ جوشخص اس بات پر مکمل یقین رکھتا ہواور ایمانیات کی ان تمام باتوں کا اقرار کرتا ہو کیا وہ شخص مؤمن ہے؟

امام اعظم:

ہاں جب کوئی شخص اسلام کے تمام ارکان کو مانتا اور اس کی تمام باتوں کا اقرار کرتا ہو تو وہ مؤمن ہے؛

....

نوٹ: احسان کو قرآن کریم میں تزکیہ؛ احادیث میں زہد؛ یا اخلاص اور ائمہ تصوف اسی کو تصوف کہتے ہیں؛ اور اس کا نتیجہ یا اثر جو انسان کی طبیعت میں پیدا ہوتا ہے وہ حدیث مذکورہ میں پتہ چلتا ہے کہ اس سے دنیا میں انسان کے اندر وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے آخرت میں رؤیت باری حاصل ہوتی ہے؛

نوٹ: امام ابومطیع کی طرف سے کئے گئے سوال کے جواب سے معلوم ہوا کہ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے نزدیک امان کے صرف دو ارکان ہیں (۱) زبان سے اقرار کرنا (۲) اور دل سے تصدیق کرنا

اور ضروری ہیں کہ یہ دونوں چیزیں یک بارگی اور اکٹھی ہوں ان کی تقدیم وتاخیر یا ایک کی عدم موجودگی اور دوسری کی موجودگی ایمان کی صحیح معنوں میں موجودگی میں خلل کا باعث ہوگی؛ اور رہا یہ مسئلہ کہ عمل ایمان کا حصہ ہیں یا نہیں اس میں ائمہ اہل السنّت میں اختلاف ہے اس بارے میں حضرت امام صاحب کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ عمل کو ایمان کا جز نہیں مانتے اور یہی رائے ائمہ اہل السنّت ماتریدیہ کی ہے اور یہی حق ہے

﴿......☆......﴾

﴿احکامات فرضیہ سے جہالت اس میں شک یا تاویل کرنا﴾

(۵)

ابومطیع:۔ اگر کوئی شخص ایمانیات کی کسی چیز کا انکار کرے یا کسی چیز کے بنانے والے کے بارے میں لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے کہے کہ میں نہیں جانتا اس کا خالق کون ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

امام اعظم:

وہ شخص کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿اللّٰہ خالقُ کلّ شیءٍ﴾ (الزمر:۶۱) (اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خالق ہیں)

اور اس شخص کے لاعلمی کی وجہ سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہہ رہا ہے اللہ تعالی کے علاوہ کوئی اور بھی خالق ہے اور یہ بات صریحاً کفر ہے گویا وہ شخص یہ کہہ رہا ہے کہ ان اشیاء کا خالق اللہ تعالی تعالی کے علاوہ کوئی اور ہے؛ اور وہ اللہ تعالی کی طرف سے منصوص باتوں کا انکار کر رہا ہے جیسا کہ سورۂ زمر کے حوالے سے اوپر مذکور ہوا ہے؛

اور اسی طرح وہ شخص جو کہے کہ میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر نماز، روزہ اور زکوۃ، فرض کیا ہے وہ بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ فرائض اللہ تعالی تعالی کی طرف سے منصوص ہیں؛ اور کسی بھی منصوص عمل کا انکار کفر ہے؛

اللہ تعالیٰ کا نماز کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿اقیموا الصلوۃ و آتوا الزّکوۃ﴾ (الحج:۷۷) (نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو)

اور اللہ تعالی تعالی کا روزوں کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿كتب عليكم الصيام﴾(البقرة:١٨٣)(تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں)

اوراسی طرح ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فسبحان الله حين تمسون و حين تصبحون وله الحَمْدُ فِي السّمَوَاتِ والاَرضِ وَعَشِياً وَحِيَنَ تُظْهِرُونَ﴾(الروم:١٧)(توتم اللہ کی پاکی بیان کروشام کے وقت اور صبح ے وقت اوراسی کی حمد ہوتی ہے تمام آسمانوں اورزمینوں میں اوراسی کے لئے ہیں تمام تعریفیں شام کے وقت اور بعداز دوپہر)

اوروہ پانچ نمازوں کے فرض ہونے(١) میں شک کرنے کی بناء پرانکارکررہاہےاس لئے کافر ہے؛

....

(١)نوٹ:۔ پانچ نمازوں کا تذکرہ قرآن کریم میں صراحتا اگرچہ اللہ تعالی نے نہیں فرمایامگرمختلف آیات سےاس کا ثبوت مل جاتاہیاورایک آیت تواپنے مفہوم میں بڑی واضح ہےالله تعالی تعالی نے فرمایا:﴿حافظوا على الصلواة والصلوة الوسطى﴾(البقرة) (تمام نمازوں کی حفاظت کرواوران میں خاص طور سے درمیانی نماز کی حفاظت کرو)

اس آیت کے مفہوم کوصحیح طور سے سمجھنےاوراس سے پانچ نمازوں کے ثبوٹ کے لئے پہلے تین ضابطے جاننا ضروری ہے

ضابطہ ۱: یہاں ابتدائے آیت میں لفظ﴿ **صـــلـــوات** ﴾جمع ہےاورعربی زبان میں جمع کا لفظ کم ازکم تین کے لئے بولا جاتا ہے؛لہذا اس آیت سے پتہ یہ چلا کہ ﴿ **الصلوة الوسطى** ﴾کے علاوہ ہمارےاوپراتنی نمازیں فرض ہیں جن کی مقدارکم ازکم تین ہے؛

ضابطہ۲:﴿ **الصلوة الوسطى** ﴾ کے علاوہ باقی نمازیں مجموعی طورپر جفت ہونی چاہئے؛کیونکہ عدد جفت دوبرابرحصوں میں تقسیم ہوکرنصف نصف ہوجاتا ہے؛اوروہاں﴿ **الصلوة الوسطى** ﴾ رکھنے سے آیت کامفہوم پوراہوجاتا ہے؛اگروہ نمازیں تین ہوں جوکم ازکم جمع کے لئےضروری ہےتواس کا درمیان نہیں ہوتااوراگر درمیان بنائیں توباقی نمازوں کی تعداد جمع نہیں رہتی بلکہ دوره جاتی ہے اوروہ جمع نہیں ؛اوراگرکل فرض نمازوں کی تعداد چار سمجھی جائے تواس مفہوم سے﴿ **الصلوة الوسطى** ﴾نہیں کوئی نمازنہیں رہتی کیونکہ دوحصے برابرہوجاتے ہیں اوردوعدد کا درمیان نہیں ہوتالہذا ضروری ہے کہ یہ کل؛

ضابطہ۳:﴿ **الصلوة الوسطى** ﴾ نکال کرباقی اتنی نمازیں انسان کے ذمے واجب الاداء ہونی چاہئے کہ ان پرجمع کالفظ کا اطلاق ہوسکےاور ﴿ **الصلوة الوسطى** ﴾ اپنی جگہ وسطی ہی رہے؛اوریہ کم ازکم پانچ کا عدد ہے کیونکہ اگرنمازوں کی اس سے زیادہ تعداد میں یہ ضابطہ پوراہوتا ہوتو وہ ہمارامقصوداصلی نہیں ہے؛مزیدتفصیل کے لئے احکام القرآن لجصاصؒ ملاحضہ فرمائیں؛

اجماع امت: اورپوری امت کا اجماع بھی پانچ نمازوں کی فرضیت پرہے؛اس سے زیادہ فرائض کا کوئی شخص قائل نہیں ہوااورنہ ہی رسول اللہ سے اس سے زیادہ فرض نمازوں کی تاکید ملتی ہے

ازالہ اعتراض: اگرکہا جائے کہ یہاں ﴿ **والصلوة الوسطى** ﴾ میں (و) جمع کے لئے ہے؟

اس صورت میں﴿ **الصلوة الوسطى** ﴾ کامفہوم واضح نہیں ہوتا؛البتہ یہاں (و) اگرترتیب کے لئے مانی جائےتواس کامفہوم واضح ہوجاتا ہے؛یعنی لفظ صلواۃ جمع میں وسطی کو جمع کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں یہ صلواۃ کا لفظ جمع ہی رہے گا،مفرد یاتثنیہ نہ بنے گااوریہی اس بحث میں ہمارامقصوداصلی ہے؛اسی بناء پرکہا گیا کہ پانچ نمازوں کاانکارکفرہے؛

(٦)

ابومطیع:۔اگرکوئی شخص کہے کہ میں ان آیات پرایمان رکھتاہوں مگراسکی تفسیراورتاٰویل نہیں جانتااسکے بارے میں کیاحکم ہے؟

امام اعظم:

اس کوکافرنہیں کہاجائے گاکیونکہ وہ ان آیات کے اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہونے پرایمان تورکھتاہےاگرچہ وہ انکی تاٰویل اورتفسیر میں

غلطی کرنے والا ہے؛

﴾......☆......﴿

﴾دارالحرب یادارالکفرمیں ایمان لانے کاحکم﴿

(۷)

ابومطیع :۔اگرکوئی شخص دارالحرب میں قیام رکھتا ہوایمانیات کی تمام باتوں کا اقرار کرے،البتہ فرائض اسلامیہ،اوراحکامات شرعیہ سے بالکل ناواقف ہے،اورنہ ہی کتاب اللہ کے احکامات میں سے کچھ جانتا ہے،اورنہ ہی ایمان کے لوازمات کو جانتا ہے؛البتہ وہ اللہ تعالی کی توحیداوراس پرایمان کا اقرارکرتا ہے،اگرایسا شخص مرجائے کیا وہ مؤمن ہوگا یانہیں؟

امام اعظم:

ہاں وہ مؤمن ہی ہوگا کیونکہ اسنے اقراراورتصدیق کی ہے؛

(۸)

ابومطیع:۔میں نے کہا کہ نہ تو اسنے علم حاصل کیااورنہ عمل کیا سوائے اس کے کہ ایمان کا اقرار کیا ہے اگر وہ مرگیا کیا پھربھی وہ مؤمن ہے؟

امام اعظم:

ہاں بالکل وہ مؤمن ہے۔

﴾خلاصۂ مباحث ایمان﴿

(۹)

ابومطیع:۔میں نے امام ابوحنیفہ سے سوال کیا کہ مجھے ایمان کے بارہ میں بتائے؟

امام اعظم:

ایمان یہ ہے کہ: تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبودنہیں، وہ اکیلا ہے، اسکا کوئی شریک نہیں؛اورگواہی دے اللہ تعالی کے فرشتوں کے بارے میں؛اس کی کتابوں کے بارے میں؛اس کے رسولوں کے بارے میں؛اسکی مخلوق جنت اوردوزخ کے بارے میں ؛قیامت کے دن کے بارے میں؛اورہراچھی اوربری چیز کے اللہ تعالی تعالی کی طرف سے ہونے کی گواہی دینا بنیادی ایمان ہے؛

اس موضوع کی تشریح میں امام ابومنصور ماتریدی فرماتے ہیں

جان لو! کہ ایمان کی تکمیل کے دواعضاء ہیں دل اورزبان؛ کیونکہ جوشخص دل سے یہ پہچانتا ہے کہ اللہ ایک ہے،مگرزبان سے اقرارنہیں کرتا ہے وہ شخص کافر ہے؛ اورجوشخص زبان سے تو اقرارکرتا ہے مگردل سے تصدیق نہیں کرتا وہ منافق ہے؛اورجوشخص یہ کہتا ہے کہ ایمان لانا صرف دل کا معاملہ ہے زبان کواس میں کوئی دخل نہیں ہے وہ شخص فرقہ کرامیہ سے تعلق رکھتا ہے؛ تفصیل اس اجمال کی امام صاحب کی کتاب الوصیہ میں ملاحضہ کی جاسکتی ہے

حقیقت ایمان کے بارے میں اختلاف

اورلوگوں میں ایمان اورعمل کے بارہ میں اختلاف ہوا ہے

(۱): بعض لوگوں نے کہتے کہ ایمان زبان سے اقرار،دل سے تصدیق،اوراعضاء سے اعمال کے ہونے کا نام ہےاوریہ رائے اہل بدعت کی ہے؛

(۲): بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ایمان دل سے تصدیق کا نام ہےاورزبان سے اقرارکواس میں دخل نہیں کرتے، یہ فرقہ جہمیہ اوراہل تجسیم (مجسمہ) اوراس

دور کے بعض جاہل صوفیاء کی رائے ہے

(۳)اوراس بارے میں درست ترین رائے یہ ہے کہ: خالی زبان سے اقرار جس میں دل کی تصدیق شامل نہ ہومنافقت ہے؛اوراس کے برعکس خالی دل کی تصدیق جس میں زبان کا اقرار نہ ہوکفر ہے؛جبکہ دونوں رکن یعنی دل سے تصدیق اورزبان سے اقرار،ایمان کی صحیح شکل ہے؛

اسکی مثال یوں ہے کہ جسے چتکبرا گھوڑا ہوتا ہے؛کیونکہ اگرگھوڑا سفید ہوتو اس کوسفید (اشعب) کہتے ہیں؛اگرسیاہ ہواس کوسیاہ (ادھم) کہتے ہیں اوراگراس میں سفیدی اور سیاہی دونوں ہوں اس کو(ابلق) یعنی چتکبرا کہتے ہیں؛اوراسی طرح یہاں ایمان کی صورت حال ہے :کہ زبان سے اقرار، دل کی تصدیق کے بغیرنفاق ہے؛دل سے تصدیق ہو یا نہ ہوزبان سے اقرار نہ ہوتو کفر ہے؛زبان سے اقراردل سے تصدیق دونوں ہوں تو ایمان ہے؛

ایمان کی کامل تعریف: یہ ہے آدمی اپنی زبان سے ایسااقراراوردل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کرے کہ:اللہ تعالیٰ ایک اکیلا وحدہ لاشریک ہے؛اس کی کیفیت جانی نہیں جاسکتی؛جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی مناجات کے جواب میں فرمایا کہ:اے موسیٰ دوباتیں تو جان سکتا ہےاوردوباتیں نہیں جان سکتا،

(۱):۔تو یہ جان سکتا ہے کہ:میں معبود برحق ہوں مگرمیری کیفیت کوتونہیں جان سکتا

(۲):تو یہ جان سکتا ہے کہ:میں رزاق ہوں مگرتو یہ نہیں جان سکتا کہ کہاں سےاورکیوں رزق دیتاہوں؛

یہ تفصیل بات کوواضح کرنے کے لئے کافی ہےاس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے

﴿......☆......﴾

﴿اللہ تعالیٰ تعالیٰ کی تقدیراوراس کی مشیت کا بیان﴾

امام اعظم نے فرمایا کہ:

تم اس بات کی گواہی دواللہ تعالیٰ تعالیٰ نے اعمال کسی کے سپردنہیں کئے کہ جوچاہیں کرتے پھریں کوئی ان سے پوچھنے والا نہ ہو؛اور اسبات کی گواہی دیتے ہیں کہ تمام لوگ اپنے تخلیقی مقصدکی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں اور یہ کہ ہرشخص تقدیر کے جاری پروگرام کے پوراکرنے میں لگا ہواہےاور ہرآدمی اسی مقصد کے پورا کرنے میں مصروف ہے؛

(۱۰)

ابومطیع:۔

میں نے پوچھا:اگرکوئی شخص ان تمام باتوں کااقرار کرے لیکن وہ یہ کہے کہ مشیت اورمرضی میری ہی چلتی ہے اگرمیں چاہوں ایمان لاؤں اوراگرنہ چاہوں تو ایمان نہ لاؤں؛اوردلیل اس کی اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے

﴿فمن شآء فليؤمن ومن شآء فليكفر﴾(الکھف:۲۹) (جوچاہےایمان لائے اورجوچاہےکفرکرے) تو ہم اس کا کیا جواب دیں گے؟

امام اعظم:

یہ شخص اپنی سوچ میں جھوٹا ہے؛کیااس نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں دیکھا:

﴿كلاانهٔ تذكرة فمن شاء ذكره ومايذكرون الاان يشآء الله﴾ (المدثر:۵۴-۵۶) (یادرکھو یہ نصیحت ہے جوچاہےاس کو یادرکھے؛ اوراس کا فائدہ اسی کوہوتا ہےجس کا فائدہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں)

دوسری جگہ ارشادباری تعالی ہے:

﴿وماتشاؤن الاان يشاء الله﴾(التکویر:۲۹) (اللہ تعالی چاہے توتمہاری چاہت کا کچھ فائدہ ہے،خالی تمہاری چاہت کسی کام کی نہیں)

(اعتراض کا جواب)

اور انکا مفہوم جوانہوں نے:

﴿فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر﴾ (الکہف:۲۹) (جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے ایمان نہ لائے اور کفر کرے) سے اخذ کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالی کی طرف سے لوگوں کو وعید اور ڈراوا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالی تعالی ساری دنیا سے مستغنی ہیں ان کو کسی کی کوئی پراواہ نہں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہا اللہ تعالی نے کفار کو کفر اختیار کرنے کی اجازت دے دی ہے؛

اور اسی بناء پر اس مذکورہ شخص کو کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس نے قرآن کریم کی اس آیت کو رد نہیں کیا البتہ اس کی تفسیر اور تاٗ ویل میں اس کو غلطی لگی ہے اور وہ درست مفہوم تک رسائی حاصل نہیں کر سکا؛

(۱۱)

ابو مطیع:۔اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ پر جو مصیبت آتی ہے وہ میری اپنی وجہ سے ہے اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور نہ ہی اللہ نے مجھے اس میں مبتلاء کیا ہے بلکہ میرے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے؛ تو کیا اس قسم کی سوچ رکھنے والے شخص کا فر کہا جائے گا یا نہیں؟

امام اعظم:

اسکو کافر نہیں کہا جائے گا۔

(۱۲)

ابو مطیع:۔آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

امام اعظم:

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وما اصابکم من حسنة فبما کسبت ایدیکم﴾ (الشوری:۳۰) (جس شخص کو بھی کو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے ہے،تمہارے اپنے گناہوں کی وجہ سے آتی ہے)

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ ما اصابك من حسنة فمن اللّٰه وما اصابك من سيئة فمن نفسك﴾ (النساء:۷۹) (ہر وہ مصیبت جو اچھائی کی شکل میں تم پر آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے؛ اور جو برائی کی صورت میں ہوتی ہے وہ تمہارے اپنے نفس کے گناہوں کا وبال ہوتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کے مقدر کرنے سے ایسا ہوتا ہے؛

....

نوٹ: اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

﴿ ولایحیق المَکرُ السَّیّء الا باَھله﴾() (برائی کرنے والے کی طرف اسکی برائی چلائی جائے گی)

(۱۳)

ابو مطیع: اور اللہ تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا:

﴿یضل اللّٰہ من یشاء ویھدی من یشاء﴾ (المدثر:۳۱) (اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے؛ اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے) اسکا کیا مطلب ہے؟

امام اعظم:

نے فرمایا کہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے مگر تعبیر اور تأویل کی غلطی کی وجہ سے بات کہیں کی ہوتی ہے جا کہیں اور پہنچتی ہے؛ اور اس کا درست مفہوم نہیں سمجھ میں آتا؛

(۱۴)

ابو مطیع: اس قول کا مطلب کیا ہے کہ:

﴿ان اللہ یحول بین المرأ و قلبه﴾ (الانفال:۲٤) (اللہ تعالیٰ انسان اور اسکے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے)

امام اعظم:

اس کا مفہوم یہ ہے کہ: اللہ تعالی مؤمن اور کفر اور کافر اور ایمان کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں؛ اور جو کام یا عمل بندے کو نہ کرنے دینا ہو اللہ تعالی اس سے روک دیتے ہیں دوسرے الفاظ میں اس کا مفھوم یہ کہ مؤمن کو کفر اختیار نہیں کرنے دیتے اور کافر کو ایمان نہیں قبول کرنے دیتے؛

﴾......☆......﴿

﴿توفیقِ عمل، وقوعِ عمل سے پہلے ہے یا بعد میں﴾

امام اعظم سے دکن کے مطبوعہ نسخے میں عبارت یوں منقول ہے:۔

بے شک وہ استطاعت اور طاقت جس کے ذریعے انسان گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے وہ بعینہ یہی استطاعت ہے جسکو فرمان خدا کی بجا آوری کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے؛ آدمی سے اللہ تعالی اسی استطاعت کے استعمال پر پوچھ گچھ کریں گے، کیونکہ اللہ تعالی یہ طاقت بندے میں پیدا کر کے اس کو حکم دیا کہ اس کو استعمال کرتے ہوئے اطاعت اور فرمانبرداری کا راستہ اختیار کریں نہ کہ گناہ اور نافرمانی کے کام سرانجام دیں، اور اگر انسان گناہ کے کام کرے گا تو بدلہ اس کے کرنے والے کو ملے گا نہ کہ اس گناہ کے عمل کو استطاعت کی طرف منسوب کیا جائے گا؛ اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ فعل کی انجام دہی کا طاقت فعل کے ساتھ ہوتی ہے نہ فعل سے پہلے اور نہ ہی بعد از فعل؛ اس لئے کہ عمل کا ہر ہر جز استطاعت کے ساتھ جڑا ہوا ہے جب طاقت ملتی ہے تو عمل صادر ہوتا ہے؛

اور امام اعظم سے نسخۂ حسینیہ مطبوعہ حیدر آباد دکن میں یوں منقول ہے:۔

ہر شخص کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فعل کے صادر ہونے کی توفیق دونوں طرف سے برابر ہے نہ فعل سے پہلے ہے اور نہ فعل کے صادر ہونے کے بعد؛ اب جو شخص یہ کہے کہ توفیق فعل قبل از وقوع فعل ہوتی ہے وہ فرقۂ جبریہ سے تعلق رکھتا ہے؛ اور جو شخص یہ کہے کہ: فعل پہلے اور توفیق فعل بعد میں ہوتی ہے وہ فرقۂ قدریہ سے تعلق رکھتا ہے؛

(۱۵)

ابو مطیع: اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ: اللہ تعالی بندوں پر ارتکاب گناہ کو کیوں لازم کرتے ہیں اور پھر اسی بناء انکو سزا بھی دیتے ہیں ایسے شخص کو کیا جواب دیا جائے گا؟

امام اعظم:

اس کو جواب دیتے ہوئے ہم کہیں گے انسان کو اللہ تعالی نے طاقت دی ہے جو برائی میں اور اچھائی میں یکساں طور سے استعمال ہوسکتی بندے کا جرم یہ ہے کہ اس نے یہ طاقت نیکی کے بجائے معصیت اور برائی میں استعمال کی ہے؛ اور اب اس بندے سے پوچھو کیا بندہ اپنے لئے نقصان یا نفع کا مالک ہے یا نہیں؟

اگر کہے کہ نہیں؛ اور دلیل یہ دے کہ نفع اور نقصان میں تو مجبور ہے؛ مگر اطاعت اور معصیت میں مجبور نہیں ہے؛ تو آپ اس سے پوچھو کیا اللہ تعالی نے شر کو پیدا کیا ہے یا کسی اور نے؟

اگر کہے کہ اللہ تعالی پیدا کیا ہے؛ تو اس نے اپنی بات کا خود رد کر دیا ہے کیونکہ اگر شر اللہ تعالی نے پیدا کی ہے تو معصیت کا اظہار اسی شر کا نتیجہ ہے؛

اور اگر کہے کہ شر اللہ تعالی نے پیدا نہیں کی تو اس قول کے ساتھ وہ اللہ تعالی سے کفر کر رہا ہے کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا

﴿قل اعوذ برب الفلق من شر ماخلق﴾ (الفلق:۱،۲) (اے نبیؐ آپ کہہ دیجئے میں اپنے اس پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں جو صبح کو پیدا کرتا ہے؛ اور اسکی پیدا کردہ ہر چیز کی شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں)

(۱۶)

ابومطیع:۔ اگر کوئی پوچھے کہ کیا تم یہ نہیں کہتے کہ اللہ کی مشیت میں کفر اور ایمان دونوں شامل ہیں؟

امام اعظم:

ہم کہیں گے ہاں بات تو ایسے ہی ہے۔

سوال: اگر وہ یہ کہے کہ ایسا نہیں بلکہ اللہ تعالی نے کا قول تو یہ ہے:

﴿ هواهل التقوى واهل المغفرة﴾(المدثر:۵۶) (وہ اللہ تعالی تقوی اور مغفرۃ دونوں کا مالک ہے)

جواب:۔ ہم کہیں گے ہاں بات ایسے ہی ہے

(۱۷)

ابومطیع:۔ وہ کہے گا کیا وہ کفر کا بھی اہل ہے؛ تو ہم کیا جواب دیں گے؟

امام اعظم:

اس کو یوں کہنا کہ: اللہ تعالی جس کے لئے چاہتا ہے اس کو اطاعت نصیب فرمانے کا تو اہل ہے مگر گناہ اور کفر کا نہیں؛

﴿......☆......﴾

﴿اللہ تعالی کی قدرت، مشیۃ اور اس پر کذب بیانی﴾

(۱۸)

ابومطیع:۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالی نہیں چاہتے کہ ان پر جھوٹ بولا جائے تو ان کو کیا جواب دیا جائے؟

امام اعظم:

اس سے پوچھو کہ کیا جھوٹ بولنا انسان کے کلام کرنے کا نتیجہ ہے یا نہیں؟

اگر اقرار کرے تو: اس سے پوچھ آدمؑ کو تمام اسماء کا علم کس نے دیا تھا؟

اگر جواب دے :۔ اللہ تعالی نے دیا تھا؛

تو ان کو پوچھو: کیا کفر اسی کلام کی وجہ سے ہے یا کسی اور وجہ سے ہے؟

اگر کہے ہاں اسی وجہ سے ہے تو ان سے پوچھو کہ کافر جو کفر یہ کلام کرنے کی طاقت کون دیتا ہے؟

اگر کہے اللہ تعالی ؛ تو اپنے کلام میں خود الجھ گیا ہے، کیونکہ شرک اور کفر بھی بولنے اور کلام کرنے سے پیدا ہوتا ہے؛

اور اگر اللہ تعالی چاہتے تو اس کو بولنے کی طاقت نہ دیتے ؛

(۱۹)

ابو مطیع :۔

اگر کوئی شخص کہے کہ آدمی کی اپنی مرضی ہے چاہے تو نیکی کرے چاہے نہ کرے ؛

اگر چاہے کچھ کھائے اگر چاہے تو نہ کھائے ؛ اگر چاہے تو کچھ پیئے اگر چاہے تو نہ پیئے ؟

امام اعظم :

ایسے شخص سے یہ پوچھو کہ: کیا اللہ تعالی تعالی نے بنی اسرائیل کے بارے میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ سمندر پار کر جائیں اور فرعون کے لئے یہ بات مقدر کی کہ وہ غرق ہو جائے ؟

(۲۰)

ابو مطیع :۔ میں کہتا ہوں کیا فرعون کی قدرت میں یہ نہیں تھا کہ موسیٰ کی تلاش میں نکلے اور اپنے ساتھیوں سمیت وہ غرق نہ ہو؟

امام اعظم :۔ اگر جوب ہاں میں دیں کہ اس کو قدرت تھی تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کر رہے ہیں ؛

اور اگر جواب انکار میں دیں کہ انکو اس بات کی قدرت نہ تھی تو اپنی ہی بات کے خلاف بات کر رہے ہیں ؛ کیونکہ اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور ذات کی قدرت کے قائل ہیں اور ستھ ہی اس کا انکار بھی کر رہے ہیں ؛

﴿حدیث دوم﴾

ابو مطیع :

نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ تعالی بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم میں سے کسی کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ: ہر انسان اس دنیا میں آنے سے پہلے چالیس دن تک نطفہ شکل میں ماں کے پیٹ میں رہتا ہے؛

پھر وہ اتنے ہی عرصہ کی مقدار علقہ (لوتھڑا) بنتا ہے؛

پھر اسی قدر وقت کے بعد وہ مضغہ (مجسم صورت) بن جاتا ہے،

پھر اللہ تعالی اسکی طرف ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس کا (۱) رزق (۲) عمر؛ (۳) اور اس کا بد بخت (۴) اور خوش قسمت ہونا لکھا جاتا ہے؛

اور قسم اس ذات کی جس کے بغیر کوئی معبود نہیں آدمی جہنمیوں والے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جہنم کے اور اس کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اللہ تعالی کی کتاب سبقت کر جاتی ہے؛ اور جنت والا کام کرتے ہوئے مر جاتا ہے اور جنت کا حق دار بن جاتا ہے؛

اور بعض آدمی اہل جہنم والے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا اور اللہ تعالی کی

تقدیراس پرسبقت کر جاتی ہے اور وہ جنتی لوگوں والا کام کرتے ہوئے مرجاتا ہے اور سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے؛

﴿......☆......﴾

﴿اَمرِ معروف اور نہیِ منکر اور تقدیر باری﴾

(۲۱)

ابومطیع: آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو پہلے توامر بالمعروف اور نھی عن المنکر کرتا ہے اس عمل کے ذریعہ لوگ اس پر اعتماد کرنے لگتے ہیں اور اس اعتماد پیدا ہو جانے کے بعد وہ لوگوں کو اجتماع کے خلاف بغاوت پراُکساتا ہے تو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے آیا اس کا یہ عمل جائز ہے؟

امام اعظم:

فرمایا کہ یہ جائز نہیں؛

(۲۲)

ابومطیع:۔ میں نے کہا آخراسکی کیا وجہ ہے؟ جبکہ اللہ تعالی اور اسکے رسول ﷺ نے اچھے کاموں کا حکم دیا ہے اور برائی سے روکا ہے اور یہ ایسی ذمہ داری ہے جو ہر شخص کو ادا کرنی لازم ہے؟

امام اعظم:

بات تو آپکی بالکل درست ہے لیکن امر بالمعروف کے ذریعہ جوفساد وہ لوگ برپا کرنا چاہتے ہیں وہ انکی اصلاحی کوشش سے زیادہ نقصان دہ ہیں؛ کیونکہ جب فساد برپا کیا جائے گا تو اس میں خون بہایا جائے گا اور حرام کو حلال جانا جائے گا؛

اس مسئلہ میں ایک طرف تو وہ واجب کی ادائیگی کررہے ہیں جس بناء پر ان کی تعریف کی جانی چاہئے؛ اور دوسری طرف وہ معاشرہ میں فساد کا ذریعہ بن رہے ہیں جس پر انکی مدد نہیں کی جانی چاہے؛

یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے کام کرنے والوں کے لئے نہ تو کفر کا فتوی دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان کے فاسد عمل پر جواز کا حکم لگایا جاسکتا ہے؛

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وان طآئفتَان من المؤمِنينَ اقتَتَلوفاَصلِحُوا بَينَهمَافاِن بغَت اِحدٰهُماعلى الاُخرٰى فقَاتِلُ االّتِى تبغِى حتّٰى تَفِىءَ الى اَمرِالله تعالى﴾(الحجرات:۹)

(اگرمؤمنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان مصالحت کرادو؛ اور اگر ایک جماعت دوسرے پر چڑھائی کردے تو زیادتی کرنے والی جماعت کے خلاف لڑو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حد میں وہ لوگ واپس آجائیں؛

(۲۳)

ابومطیع:۔ کیا باغی گروہ کے ساتھ تلوار سے جنگ جائے گی؟

امام اعظم:

ہاں انکو پہلے اچھائی کا حکم دیا جائے گا اور برائی سے روکا جائے گا اگر وہ لوگ اس طرح نصیحت قبول کرلیں تو بہت بہتر ہے ورنہ ان سے اس وقت تک لڑائی کی جائے گی تاوقتیکہ بغاوت کا راستہ چھوڑ کر درست عمل اختیار کرلیں اور راہ عدل پر چلنے والی جماعت سے مل جائیں؛ اور اس

سارے عمل میں **امام المسلمین** کے ظالم ہونے کی پرواہ نہیں کی جائے گی؛

....

نوٹ: اہل السنّت والجماعت کے نزدیک امام المسلمین یا خلیفۃ المسلمین یا امیرامیر المؤمنین کا معصوم عن الخطاء ہونا ضروری نہیں ہے بلکہان کے نزدیک یہ ہوسکتا ہے کہ اس منصب پر فائز شخصیت فاسق وفاجر ہوالبتہ کفریہ اعمال کے ارتکاب سے مکمل اجتناب ضروری ہے کیونکہ کفریہ اعمال کے ارتکاب سے بندہ اس منصب کی اہلیت سے گرجاتا؛

اور یہ وہ منصب ہے جس کو اختیار کرنے کا حکم اللہ تبارکوتعالی نے مسلمانوں کو دیا ہے اور اسلامی تعلیمات میں اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے

(حدیث سوم)

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:

﴿لا یضُرّکم جورُمَن جَار ولاعَدلٌ مَن عَدَلَ لکُمُ اجرُکُمْ وعَلَیهِ وِزرُہ﴾

(ظلم کرنے والے کا ظلم؛ اورحدود سے تجاوز کرنے والے کا اپنی حد سے تجاوز کرنا تمہارے لئے کسی نقصان نہیں کا باعث نہیں ہوگا؛ اگرتم اچھائی کروگے تو اللہ تعالی سے اجر پاؤ گے اور ظلم وزیادتی کرنے پر اس کا بدلہ اور سزا کا مستوجب بنوگے؛

﴿......☆......﴾

﴿فرقۂ خوارج اورانکے حالات وعقائد﴾

(۲۴)

ابومطیع:۔ میں نے امام صاحب سے پوچھا کہ: آپ کی ان خوراج کے بارے میں کیارائے جو:(ان الحکم الاللہ تعالی) کا نعرہ لگا کر صحابہ کرام کی برائی کرتے ہیں (انکوخوراج محکّمہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ **واقعہ تحکیم** کے پیش آجانے کے بعد حضرت علیؓ سے بغاوت کر گئے تھے اور انکا مشہورنعرہ تھا: اِنِ الْحُکْمُ اِلَّالِلّٰہِ یعنی حکم صرف اللہ کا چلنا چاہئے اس کے علاوہ کسی کا اورنہیں)

امام اعظم:

اس فرقہ کے لوگ اہل خوراج میں سب سے بڑے درجہ کے خبیث ہیں؛

(۲۵)

ابومطیع:۔ میں نے پوچھا کیاان کو کافر کہا جائے گا؟

امام اعظم:

نہیں انکو کافرنہیں کہا جائے گا؛

لیکن انکوراہ راست پرلانے کے لئے ان سے جنگ کریں گے؛ کیونکہ ہمارے ائمہ خیر نے انکے ساتھ خود جہاد کیا ہے لہذا انکی اتباع کرتے ہوئے ہم بھی یہ کام کریں گے کہ ان کوراہ راست پر لانے کے لئے انسے جہاد کریں گے اور ان ائمہ خیر میں خاص طور سے حضرت علیؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالی علیہ شامل ہیں؛

(۲۶)

ابومطیع:۔ میں نے کہا کہ اہل خوارج اللہ تعالی کی بڑائی میں تکبیر کہتے ہیں اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں کیا پھربھی ان سے جہاد کیا جائے گا؟

امام اعظم:

نے فرمایا کہ: کیا آپ کو ابو امامہؓ کی حدیث یاد نہیں جب وہ دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوئے وہاں فرقۂ خوارج کے چند مقتولین کے سر پڑے ہوئے تھے؛

ابو امامہ:۔ابو غالب کو مخاطب کرتے ہوئے: اے ابو غالب! کیا یہ آپکی سرزمین کے لوگ نہیں ہیں؟ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے ان کے بارہ میں پوچھوں کہ آپکی رائے میں یہ کیسے لوگ ہیں؟

ابو غالب:۔وہ آگ کے کتے ہیں آگ کے کتے؛ اور آج تک آسمان کے نیچے جتنے لوگ قتل کئے گئے ہیں ان میں سب سے بدترین مقتول ہیں؛ اور یہ بات کرتے ہوئے ابو غالب رو رہے تھے؛

ابو امامہ:۔آپ کیوں رو رہے ہیں؟

ابو غالب: یہ لوگ تو پہلے مسلمان تھے؛

ابو امامہ: بڑے تعجب سے بولے کہ یہ بات جو میں سن رہا ہوں کیا آپ انکے بارے میں یہ فرما رہے ہیں؟

ابو غالب:۔کیا آپ وہی بات نہیں کہو گے جس طرح اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ

﴿یَوم تَبیَضّ وجُوہٌ وتسوَدّوُجوہٌ فامّاالّذِینَ اسوَدَّت وُجوھُھم اَکَفَرتُم بعدَاِیمانِکُم فَذُوقُواالعَذابَ بماکُنتُم تکفرُون وامّا الّذِینَ ابیضّت وُجُوھُھم فَفِی رَحمَۃِ اللّٰہ ھُمْ فِیھاخٰلدُون﴾ (العمران:۱۰۶،۷) (ایک دن ایسا ہے جس میں بہت سارے چہرے خوش بخت اور سفید چمک دار ہونگے اور بہت سارے سیاہ اور بد بخت ہونگے اور جو چہرے سیاہ ہونگے اسکی وجہ کیا انکا ایمان لانے کے بعد کفر کرنا نہیں پھر ان کو چاہئے کہ کفر کرنے کی وجہ سے عذاب میں مبتلاء ہوں اور جو سفید چہروں والے ہونگے وہ اللہ تعالی کی رحمت میں ہونگے اور اس اللہ تعالی کی رحمت میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے؛

ابو امامہ: کیا آپ نے خود یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی؟

ابو غالب:۔سبحان اللہ ایک بار، دو بار، حتی کہ سات بار تک اسی طرح کہا۔

امام اعظم:

فرقۂ خوراج کا فر کہا جانا اللہ تعالی تعالی کی نعمتوں کا کفر کرنے کی وجہ سے ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی نے انپر جو انعام کیا یہ لوگ اس کی بناء پر اللہ تعالی کی ناشکری کرنے لگے تھے؛

....

نوٹ: کفران نعمت سے مراد یہ ہے اللہ نے ان پر کئی نعمتیں نازل کیں، انبیاء کے ذریعے مکمل دین اور صحابہ کرام کے ذریعہ مکمل راہ عمل اور انکے لئے کامل کتاب، اور اس کتاب کو بیان کرنے والے نبی؛ اور انکے متبع صحابہ کرام کی ایک جماعت جس کی توثیق پر حضور اکرمؐ نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے: بایّھم اقتدیتم اھتدیتم یعنی ان میں جس کی اتباع کرو ہدایت پا جاؤ گے؛

اور خوارج کا کفر کرنا اللہ تعالی کی نعمتوں سے کفر کی وجہ سے کہ اب اتنی بڑی نعمت کا انکار کیا اور یہ کفر نہیں تو اور کیا ہے۔

﴿......☆......﴾

﴿تاؔویل یا انکار سے غلط کام کرنے کا حکم﴾

(۲۷)

ابو مطیع:۔فرقۂ خوراج کے لوگ اگر مسلمانوں کے خلاف خروج اور بغاوت کریں اور جنگ وجدل اور غارت گری کا بازارگرم کریں اور اس تمام صورت احوال کے بعد اگر وہ ہمارے ساتھ صلح کرنے پر آمادہ ہوجائیں تو کیا انکے کئے کی سزا انکو دی جائے گی؟

امام اعظم:

ان طرف سے جنگ ختم ہوجانے کے بعد جو جرائم وہ دوران جنگ کر چکے ہوں ان سے کسی عمل پر کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا؛ اور نہ ہی انکے دوران بغاوت کئے گئے ایسے اعمال جو شرعی حد جاری کئے جانے کا موجب ہوں ان کے ایسے اعمال پر کوئی حد جاری کی جائے گی اور کسی کو ناحق قتل کرنے کی بناء پر ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا؛

(۲۸)

ابو مطیع:۔آخر کیا وجہ ہے کہ ان پر حدوو قصاص بھی جاری نہ کی جائیں؟

امام اعظم:

اس صورت احوال کی بناء پر جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں میں پیدا ہوئی تھی؛ وہ یہ کہ ایک جماعت مطالبہ کرتی تھی کہ ان کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے اور دوسری جماعت اس عمل کی مخالف تھی؛

تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اس بارہ میں اجماع منعقد ہوگیا کہ:۔

(۱): جو شخص تأویل کرتے ہوئے کسی کا خون بہائے اس پر قصاص لازم نہیں ہوگا؛

(۲):اور جو شخص تأویل کرتے ہوئے کسی عورت کے ساتھ زنا کرے اس پر شرعی حد جاری نہیں کی جائے گی؛

(۳):اوراسیطرح جو شخص کسی کا مال تأویل کے ذریعے جائز سمجھتے ہوئے ہتھیالے اُس پر اِس مال ہتھیانے کے جرم کی حد نافذ نہیں کی جائے گی؛

ہاں اگر اس ہتھیانے والے کے پاس اصل مال برآمد ہوجائے تو اس سے لیکر مال کے اصل مالک کی طرف واپس لوٹا دیا جائے گا۔

﴿کافر کے کفر کی کیا حدود ہیں﴾

(۲۹)

ابو مطیع:۔میں نے پوچھا کہ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ میں کافر کو کافر نہیں جانتا اس کو کیا جواب دیا جائے گا؟

امام اعظم:

وہ بھی اسی کافر کی طرح کافر ہوگا؛

(۳۰)

ابو مطیع:۔اگر کوئی شخص کہے کہ میں نہیں جانتا کافر کے کفر کی حد کیا ہے؟ یعنی کہاں پہنچ کر کوئی شخص کافر ہوتا ہے؟

امام اعظم:

وہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب کا انکار کرنے والا ہونے کی وجہ سے کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافر کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ شخص اسکو جانتا نہیں

﴿ایمان کی حقیقت پر حضرت معاذؓ وابن مسعودؓ کی حدیث﴾

(۳۱)

ابو مطیع :۔آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس سوال کیا جائے کہ کیا آپ مؤمن ہیں یا نہیں ؟ تو وہ جواب دے کہ (اللہ تعالی اعلم) اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے؟

امام اعظم :

وہ شخص ایمان میں شک کرنے والا ہے اس بناء پر وہ کافر ہے۔

(۳۲)

ابو مطیع :۔آپ یہ فرمائیں کیا کفر اور ایمان کے درمیان نفاق کے علاوہ کوئی اور درجہ بھی ہے؟

وہ تین میں سے ایک ہوگا؛ (ا): یا تو مؤمن ہوگا (۲): یا کافر (۳): یا منافق

امام اعظم :

نہیں جو شخص اپنے ایمان میں شک کرے وہ منافق نہیں ہے؛

(۳۳)

ابو مطیع :۔اس کی کیا وجہ ہے؟

امام اعظم :

حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابن مسعودؓ والی حدیث کی بناء پر جس کی تفصیل یوں ہے؛

(حدیث چہارم)

کہ مجھے امام حماد نے بیان کیا کہ حارث ابن ملیکہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس علم حاصل کیا کرتے تھے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کی موت کا وقت قریب ہوا تو حضرت حارثؒ رونے لگے؛

معاذؓ :۔اے حارث تیرے رونے کی کیا وجہ ہے؟

حارث : مجھے یہ بات تو معلوم ہے کہ آپکی آخرت کی زندگی دنیا سے بدرجہا بہتر ہے لیکن میں سوچتا ہوں آپکے بعد کونسا عالم ہے جس کی خدمت میں رہ کر میں علم حاصل کرسکوں گا؟

معاذؓ :۔کوئی بات نہیں صبر کرو اور میرے بعد تم عبداللہ بن مسعودؓ پاس چلے جانا ان سے علم حاصل کر لینا؛

حارثؒ : مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے؛ اس کے بعد جو اللہ تعالی نے چاہا معاذ بن جبلؓ مجھے وصیت کی؛ اور دوران وصیت یہ بھی کہا کہ عالم آدمی کی علمی غلطی اور علمی لغزش ڈرنا؛ اس کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے؛ اور حارثؒ کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کے طلباء میں آکر شامل ہوکر علم حاصل کرنے میں مصروف ہوگئے؛

ایک دن جب اذان ہوئی تو حارث نے سب لوگوں سے کہا: اس سچی بات یعنی اذان کا جواب دینے کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ ہر مسلمان جو اذان سنے اس کو اسکا جواب دینا واجب ہے؛ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں نے انکی طرف خاص نظروں سے دیکھا اور کہا کہ کیا یہاں صرف تمہی مؤمن ہو؟

حارث : ہاں میں واقعی مؤمن ہوں!

یہ بات سن کر ابن مسعودؓ کے سارے شاگرد حارثؓ کو کن اکھیوں سے یوں تاڑنے لگے کہ شائید اس نے کوئی غلط بات کردی؛

حارث: پریشانی میں اپنا سر جھکالیا اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور اس دوران حضرت معاذ کے لئے رحمت کی دعائیں کرتے جاتے تھے؛

اسی دوران اس بات کی خبر حضرت ابن مسعودؓ کو کردی گئی؛ ملاقات پر انہوں نے حارثؓ سے پوچھا کہ:۔ کیا تو کہتا کہ تو مؤمن ہے؟

حارثؓ:۔ ہاں میں واقعی مؤمن ہوں؛

ابن مسعودؓ:۔ کیا آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو جنتی لوگوں میں سے شمار کرتا ہے؟

حارثؓ: اس کا جواب دینے کی بجائے اپنے استاد حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ پر رحمت کی دعاء کرنے لگے؛ کیونکہ انہوں نے وصیت فرمائی تھی: کہ عالم کی بھول چوک سے ڈرنا اور یہ بھی وصیت فرمائی تھی کہ: بلاوجہ کسی کے بارے میں منافق ہونے کا فیصلہ نہ کرنا شروع کردینا؛

ابن مسعودؓ:۔ کیا تو نے کوئی غلطی دیکھی ہے؟

حارثؓ:۔ میں آپکو اللہ کی قسم دیتا ہوں آپ یہ بتائیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی تین قسموں کے علاوہ بھی کوئی قسم تھی؟

(۱): ظاہر و باطن کے لحاظ سے مؤمن؛ (۲): ظاہر و باطن کے لحاظ سے کافر؛ (۳): باطنی لحاظ سے منافق؛ اور ان تین میں آپ کسی گروہ میں ہیں؛

ابن مسعودؓ: اب جبکہ آپ نے اللہ کی قسم دی ہے: تو میرا جواب سن اور وہ یہ کہ: میں ظاہر و باطن کے لحاظ سے مؤمن ہوں؛

حارثؓ:۔ پھر آپ نے میری (انّی لمؤمن) کہ میں واقعی مؤمن ہوں والی بات کہنے پر ملامت کیوں کی؟

ابن مسعودؓ: کوئی بات نہیں یہ میری غلطی سمجھ لو؛ اور میرے پاس ہی اس کو دفن کردو؛ اور اس کو یہی بھول جاؤ پھر انہوں نے بھی حضرت معاذؓ پر رحم کی دعاء کی؛

﴿اپنے یا کسی زندہ شخص بارے دعوائے جنت یا جہنم کرنا﴾

(۳۴)

ابو مطیع:۔ اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جو لوگوں کو یہ کہے میں جنتی لوگوں میں سے ہوں؟

امام اعظم:

وہ شخص جھوٹ بولتا ہے؛ اس کو اس بارہ میں قطعی علم نہیں ہے؛

اور امام صاحب نے مزید یہ کہا کہ مؤمن اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل ہونگے اور گناہوں کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہونگے؛

(۳۵)

ابو مطیع:۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ: فلاں شخص جہنمی ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

امام اعظم:

وہ شخص جھوٹ بولتا ہے؛ کیونکہ اس بارے میں کسی کو علم نہیں کہ کون جنتی ہے اور کون جہنمی ہے، اور ایسی بات کہنے والا شخص اللہ تعالی کی رحمت سے مایوس ہونے کی وجہ سے یہ بات کہتا ہے؛

﴿......☆......﴾

﴿ایمان کی حقیقت اور تعلیق بالایمان کا حکم﴾

امام صاحب نے فرمایا کہ: کسی شخص کو یہ مناسب نہیں کہ اپنے ایمان میں شک کا اظہار کرے؛ البتہ یہ چاہئے کہ ہمیشہ یوں کہے: (انا مومن حقاً) کہ میں سچا مؤمن ہوں اور یہ بالکل نہ کہے کہ: (انامومن ان شاء الله تعالی) ان شاءاللہ میں مؤمن ہوں؛

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آیا اور دوران گفتگو کہنے لگا اے ابن عباس: ۔(انا مؤمن ان شاء الله تعالی) اگر اللہ نے چاہا تو میں مؤمن ہوں؛ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا: (ثكلتك امّك اتؤمن بالله تعالى وبماجاء من الله تعالى) تیری ماں تیری موت کا بوجھ اٹھائے اور تیرے مرنے پر روئے کیا تو اللہ تعالی پر اور اس چیز پر ایمان کے بارہ میں کہہ رہا ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے آئی ہے وہ شخص کہنے لگا کہ: ہاں؛ جس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

تو یوں کہا کر! (انا مؤمن حقا) میں پکا مومن ہوں؛ اس کے بعد یہ آیت پڑھی:

﴿انّماالمُؤمنون الّذين آمنوبالله ورسُوله ثمّ لم يرتَابُوا﴾(الحجرات:١٥)

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالی پر اس کے رسول پر، پھر اس میں شک نہیں کرتے نہ اللہ پر نہ اس کے رسول اور نہ ہی اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کسی چیز پر شک وشبہ میں مبتلا ہوتے ہیں؛

اور اسکی ایک اور دلیل کہ استثناء ایمان کو باطل کردیتا ہے؛ اگر کوئی شخص فارسی زبان میں کہے کہ:

﴿خداہست ان شآء اللّه تعالی؛وروزے رستخیزخواہدبود ان شآء اللّه تعالی؛وکتابہاہستندان شآء اللّٰه تعالی؛ومحمدؐ پیغمبربودان شآء اللّٰه تعالی﴾

یعنی یہ کہے کہ ان شاء اللہ تعالی خدا موجود ہے؛ اور ان شاء اللہ تعالی قیامت کا دن آنے والا ہے؛ اور ان شاء اللہ؛ اللہ تعالی نے کتابیں نازل فرمائی ہیں؛ اور ان شاء اللہ محمد ﷺ اللہ تعالی کے پیغمبر ہیں؛ تو ایسے کہنے والا شخص بلاکسی اختلاف کے کافر ہوجائے گا؛

امام صاحب فرماتے ہیں کہ: ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص فارسی زبان میں ان شاء اللہ کے ساتھ ایمان دار ہونے کا دعوی کرے تو درست نہیں اسی طرح اگر کوئی شخص عربی زبان میں ان شاء اللہ کے ساتھ ایمان دار ہونے کا دعوی کرے تو یہ بھی درست نہیں ہے۔

امام صاحب تفصیل بتاتے ہوئے مسائل کا ذکر کرتے ہیں کہ: کیا آپ دیکھتے نہیں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے کہ: ان شاء اللہ تجھے طلاق ہے، یا اپنے غلام یا لونڈی کو کہے کہ: ان شاء اللہ تو آزاد ہے؛ یا کہے یہ کہے کہ: ان شاء اللہ فلاں شخص کے میرے ذمہ اتنے پیسے ہیں؛ یا یہ کہے کہ: ان شاء اللہ میں نے فلاں چیز بیچ دی ہے یا خرید لی ہے؛ ان سب صورتوں میں اس شخصکے ذمے کوئی چیز بھی لازم نہ ہوگی کیونکہ لفظ ان شاء اللہ کے ساتھ تمام احکامات باطل ہوجاتے ہیں اور جس طرح ان شاء اللہ کے ساتھ احکام شرعیہ باطل ہوجاتے ہیں اسی طرح ایمان بھی باطل ہوجاتا ہے۔

....

نوٹ: اور دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالی ہے: اولئك هم المؤمنون حقایعنی یہ ہی لوگ ہی سچے مومن ہیں؛

اب جو شخص یوں کہے انا مومن ان شاء الله ؛تو اس سے پوچھا جائے کہ آپ کس لحاظ سے استثنی کررہے ہیں؛

(۱) اگر زمانہ ماضی کا استثناء کررہے ہیں: تو یوں کہنا چاہتے ہیں کہ میں گذشتہ کل ان شاء اللّٰہ مؤمن ہوں گا

(۲) یا یہ کہ زمانہ حال میں استثناء کرے اور کہے میں اس وقت مؤمن ہوں؛

(۳) یا یہ کہ زمانہ مستقبل میں استثناء کرے ؛ تو یوں کہنا ہوگا میں کل آئندہ مؤمن ہوؤں گا ؛ اگر تو وہ ماضی یا حال کے بارہ میں کہے کہ : میں گذشتہ کل یا موجودہ وقت میں انشاء اللہ مؤمن ہوں تو ان دولفظوں کے ساتھ اس کا کفر لازم آئے گا ؛ اور اگر مستقبل کے بارے میں استثناء کرے اور کہے کہ میں ان شاء اللہ کل مؤمن ہوں گا ؛ یہ صورت درست تو ہے مگر بدعت ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا : من لم یکن مؤمنا حقاً کان کافراً حقاً ؛ یعنی یہ کہ جو شخص مؤمن سچا نہیں تو وہ کافر سچا ہوگا ؛

☆☆☆☆☆

(۳۶)

ابو مطیع :۔ تو کیا اس صورت میں ہر مؤمن کا ایمان فرشتوں کے ایمان کی طرح ہو جائیگا ؛

امام اعظم :

ہاں ! بات تو اسی طرح ہے ؛

(۳۷)

ابو مطیع :۔ خواہ اس شخص کے عمل بہت تھوڑے ہوں پھر بھی وہ سچا مؤمن ہوگا ؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے ؛

(حدیث پنجم)

امام اعظم :۔ نے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا نبی علیہ السلام نے ایک معروف صحابی حضرت حارثہؓ سے پوچھا (کیف اصبحت؟) اے حارثہ تو نے صبح کس حال میں کی ہے ؟

حارثہؓ :۔ میں نے سچا مؤمن ہونے کی حالت میں صبح کی ہے ؛

رسول اللہؐ : دیکھو کیا کہہ رہے ہو ؟ کیونکہ ہر حق بات کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے تو تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے ؟

حارثہؓ :۔ اے اللہ کے رسولؐ ! میرا نفس دنیا سے بے رغبت اور بے زار ہو گیا یہاں تک کہ میرا دن بیتابی اور رات بیداری میں گذرتی ہے ؛

اور میرا حال یہ ہے کہ : میں اللہ تعالیٰ کا عرش واضح اور ظاہر طور پر دیکھتا ہوں ؛

اور میں جنتی لوگوں کہ جنت میں ایک دوسرے کی زیارت کے لئے آتے جاتے اور جہنمی لوگوں کو جہنم میں آگ میں غوطے کھاتے دیکھ رہا ہوں ؛

رسول اللہؐ :۔ فرمایا تو ایمان کی حقیقت تک پہنچ گیا ہے اس پر قائم رہنا اور یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا ؛

اس کے بعد رسول اللہ تعالیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص پسند کرتا ہو کہ : ایسے شخص کو دیکھے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان کے نور سے منور کر دیا ہے اس کو چاہئے کہ حارثہؓ کو دیکھ لے ۔

حارثہؓ :۔ یا رسول اللہ ! میرے لئے شہادت کی دعا کیجئے ؛

رسول اللہؐ :۔ ان کے لئے شہادت دعا کی ؛ اور اس دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے کہ حضرت حارثہ کو شہادت نصیب ہوئی ؛

﴿......☆......﴾

﴿ کفار اور مؤمنین کا جنت میں داخلہ ﴾

(۳۸)

ابو مطیع :۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی مؤمن داخل نہیں ہوگا؛ اس شخص کا کیا جواب ہے؟

امام اعظم :

اس کو جواب دو کہ قیامت کے دن جہنم صرف مؤمن ہی داخل ہوں گے؛

(۳۹)

ابو مطیع :۔ تو اس دن کافروں کا کیا معاملہ ہوگا؟

امام اعظم : وہ سب لوگ اس دن ایمان والے ہو جائیں گے؛

(۴۰)

ابو مطیع :۔ یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟

امام اعظم :

کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا:

﴿فلمّا رأوا بأسنا قالوا آمنّا باللّه وحده وكفرنا بما كنّا به مشركين فلم يك ينفعهم ايمانهم لمّا رأوا بأسنا﴾ (الغافر:۸۵)

(جب وہ لوگ ہماری آزمائش اور عذاب کو دیکھیں گے تو فوراً کہیں گے ہم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لاتے ہیں اور ہم جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے انکا انکار کرتے ہیں؛ مگر ان کو عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد ایمان لانا کوئی نفع نہ دے گا)

لہذا جو بھی جہنم میں جائے گا وہ پہلے ایمان لائے گا مگر ان کا اس وقت ایمان لانا ان کے لئے کوئی فائدہ مند ثابت نہ ہوگا؛

﴿......☆......﴾

﴿کفر اور ایمان میں فرق﴾

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے مزید فرمایا کہ: جو شخص کسی کو ناحق قتل کرتا یا چوری کرتا یا ڈاکہ ڈالتا یا گناہ کرتا یا فسق و فجور کرتا یا زنا کرتا یا شراب خوری کرتا یا کوئی ایسی نشہ آور چیز استعمال کرتا ہے جس سے اس کو نشہ ہو جاتا ہو تو اس کو مؤمن فاسق کہیں گے کافر نہ کہیں گے؛

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں کی وجہ سے جہنم کا عذاب دیا جائے گا اور اس پر ایمان کی نسبت غالب آ جانے کے بعد اسکو جہنم سے نکال لیا جائے گا؛

امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا کہ: جو شخص ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے مگر یہ بھی کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں یا نہیں؟ تو وہ شخص کافر ہے؛

اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کافر جنتی ہیں یا جہنمی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے قول کا انکار کرنے کی وجہ سے خود کافر ہے کیونکہ اللہ نے ارشاد فرمایا:۔

﴿ والَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا ﴾ (فاطر:۳۵) (اور وہ لوگ جو کافر ہیں ان کے لئے جہنم کی آگ ہے جو مرنے کے بعد ان کو دیا جائے گا)

اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فلهُمْ عَذَابُ جَهَنّم ولهم عذابُ الحَرِيق ﴾ (البروج:۱۰) (ان کفار کے لئے جہنم کا عذاب اور وہ بھی ایسا عذاب جو جلانے والا ہے)

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالی کا ارشاد ہے :۔

﴿ وَلَهُم عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴾(الشوری:١٦)(ان کفار کے لئے شدید ترین عذاب ہے)

تو ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہ عذاب اور سزا کفار کے لئے ہی ہے

اور جو شخص اس بارہ میں شک کرتا ہے گو یا وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی ان آیات میں شک کرنے کی بناء پر انکار کر رہا ہے۔

دلیل اسکی یہ ہے

(حدیث ششم)

امام صاحبؒ نے فرمایا: مجھ تک حضرت سعید بن مسیّبؓ سے یہ بات پہنچی ہے کہ: جو شخص کافر کو کافر نہ جانے اور ان کے جہنمی ہونے قائل نہ ہو وہ بھی انہی کی طرح کافر ہو گا؛

(۴۱)

ابو مطیع :۔ آپ اس شخص کے بارے میں مجھے بتائیں جو ایماندار تو ہے مگر عبادات میں سے نہ نماز، نہ روزہ، اور نہ ہی نیک اعمال میں سے کوئی عمل سرانجام دیتا ہے کیا ایسے شخص کو اسکا ایماندار ہونا مفید گا یا نہیں؟

امام اعظم :

وہ شخص بندۂ مؤمن ہے مگر اسکی آخرت اللہ تعالی کی مرضی پر منحصر ہے وہ چاہے تو اس کو عذاب دے یا اس کے حال پر رحم فرماتے ہوئے اس کی بخشش فرمادے اور جو شخص ایمانیات اور اللہ تعالی کی کتاب میں سے کسی چیز کا صراحتاً انکار نہ کرتا ہو وہ اہل ایمان میں سے سمجھا جائے گا؛

﴿اللہ تعالی کے استوی علی العرش کی حقیقت﴾

امام اعظم نے فرمایا کہ: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالی آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں؟ تو وہ اپنے اس قول کی بناء پر کافر ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا:

﴿الرحمن علی العرش استوی﴾ (طہ:۵) (اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گئے)

جبکہ اللہ تعالی کا عرش ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے؛

(۴۲)

ابو مطیع :۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ: اللہ تعالی عرش پر مستوی ہو گئے مگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالی کا عرش کہاں ہے؟ آیا آسمانوں میں ہے یا زمین میں ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

امام اعظم :

جب وہ عرش کے آسمان میں ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہے کیونکہ وہ شخص اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ قرآن کریم کی ایک آیت کا انکار کر رہا ہے

اور قرآن کریم میں لفظ **فوق** استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب **اوپر** ہے لہذا ہم اللہ تعالی کے لئے اس سے مراد بلندی کا مفہوم لیتے ہیں نہ کہ پستی کے لحاظ سے اسد کا مفہوم مراد لیتے ہیں؛

﴿ایمان وعمل کا تعلق اور اس پر گناہ کے اثرات﴾

امام اعظم : نے اپنی متصل سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل سے ایک رویت نقل کرتے ہیں کہ: جب حضرت معاذ بن رضی اللہ تعالی

عنہ شام کے مشہور شہر حمص میں تشریف لائے تو بہت سے لوگ آپ کی کے لئے جمع ہو گئے ان زائرین میں سے ایک نوجوان نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا؛

سوال:۔اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، حج بیت اللہ بھی کرتا ہے، اللہ تعالی کے راستے میں جہاد بھی کرتا ہے، غلام بھی آزاد کرتا ہے، اور اللہ کے راستے میں زکوۃ بھی دیتا ہے، البتہ وہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں شک کرتا ہے کہ پتہ نہیں آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں بھی یا نہیں؟

معاذ بن جبلؓ: یہ شخص جہنمی لوگوں میں سے ہے؛

سوال:۔اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جو ایمان تو رکھتا ہو مگر عمل صالح نہیں کرتا یعنی نہ وہ نماز پڑھتا ہے، نہ روزہ رکھتا ہے، نہ حج کرتا ہے، نہ اپنے مال میں سے زکوۃ دیتا ہے، البتہ وہ اللہ تعالی اور اس کے رسول کا اقرار کرتا اور ان پر ایمان لاتا ہے؟

معاذ بن جبلؓ: اس کے بارے میں اللہ تعالی سے مغفرت کی امید کے ساتھ ساتھ عذاب کا خوف بھی ہے؛

سائل:۔اے ابوعبدالرحمٰن! (حضرت معاذ بن جبل کی کنیت) آپکی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ جیسے اس کو شک کے ساتھ کوئی عمل فائدہ نہیں دیتا، اسی طرح ایمان کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا اور پھر وہ نوجوان اٹھا اور چلا گیا؛

معاذ بن جبلؓ: اس وادی میں شائد اس نوجوان سے زیادہ فقیہ اور سمجھدار کوئی اور شخص نہ ہو؛

﴿ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت اور انقلاب﴾

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ: ہم باغیوں کے ساتھ ان کے بغاوت کرنے کی وجہ سے لڑتے ہیں نہ کہ ان کو کافر سمجھنے کی وجہ سے، بلکہ ہم ان کو مسلمان ہی جانتے ہیں؛ اور ہم عدل پر قائم رہنے والی جماعت کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھتے ہیں؛ اگرچہ انکا سربراہ اور بادشاہ ناانصافی کرنے والا مگر ایمان کی حدود میں رہنے والا ہو اور کفر کی حدود میں داخل نہ ہوا ہو؛ اور اسی طرح ہم ایسے باغی گروہ کے ساتھ نہیں ہوتے جو ظلم اور فساد کو عام کرنے والا ہو خواہ وہ طبقۂ اہل السنّت والجماعت میں سے ہو؛ اور ان میں صالح جماعت کے افراد کی مدد کریں گے اور ان کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھیں گے اور انکی مدد کریں گے؛ اور جو حضرات حق پر قائم رہنے اور حق کو قائم کرنے میں تیری مدد کرنے والے ہوں ان کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھیں گے؛

اور اگر اہل السنّت والجماعت کے لوگ بغاوت کا راستہ اختیار کر جائیں تو ہم ان سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں؛ اور ان کی بجائے اہل عدل اور اہل حق کی جماعت کا حصہ بنیں گے اور ان کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھیں گے؛ اور یہ سب کچھ مندرجہ ذیل آیات پر عمل کرتے ہوئے ہونے کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿الم تكن ارضُ اللّه واسعةٌ فتهاجروفيها﴾ (النساء:۹۷) (کیا اللہ نے زمین کو بڑا وسیع نہیں تاکہ تم اس کی طرف ہجرت کر جاؤ)

اور دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے؛

﴿إِنّ اَرْضِی وَاسِعَةٌ فَإِیّایَ فَاعْبُدُوْنَ﴾ (العنکبوت:۵٦) (بے شک میری زمین بہت وسیع ہے لہذا اس میں میری ہی عبادت کیا کرو)

....

نوٹ:۔اور کسی مسلمان کو یہ بات ہرگز مناسب نہیں کہ: کوئی شخص اہل السنّت والجماعت کے اجماع کی مخالفت کرے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: لا یجتمع امتی علی الضلالة یعنی میری امت گمراہی پر کبھی جمع نہیں ہوگی اور فرمایا: تمہارے لئے سواد اعظم یعنی اہل السنّت والجماعت کے راستے پر چلنا لازم ہے؛ اور جو

شخص بھی سچے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرتا ہے وہ گمراہ اور بدعتی ہے؛ کیونکہ جماعت کی حفاظت کرنا رسول اللہؐ کی سنت ہے اور رسول اللہ کی ایسی سنت کی حفاظت فرائض میں سے ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿اطیوالله تعالی وطیعوالرسول﴾

یعنی فرائض میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور سنن میں اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو، کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے

﴿وماآتاکم الرّسول فخذوه ومانهاکم عنه فانتهوا﴾

یعنی جو رسول اللہ ﷺ دین کی باتوں میں سے کوئی بات تمہیں دیں اس کو اطاعت کے لئے لے لو، اور جس بات سے منع کرے اس سے رک جاؤ؛ اور جان لو کہ نبی علیہ السلام نے نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو واجب قرار دیا ہے اور جو شخص اس کی حفاظت نہیں کرتا اور بلاکسی عذر اس کی پاسداری نہیں کرتا وہ مذکورہ دلائل کی بناء پر بدعتی ہے، اور یہ تفصیل اس شخص کے لئے کافی ہیں جو عقل اور دانائی کا حامل ہو؛

(حدیث ہشتم)

امام ابوحنیفہ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی سرزمین پر فتنہ اور معصیت اس انداز اور مقدار میں ظاہر ہو جائے کہ اس کو بدلنا ممکن نہ ہو اور نہ ہی اس کے بدلنے کی کوئی صورت اور طاقت ہو تو مذکورہ بالا آیت پر عمل کرتے ہوئے تحوّل کیا جائے تاکہ انسانی معاشرہ اور ماحول اللہ تعالی کے اوامر کی تکمیل اور اسکیے نواہی کی تعمیل کے لئے مستعد ہو جائے اور دین خدا کے غلبہ کے احوال پیدا ہو جائیں؛

(حدیث نہم)

امام ابوحنیفہ نے اپنی سند کے ساتھ مرفوعا نبی علیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص ایسی سرزمین میں تحوّل (انقلاب) پیدا کرتا ہے جہاں لوگوں کے اسلامی احکامات کی بجائے فتنہ میں مبتلاء ہونے کا اندیشہ ہو تو اللہ اس کے نامہ اعمال میں (۷۰) ستّر صدیقین کا اجر لکھتے ہیں۔

....

نوٹ:

صدیقیت ولایت کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے جو انبیاء کے بعد ساری دنیاء کے درجات ولایت سے افضل ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے

﴿اولئك الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين﴾

یعنی یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی نے انعام کیا ان میں انبیاء بھی ہیں صدیقین بھی ہیں اور شہداء بھی ہیں اور صالحین بھی ہیں؛

نوٹ:

تحول کا مطلب ہے تبدیل کرنا اور اس کے مترادف آج کل انقلاب کی اصطلاح عموما استعمال ہوتی ہے اسی لئے شارح الفقہ الاکبر مولانا عبیداللہ تعالی العلویؒ کا ارشاد ہے کہ امام صاحب کے اس فرمان میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب برسراقتدار حاکم سے ظلم عظیم ہونے لگے اور ناصح کی کوئی نصیحت اس پر اثر انداز نہ ہو تو ایک متبادل جماعت بنا کر وہاں انقلاب برپا کر دینا چاہئے ایسی صورت میں انقلابی کام کرنے والا شخص باغی نہ کہلائے گا؛

اور مولانا عبیداللہ سندھی سورۃ العصر کی تفسیر میں انقلاب یا تحول کے لئے چار درجات متعین فرماتے ہیں اور انہی چار درجات کی وجہ سے کسی جگہ تحول ممکن ہے؛

(۱) ایمان، نظریہ یا نصب العین: جس پر اس جماعت کا سارا دارومدار ہو گا اعلی نظریہ اعلی کارکردگی اور ادنی نظریہ ادنی کارکردگی کا باعث ہو گا

(۲) لائحہ عمل: طریقہ کار، یا عمل صالح؛ اس پر چل کر انسان اپنے مقصود اصلی کا حاصل کر سکتے ہیں

(۳) نصیحت حق: جماعتی افراد کو بدنام کرنے انکو معاشی یا معاشرتی نقصان پہچانے کے لئے باطل قسم کا پراپوگنڈہ کئے جانے کی صورت میں ہم جماعت ساتھوں کو راہ حق پر جمے رہنے کی ہدایت اور تلقین کرنا؛

(۴) **وصیت صبر**: اس پراپوگنڈہ سے متاثر ہوکر افراد کا جماعت کو یا نظری کو چھوڑنا یا معاشی نقصان پہچانے کے لئے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آنے سے جماعتی نقصان یا جماعتی افراد کا جماعت سے وفاداریاں ترک کرنا یا بدلنا اس پر اپنے پکے ارکان کو صبر کی تلقین کرنا کیوں جو شخص حوادثات زمانہ سے اپنی وفاداری بدل لے یا جماعت کی مخالفت شروع کردے وہ اصل میں محول یا انقلابی نہیں ہے؛

(انقلاب کے لئے انسانوں کی اقسام)

اور مذکورہ باب میں امام صاحبؒ کے فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانوں کی اپنی احوال طبعی کے لحاظ سے تین اقسام ہیں:

(۱): وہ آدمی جو دل کا کمزور اور احوال زمانہ سے نابلد ہے اس کو چاہئے کہ اپنا تعلق جماعت عادلہ کے ساتھ رکھے مگر ظالم حکمران کے ساتھ ملا رہے اس کے خلاف کوئی سیاسی اکٹیوٹیز نہ کرے بلکہ خاموش رہ کر اللہ تعالی سے مدد طلب کرے؛

(۲): وہ شخص جو دل کا قوی اور احوال زمانہ پر وسیع نظر رکھنے والا ہو اس کو چاہئے کہ ظلم سے عدل کی طرف تحول اور انقلاب کی جدوجہد کرے؛ اور اس مرتبہ کا اجر بہت زیادہ ہے جیسا کہ امام صاحب نے متن میں ارشاد فرمایا ہے؛

(۳): وہ شخص جس کی احوال زمانہ پر نظر تو بڑی وسیع ہو مگر طبیعت میں بہت کمزوری ہو اس کو چاہئے اس علاقہ سے ہجرت کر کے کسی دوسرے علاقہ میں چلا جائے اور وہاں جا کر اللہ تعالی عبادت کرے؛

﴿......☆......﴾

﴿عذاب قبر اور اس کے انکار کا حکم﴾

امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں: جو شخص کہتا ہے کہ میں عذاب قبر کا قائل نہیں ہوں؟ وہ ناپاک خبیث اور ہلاک ہونے والے طبقہ جہمیہ میں سے ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا انکار کر رہا ہے؛ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

﴿سنُعذّبهم مرّتين﴾ (التوبة:۱۰۱) (ہم انکو دوبار عذاب دیں گے)

ایک بار قبر میں اور دوسری بار قیامت کے دن؛

اور دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ان للذين ظلموا عذاباًدون ذلك﴾ (الطور:۴۷)(بے شک جن لوگوں نے ظلم کئے واسطے ان کے عذاب ہے علاوہ اس عذاب کے اور اس سے مراد عذاب قبر ہے؛

اور اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے

﴿ولنذيقنهم من العذاب الادنى دون العذاب الاكبر﴾(السجدة:۲۱) (اور یقیناً ہم انکو ایک قریبی عذاب کا مزا چکھائیں گے سوائے بڑے عذاب کے)

اور قریبی عذاب سے مراد عذاب قبر ہے

....

نوٹ:

اس پر اعتراض کرنا کہ قبر میں میت پتھر کی طرح ہوتی ہے اس کو جزاء وسزا کا کیا فائدہ ہے؟ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایک نظام بنایا ہے اسی کے ماتحت رہنے سے خاتمہ بالخیر اور اس سے سرمو تفاوت کرنے سے فائدہ نہ ہوگا؛

البتہ عذاب قبر کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل نقاط سمجھنا ضروری ہے

(۱) یہ مادی دنیا ہے اس میں ہر چیز مادی ہے، لہٰذا اس سے مرتب شدہ اثرات بھی مادی ہوں گے؛ خواہ فائدہ یا نقصان؛ روپیہ ہو یا پیسے، مال ہو یا دولت، گھر ہو یا گاڑی، یہ سب مادیت کی مثالیں ہیں، ان کے ملنے سے فائدہ، نہ ملنے سے سزا معلوم ہوتی ہے؛

(۲) مرنے کے بعد کی دنیا نفسانی دنیا ہے اس میں جزاء سزا کا تعلق انسانی نفس سے ہوگا؛ اور انسانی نفس لذات اور خواہشات کا گرویدہ ہے، اور یہ لذات وخواہشات مادی نہیں ہیں؛ اگر کسی ذائقہ سے نفس مانوس ہو لذت نہ مانوس ہو تو بدمزگی حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے ایک چیز ایک شخص کو مزے دار دوسرے کو بدمزہ معلوم ہوتی ہے؛ بالکل اسی طرح قبر کی زندگی اور جزاؤ سزاء کا تعلق نفس سے ہوگا؛ اور جسم یا روح سے نفس کا تعلق اسی قدر رہوگا جس قدر مادی دنیا کا نفس کے ساتھ ہے؛ جب معاملہ اس طرح ہے تو جزاؤ سزا کی نوعیت کا صحیح پتہ نہ چل سکے گا اس لئے ذات باری تعالی کی طرف سے: ولکن لا تشعرون کی نوید سنا دی گئی ہے؛

(۳) روح کا تعلق عالم حشر جنت ودوزخ سے ہے: جسے دنیا میں نماز پڑھنے سے مزا نہیں آتا آخرت میں اس کا بدلہ مزے اور لذت کی شکل میں ملے گا؛ اسی طرح روحانی لذت اور مزا تو اصل ہوگا مگر نفس اور جسم سے اسی قدر متعلق ہوگا جس قدر انسانی جسم کا دنیا میں نفس اور روح سے تعلق ہوگا؛ مگر لذات کا انداز بدل جائے گا اس لئے عذاب قبر کا انکار کرنا، اور آخرت میں جنت ودوزخ خالص روحانی جاننے سے ان کی حقیقت کا انکار لازم آتا ہے؛ اور یہ ہی بات انسان کو کفر میں لے جاتی ہے؛

حقیقی بات یہ ہے کہ: یہ تینوں جہان (عالم ارواح؛ عالم دنیا؛ عالم عقبی) اپنی اصل اور حقیقت سے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں؛ اور انسان جب ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے اس کی لذات ومنفعت کی نوعیت بدل جاتی ہے؛ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جو محسوس نہ ہو اس کا انکار کر دیا جائے؛ کیونکہ ضروری نہیں جو محسوسات کی حدود میں نہ آئے وہ معدوم سمجھ کر رد کر دیا جائے، غیر محسوسات کا رد کر دینا اپنے حواس پر ماتم کرنے کے مترادف ہے؛ اس لئے کہ دنیا میں ہزار ہا اشیاء موجود ہونے کے باوجود محسوس نہیں ہوتیں؛ مثلاً ایٹم Atom ہم دیکھ نہیں سکتے؛ جراثیم Germs ہم محسوس نہیں کر سکے؛ آواز ریڈیو کے ذریعے سن سکتے ہیں بغیر ریڈیو کے نہیں سن سکتے؛ تصویر ٹی وی کے ذریعے دیکھ سکتے ہیں بغیر ٹی وی کے نہیں دیکھ سکتے؛ موبائل فون پر کسی سے بات کر سکتے ہیں مگر اس کے بغیر بات نہیں کی جا سکتی؛ یہ اور اس کی ہزار ہا مثالیں ہیں جو اس بات کی شاہد عادل ہیں کہ محسوسات اور حواس بذات خود دھوکہ کھا جاتے ہیں؛ لہٰذا ان کی وجہ سے عذاب قبر یا ایمان کی دوسری اشیاء کا انکار عقلی بات نہیں ہے؛

خلاصہ بحث یہ ہے کہ:

جسم دنیاوی لذات کا رسیا ہے جبکہ نفس عالم نفس کا شیدائی اور روح عالم ارواح کے فراق میں بے تاب ہے۔ اور دنیاء میں ان تین اشیاء کا مجموعہ ہے؛ لیکن مادیت غالب ہونے کی وجہ سے تمام اثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں جنکا تعلق اس دنیا سے ہے؛ اور جن کا تعلق نفس سے وہ اور ان کے اثرات عالم نفس یا قبر میں مرتب ہوتے ہیں مگر جسم اور روح وہاں بھی ساتھ ہوتے ہیں اسی طرح

جنت، دوزخ یا حشر میں جو اثرات مرتب ہوں گے وہ روح کے ذریعہ نفس اور جسم پر ہوں گے مگر انسان روحانیت سے آشناء نہ ہونے کی وجہ سے دنیا میں مادیت کو اصل چیز سمجھتا ہے جبکہ یہ مادیت بچوں کے اخروٹ اور بلور اور انسانی سوچ وفکر سے بھی زیادہ عارضی ہیں؛

دنیا کی گہرائی اور وسعت

یہ بات ایک مسلمان کو اچھی طرح معلوم ہونی چاہے مادیت یا (Material-ism) ایک مذہب ہے؛ جو صرف مادے پر (Base) کرتا ہے اور عالم شیطانیات یا عالم الجنات ایک ایسا جہان ہے جو صرف نفس سے تعلق رکھتا ہے؛ اور روحانیت ایک الگ جہان ہے جس پر عالم ارواح اور عالم ملائکہ کی دنیاء کے اثرات مرتب ہوتے ہیں؛ ان کی کئی قسمیں اور کئی درجات ہیں؛ صرف مادیت کے لحاظ سے امام شاہ ولی اللہ انسان کی (۸۱) اقسام ذکر کرتے ہیں خاک کے لحاظ سے انسان کی کم از کم تین اقسام ہیں:

خاک اعلی قسم (x) خاک متوسط قسم (x) خاک ادنی قسم (X)

اسی طرح پانی کے لحاظ سے انسان کی تین اقسام ہیں:

اعلی درجہ کا پانی (x) توسط درجہ کا پانی (x) ادنی درجہ کا پانی (X)

اور ہوا کے اعتبار سے انسان کی تین اقسام ہیں

ہواء درجۂ اعلی (x) ہواء درجۂ متوسط (x) ہواء درجۂ ادنی (X)
اور آگ کی ترتیب کے لحاظ سے انسان کی تین اقسام ہیں
(x) اعلی درجہ کی آگ (x) متوسط درجہ کی آگ (x) ادنی درجہ کی آگ (X)
خلاصہ کلام یہ ہے کہ (3x3x3x3=81) غرضے کہ مادی لحاظ سے انسان کی اتنی اقسام بنتی ہیں؛ اور اسی طرح اگر نفس کی اقسام سامنے رکھیں؛ اور پھر روح کی اقسام کو سامنے رکھیں اس طرح انسان کی لاتعداد اقسام سامنے آتی ہیں؛ واضح ہو کہ یہ سب اقسام فرضی ہیں نہ کہ حقیقی؛
اسی لئے اللہ تعالی تک رسائی حاصل کرنے کے طریقے بھی انسانوں جتنے ہی ارشاد فرمائے گئے ہیں؛ اور یہ اعجاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس میں انسان کی کامل راہنمائی کی گئی ہے کہ کسی مقام اور آزمائش میں بھٹکنے نہ پائے؛ ورنہ اس کے علاوہ تمام مذاہب وقتی ضرورت اور وقتی حالات کے پس منظر میں ان کی مشکلات حل کرتے اور بعد کے زمانے میں راہنمائی سے قاصر ہو جاتے تھے؛

﴾......☆......﴿

﴾متأوّلین کون ہیں اور انکا کیا حکم ہے﴿

(۴۳)

ابو مطیع:۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں ان تمام آیات پر ایمان رکھتا ہو لیکن ان کی تأویل یا تفسیر پر ایمان نہیں رکھتا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟
امام اعظم:
اسکو کافر کہا جائے گا کیونکہ قرآن کی تأویل اور تفسیر یہ سب قرآن کے ہی اجزاء ہیں اگر انکا انکار کرتا ہے؛ تو وہ قرآن کا انکار کرتا ہے اور اسی وجہ سے وہ شخص کافر ہو جاتا ہے؛

(حدیث دہم)

ابو مطیع فرماتے ہیں مجھے حضرت امام ابو حنیفہ نے اپنی متصل سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے بیان فرمایا کہ:۔ رسول اللہ تعالی ﷺ سے فرمایا میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں (انی فی الجنته) کہ میں تو جنتی ہوں؛ جہنم میں ہرگز نہ جاؤں گا؛

(حدیث یازدہم)

امام صاحب نے فرمایا کہ: میں تمہیں ابو ظبیان سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتا ہوں اور وہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے متأوّلین پر افسوس ہے! کسی نے پوچھا اے اللہ کے نبیؐ متأوّلین کون لوگ ہیں؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی طرف سے کہیں کہ فلاں شخص جنتی ہے اور فلاں شخص جہنمی ہے؛

(حدیث دوازدہم)

امام اعظم:۔ فرماتے ہیں کہ: میں نافع عن ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہوئے بتاتا ہوں انہوں نے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ نہ کہو کہ میری امت کے فلاں افراد جنت میں اور فلاں افراد جہنم میں ہیں بلکہ انکا معاملہ اللہ کے حوالہ کر دو تا کہ قیامت کے روز اللہ تعالی ان کے بارہ میں فیصلہ کرے؛

(حدیث سیزدہم)

امام صاحب نے فرمایا حضرت حسن بصری سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندوں کو جنت یا دوزخ میں نہ داخلہ کا سرٹیفیکیٹ جاری نہ کیا کرو یہاں تک کہ قیامت کے روز میں ان کے درمیان فیصلہ کروں اور ہر ایک کو اس کا مناسب اور صحیح ٹھکانہ دے دوں اور جو اس کا اصل مقام ہے اسی پر اس کو پہنچا دوں؛

....

نوٹ:

آج کے دور میں یہ فتنہ عام ہورہا ہے بعض لوگ تصوف کا جعلی لبادہ اوڑھ کر دعویٰ کرتے پھرتے ہیں کہ ہم آپ کو بتاتے ہیں فلاں جنت میں اور فلاں جہنم میں ہے ؛اپنی جہالت تو ان کی ہے ہی مگر ساتھ ہی تصوف جیسے پاکیزہ درخت کو ناپاک اور بدنام کررہے ہیں ؛ یاد رکھنا چاہئے کہ کشف قبور کے ذریعے اگر کسی کو کچھ معلوم ہوتا ہے تو وہ اس سے کم تر ہے جس پر کسی بات کی بنیاد رکھ کر دعوی کیا جاسکے ؛بعض اوقات کشف قبور کا عمل کرنے والے پر اس کا اپنا باطن کھلتا ہے ؛ یا کسی مستقل عمل کی وجہ سے میت کے بارے مین فیصلہ کرنا کہ وہ جنت یا جہنم میں ہے سراسر غلط اور گمراہی ہے ؛ اور بعض اہل تصوف میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ: اگر کسی کی میت میں آکر کوئی بزرگ شامل ہوگئے تو یہ اس کی بخشش کی نوید اور اگر وہ بزرگ کسی عذر کی وجہ سے شامل نہ ہوسکے یہ اس میت کے لئے بدشگونی سمجھی جاتی ہے ؛ معلوم ہو کہ میت کے ایمان کے حال میں مرنے کے بعد حسن ظن رکھنا ایمان کا حصہ ہے ؛ اور بدگمانی کرنا سرے سے غلط ہے ، اچھا گمان کرو اچھے الفاظ سے یاد کرو اور میت کے لئے دعا کرتے رہو ؛ اور ہرگز ہرگز اس کے بارہ میں دعویٰ کرنا کہ وہ جنتی یا جہنمی ہے غلط اور باطل ہے ؛ اس لئے کہ اگر کوئی کیفیت معلوم ہو بھی جائے جس سے معلوم ہو کہ یہ کیفیت جہنمی ہونے کی ہے ؛ تاہم اللہ تعالی کے غیبی نظام پر کسی کو دسترس نہیں ہے ؛ اور انسان کے اس دنیا میں ہونے کی وجہ سے ایک کو کیفیت سے مختلف انداز سے معلوم ہوتی ہے ؛ اور دوسرے کو اس اپنی کیفیت کے مشابہ ہوتی ہے لیکن انسان اپنی کم مائیگی اور غیبی نظام سے پوری طرح آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنی طرف سے حتمی فیصلہ کرلیتا ہے ؛ یہ ایک قسم کی گمراہی ہے اس سے بچنا ہر اس شخص کے لئے لازم ہے چاہے یہ اشخاص سالکان راہ طریقت میں سے ہوں یا راہروان منزل حقیقت سے از حد ضروری ہے ؛ اور بارگاہ ایزدی میں دست بستہ التجاء ہے راہ بیان وصادق وفاء میں ہماری حفاظت فرمائے اور اس بات کی تمنا ہے کہ اللہ ان آزمائیشوں میں نہ مبتلاء کرے کہ کیفیات خلط ہونے پر راہ گم گشتہ کا راہی بنادے (آمین)

﴿اہل السنّت والجماعت کے نزدیک فاسق وفاجر کی امامت کا حکم﴾

(۴۴)

ابو مطیع :۔ میں نے پوچھا کہ قاتل کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

امام اعظم:

نے فرمایا ہر نیک وبد امام کے اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے ؛ لہذا تیرے نماز کی وجہ سے تجھے اجر ملے گا اور جو امام بننے کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے امام بنے اس کو اس نا اہلی میں آگے ہونے کی سزا اور بدلہ ملے گا ؛

امام اعظم: نے (نسخۂ حسینیہ میں ارشاد) فرمایا کہ ہر شخص کے لئے لازم ہے کہ وہ ہر فاسق وفاجر کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز جانے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے (صلّوا خلف کل بروفاجر) یعنی ہر فاسق اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو ؛ جبکہ اس مسئلہ میں روافض کا ہمارے ساتھ اختلاف ہے انکے نزدیک فاسق وفاجر کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی ؛ لہذا تمام گناہ گار آدمیوں کے پیچھے نماز جائز ہے ؛ مگر اس شرط پر کہ وہ بدعتی نہ ہو کیونکہ ہمارے نزدیک بدعتی کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوتی ؛

امام اعظم فرمایا :۔ جو شخص فاسق وفاجر کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتا وہ صحیح معنوں میں بدعتی ہے ؛

اس پر امام صاحب نے اپنی سند کے ساتھ امام مکحول الشامی سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کو مرض موت کے وقت کہا :۔ چار باتیں ایسی ہیں جو میرے تک رسول اللہ ﷺ سے سند متصل کے ساتھ پہنچی ہیں اور میں نے اب تک تمہارے سامنے بیان نہیں کیں مگر اب جبکہ میں اس دنیا سے جانے والا ہوں اس لئے آپ کے سامنے بیان کرنے لگا ہوں ان کو دھیان سے سنو اور یاد رکھو اور وہ یہ کہ:

(۱) اہل قبلہ میں سے کوئی شخص اگرچہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے تو بھی اسکو کافر مت کہو ؛

(۲) اور اہل قبلہ سے اگر کوئی شخص خواہ جتنے گناہ کرکے فوت ہوا ہو اس پر نماز جنازہ ضرور پڑھو ؛

(۳) اور ہر امام کی اقتداء میں نماز پڑھ لیں خواہ اس سے فسق وفجور کا ارتکاب واظہار ہی ہوتا ہو ؛

(۴) اور ہر امیر جو کفار کے ساتھ تمام شرائط کو پورا کرتے ہوئے جہاد کی دعوت دے تو اس کے ساتھ مل کر کفار کے ساتھ جہاد ضرور کرنا

....

نوٹ:

اسی لئے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے (صلّوخلف کل امام برّو فاجرلکم صلوتکم وعلیھم الھم) یعنی ہر نیک ہر امام کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو کیونکہ تمہارے لئے تمہاری نماز اور اس کے لئے ان کا گناہ ہوگا اگر وہ امام بننے کی شرائط پوری نہ کرنے کی وجہ سے امام بنا ہے تو اسپر ان کو گناہ ملنے کی وجہ وہ خود ہے؛

نوٹ:

کیونکہ ان کے نزدیک امام کا معصوم عن الخطاء ہونا ضروری ہے؛ یہ ہی وجہ ہے ان کے آئمہ خواہ کتنے بھی سیاہ کارنامے سرانجام دیتے رہیں مگر ان کے نزدیک چونکہ امام معصوم ہوتے ہیں لہذا اس کو وہ گناہ نہیں جانتے؛ جبکہ ہمارے نزدیک چونکہ امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں

نوٹ:

اور اہل قبلہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ کے دین پر (بلا کسی قید) مکمل ایمان رکھتے ہوں. اگر کوئی ایک چیز کا انکار کر دے تو اہل قبلہ نہ رہیں گے؛ جبکہ گناہ کبیرہ کی وجہ سے کفر میں داخل نہیں ہوتے

علامات اہل السنّت الجماعت از مفتاح النجاۃ

اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہدایت یافتہ ہونے کی سات نشانیاں ہیں اور اہل السنّت والجماعت بھی وہی لوگ ہیں جو ان سات باتوں کو مانتے ہیں اور جو ان کو نہیں مانتے وہ اہل السنّت والجماعت کی حدود سے باہر ہو جاتے ہیں؛

(۱) اہل قبلہ پر کفر یا شرک کی گواہی نہیں دیتے اور نہ ان کو منافق جانتے ہیں یہ تو ظاہری بات ہے؛

(۲) ان کے راز دل کی پوشیدہ باتیں اور مخفی معاملات کو اللہ تعالی کے سپرد کرتے ہیں کہ وہ جو چاہے ان کے ساتھ معاملہ فرمائے؛

(۳) اہل قبلہ میں سے کسی کے مرجانے پر انکی نماز جنازہ پڑھتے ہیں؛

(۴) پانچ نماز، جمعہ، جماعت کے ساتھ، اور ہر نیک و بد امام کے اقتداء میں پڑھ لیتے ہیں؛

(۵) ہر نیک و بد خلیفۂ مسلمین کی اقتداء کرتے ہوئے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں؛

(۶) اپنے حکمرانوں اہل فتنہ کے خلاف تلوار کے ذریعہ بغاوت نہیں کرتے اگر چہ وہ ظلم کرنے کی عادت اختیار کریں، اور اللہ تعالی سے انکی اصلاح اور عافیت کی دعا کے ساتھ انکو حفاظت کے راستے کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ان کے لئے ہدایت دعا کرتے ہیں ان کی ہلاکت اور برُے انجام کی دعا نہیں کرتے؛

(۷) ہر قسم کی خواہشات کو دباتے اور چھپاتے ہیں کیونکہ ہوا و ہوس ابتداء سے انتہاء تک باطل اور بے کار ہیں اور یہ بات عقل مند شخص کے لئے کافی ہے اور اسمیں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے

امام ابونصر احمد بن احمد الجامیؒ سے مفتاح النجاۃ میں روایت ہے کہ ابن عمرؓ سے فرمایا جو شخص اہل السنّت والجماعت کے راستہ پر ہوگا، اللہ تعالی اس کے ہر دن کا اجر ایک ہزار انبیاء بنی اسرائیل کے اجر کے برابر دیں گے اور اس کے ہر ایک دن کے کے بدلے میں اللہ تعالی جنت میں اس کے لئے ایک شہر آباد کرتے ہیں؛ اور اس کے ہر قدم اٹھانے اور رکھنے کے بدلے میں دس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں درج کی جاتی ہیں، اور اسی راہِ اہل السنّت پر قائم رہتے ہوئے جو شخص نماز پڑھتا ہے یا جماعت نماز پڑھتا ہے اس کو ہر رکعت کے بدلہ میں ایک شہید کا اجر اور بدلہ دیا جاتا ہے؛

صحابہ کرام نے پوچھا کہ: آدمی کو کب اور کیسے پتہ چلے گا کہ وہ اہل السنّت والجماعت کے راستہ پر قائم ہے یا نہیں؟ تو حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا جب اپنے دل میں دس باتیں دیکھے اور ان پر پوری دل وجان سے عمل پیرا ہو تو سمجھ جائے کہ وہ اہل السنّت کے راہ پر چل رہا ہے

(۱) جماعت کو ترک نہ کرے یعنی مسلمانوں کی جماعت کو کسی صورت میں بھی چھوڑ کر اپنی جماعت بنانے کی کوشش نہ کرے

نوٹ:

اور آج کل یہ فتنہ عام ہے ہر شخص چھوٹی چھوٹی بات پر نئی جماعت بنانا اور نئی پارٹی بنانے کی فکر میں رہتا ہے اگر چہ ان کے اکثر مسائل ایک جیسے ہوتے ہیں مگر ایک

دو مسائل کے اختلاف کی وجہ سے ایک نئی جماعت معرض وجود میں آجاتی ہے۔ابتداء میں تو اخلاص ہوتا ہے لہذا لوگ محبت کے ساتھ اور اس فرق کو پیش نظر رکھ کر چلتے رہتے ہیں مگر سربراہ کے اس دنیاء سے رخصت ہونے کے بعد تو بس ایک ایسا فرقہ بن جاتا ہے جن کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہماری غرض و غائیت اور مقصد تخلیق کیا تھا؛ جماعت کے احباب صرف اسی قدر جانتے ہیں کہ جو ہماری جماعت میں نہیں وہ کافر،مشرک،منافق یا کم از کم بدعتی اور گناہ گار تو ضرور ہے؛ جبکہ یاد رکھنا چاہیے کہ چھوٹے موٹے علمی اختلافات کو علمی ہی رہنا چاہے ذاتی نہیں بن جانا چاہیے اور نہ ہی ایک الگ فرقہ بن جانا چاہئے

(۲) یہ کہ کسی صحابی کو سب وشتم نہ کرے اور ان کی زندگیوں میں ہو چکی ہوئی بھول چوک کو بیان کرکے مورد طعن وتشنیع نہ بنائے؛اور خاص طور پر جنکے بارے میں اللہ نے خود فرمادیا: اولئك الذين امتحن الله قلوبهم لتقوى لهم مغفرة و اجر عظيم ؛ یعنی اس جماعت کو اللہ نے تقوی کا لباس پہننانے کے لئے آزمایا تو کامیاب پایا اسی لئے انکو اجر عظیم کا انعام عنایت فرمایا؛مگر جدید دور کے پر فتن انداز میں جمہوریت اور اکثریت کا بے ہنگم راگ الاپ کر اللہ تعالی کے کسی کام اور تخلق کو بھی مورد طعن وتنقید بنانا اور یہ جاننا کہ یہ ہماری آزادی کا حق ہے؛ جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے لئے کچھ حدود و قیود مقرر فرمائی ہیں اس پر رکنا اور ان پر قائم رہنا انسانی تخلیق کا اصل مقصد ہے اور اس میں کامیابی ہے؛ ورنہ سوائے خسران وعدوان اور مورد غضبان الٰہی کے اور کچھ نہیں ہے؛

(۳) بات اس امت کے کسی فرد یا جماعت پر اپنی تلوار لے کر حملہ آور نہ ہو اور نہ ہی اس پر جماعت سازی کرے؛

(۴) اور اچھی بری تقدیر کے اللہ تعالی ہی کی طرف سے ہونے کو نہ جھٹلائے کیونکہ وہی اچھائی کو اور برائی کو پیدا کرنے والی ذات ہے؛تفصیل اس کی امام صاحب کی زبانی اسی کتاب میں قبل ازیں گزر چکی ہے؛

(۵) اور ایمان میں کسی طرح شک پیدا نہ کرے اور نہ ہی ایمان کے اقرار کو مشیت باری کے ساتھ معلق کرے؛

نوٹ:

اس کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ اپنے دعویٰ ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ کی قید لگانے دوسرے یہ کہ معمولی گناہ کی وجہ سے کفر یا شرک یا نفاق کا حکم اور فیصلہ صادر کردے؛

(۶) اور اللہ کے دین میں شکوہ کو شبہات پیدا نہ کرے کیونکہ :اماالذين فى قلوبهم زيغ فيتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة جن لوگوں کے دلوں میں اللہ کی طرف سے کجی اور ٹیڑا پن پیدا کر دیا گیا ہے وہ اللہ کی آیات میں فتنہ اور آزمائش پیدا کرنے کے لئے مشتبہ باتوں اور شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں؛

(۷) اہل قبلہ میں سے اگر کوئی مرجائے اس پر نماز جنازہ پڑھنا ترک نہیں کرتے خواہ وہ کس قدر گناہ گار ہی کیوں نہ ہو؛اس لئے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھنا اس کی مغفرت کی دلیل نہیں بلکہ مسلمانی کا حق ادا کرنا ہے؛

(۸) اہل توحید اور اہل ایمان کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ان کے کفر کے قائل نہیں ہوتے اگر چہ ان سے گناہ کبیرہ سرزد ہوئے ہوں؛ بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالی پر چھوڑ دیتے ہیں؛

(۹) سفر وحضر میں موزوں پر مسح کرنا شرعی طور پر نہیں چھوڑتے اور ان کے عدم جواز کے قائل نہیں ہوتے ہاں اگر عذر شرعی ہو جس پر مسح کی بجائے دھونا ضروری ہو یا عذر طبعی ہو کہ طبعیت مطمئن نہ ہوتی ہو یہ اور بات ہے مگر عذر طبعی کو عذر شرعی نہیں جانتے؛

(۱۰) ہر نیک و بد امام کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چھوڑتے اور جو شخص ان دس میں سے ایک خصلت یا چند خصلتوں کو چھوڑتا ہے وہ اہل السنّت کے راستے سے اسی قدر دور چلا جاتا ہے۔امام سهل بن عبد الله التستری علامات اہل السنّت میں دس باتیں بتائیں ہیں ان میں صحابہ کرام کے بارے میں سب وشتم نہ کرنیکا تذکرہ بھی کیا ہے

﴾......☆......﴿

﴾جماعت کی اتباع اور بدعات سے اجتناب﴿

امام صاحب سے نسخہ حسینیہ میں یوں منقول ہے:

اور کسی ایمان والے شخص کے لئے مناسب نہیں کہ اہل السنّت والجماعت کے راستے کی خلاف ورزی کرے کیونکہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

(۱): میری اُمت گمراہی کے راستے پر جمع نہیں ہوسکتی لہذا تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم سواد اعظم کے راستے کو اختیار کرو

(۲): اور جو شخص عام مسلمانوں سے اپنا راستہ جدا کرتا ہے وہ حقیقی معنوں میں گمراہ اور بدعتی ہے؛ کیونکہ جماعت کے ساتھ جڑے رہنے اور اسکی حفاظت کا حکم نبی علیہ السلام کی طرف سے دیا گیا ہے اور نبی علیہ السلام کی ایسی سنتوں کی حفاظت فرائض شرعیہ میں سے ہے اور دلیل اسکی اللہ تعالی کا قول ہے جس میں آپ ارشاد فرمایا:

﴿اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول﴾ (محمد:۳۲) (اطاعت کرو تم اللہ تعالی کی اور اس کے رسولؐ کی)

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی کی اطاعت اس کے فرائض کے پورا کرنے سے؛ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت آپکی مقرر کردہ سنتوں کی ادائیگی سے لازم ہے؛

اور دوسری مقام پر ارشاد ربانی ہے؛

﴿وما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنه فانتھوا﴾ (الحشر:۷) (جو بات رسول اللہ تعالی ﷺ سے تمہیں ملے اسکو لے لیا کرو اور جس بات سے وہ تمہیں منع کریں اس سے رک جاؤ)

(۴۵)

ابو مطیع:۔ میں نے پوچھا کہ مجھے اس طبقہ کے بارہ میں بتائیں جو تلواریں لے کر لوگوں کے خلاف بغاوت کرنے نکل کھڑے ہوتے ہیں

امام اعظم:

یہ لوگ خواہشات نفانی کے بندے اور اہل بدعت میں سے ہیں اور ان کی مختلف اقسام ہیں سب کے سب جہنمی ہیں؛

(حدیث چہاردہم)

امام ابوحنیفہ نے ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیں گے اور وہ سارے کے سارے جہنمی ہوں گے سوائے سواد اعظم کے اور وہ سواد اعظم ہی اہل السنّت والجماعت ہیں؛

(حدیث پانزدہم)

امام اعظم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اسلام میں نئی نویلی بات گھڑے گا وہ آخرت میں ہلاک ہوگا؛ اور جو نئی بدعت ایجاد کرے گا وہ گمراہ ہوگا جو گمراہ ہوا وہ جہنم میں جائے گا

(حدیث شانزدہم)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا بدترین کام دین میں نئی نیویلی بات پیدا کرنا ہے اور ہر نئی بات (جسکو دین یا جزو دین یا لوازم دین سمجھ کر کیا جائے) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے؛

....

نوٹ:۔

احداث لغت میں کسی بھی نئی بات کو کہا جاتا ہے جو اس وقت دین کا حصہ ہو یا آئندہ چل کر دین کا حصہ بن جائے یہ نہ بنے؛ احداث اور بدعت میں عموم خصوص ہے یعنی ہر بدعة احداث ہے مگر ہر احداث بدعة نہیں ہے؛ اچھی طرح سمجھ لو!

﴿......☆......﴾

﴿کتاب اللہ اور کلام اللہ تعالی کی حقیقت﴾

امام ابوحنیفہ نے احداث اور بدعت سے بچنے کا آسان نسخہ تجویز فرمایا اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے اپنی سند کے ساتھ بیان فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ: اے اللہ کے یا نبی اللہ ﷺ مجھے تعلیم دیجئے اور کچھ سکھایئے؟
جس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قرآن کی تعلیم حاصل کر؛
اس نے دوبارہ یہ ہی کہا آپ نے پھر یہی جواب دیا؛ حتی کہ تین بار یہ جواب دینے کے بعد حضور اکرمؐ نے فرمایا: قرآن کی تعلیم حاصل کر چوتھی بار جب اس نے کہا مجھے تعلیم دیجئے تو ارشاد فرمایا: حق بات کو قبول کر خواہ اس کو کہنے والا کوئی شخص بھی ہو؛ اور وہ حق بات یا حق کہنے والا شخص آپ کو محبوب ہو یا برا لگے؛ اور پھر فرمایا اور قرآن کی تعلیم حاصل کر اور قران کی تعلیم تجھے جدھر کو جھکائے ادھر جھک جا؛ اور جدھر کو نہ جھکائے ادھر نہ جھک؛

قرآن کا نزول اور اس کی حقیقت

امام اعظم سے نسخہ حسینیہ میں یوں منقول ہے کہ ہر شخص کو چاہے کہ وہ جان لے کہ جو کچھ مصحف میں لکھا جا چکا ہے وہی حقیقت میں قرآن ہے؛ اور جو شخص یہ گمان کرتا یا کہتا ہے کہ مصحف میں لکھا ہوا قرآن نہیں ہے وہ اصل میں نزول قرآن کا انکار کرتا ہے؛ کیونکہ:

(۱) اللہ تعالیٰ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿تبارك الذين نزّل الفرقان على عبده﴾ (الفرقان:۱) (وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان یعنی حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب نازل فرمائی ہے)

(۲) اور دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:۔

﴿انا انزلناه قرآناً عربياً﴾ (یوسف:۲) (ہم نے قرآن کریم کو عربی زبان مین نازل فرمایا ہے)

(۳) ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿انّانحن نزّلنا الذّكر وانّاله لحافظُون﴾ (الحجر:۹) (قرآن کریم کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)
لہذا جو شخص نزول کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے؛ مندرجہ ذیل تمام آیات کے انکار کی وجہ سے کیونکہ کتاب کا لفظ ان آیات میں قرآن ہی کے لئے استعمال کیا گیا ہے

(۴) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿آلٓم ذلك الكتاب لاريب فيه﴾ (البقرۃ:۱،۲) (الله اعلم بمراده بذلك یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے)

(۵) اور دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

﴿انا نحن نزلنا عليك القرآن تنزيلا﴾ (الدھر:۲۳) (ہم نے قرآن کریم کو نازل کرنے کے خاص طریقے سے نازل کیا ہے)

(۶) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ طٰهٰ ماانزلنا عليك القرآن لشقى﴾ (طہ:۱،۲) (طہ: ہم نے قرآن بدقسمتی کے لئے نازل نہیں فرمایا)

(۷) اور ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

﴿نَزَّل به الروح الامین﴾ (الشعراء:۱۹۳) (ہم نے روح الامین کوقرآن دے کر بھیجا ہے)

....

نوٹ: قرائت متواترہ میں امام شعبہ عن عاصم اورامام ابو عامر شامی، امام کسائی کوفی اور جزہ کوفی قرات اسی طرح ہے اور چونکہ امام اعظم قرات جو روایت شخصی کے علاوہ ہےنقل کرتے ہیں ورنہ عام قرآت جوامام حفص کی ہےاس کے مطابق ترجمہ ہوگا اللہ کی طرف سے روح الامین کےاس کا نزول فرمایا ہے؛

اگر کوئی شخص اس بات کا گمان کرے کہ جومصحف میں ہے وہ قران نہیں ہے وہ قرآن کے من جانب اللہ نازل ہونے کا انکار کررہا ہے؛ اور جو نزول قرآن کا انکار کرے وہ ان تمام آیات کا انکار کررہا ہے؛ کیونکہ لفظ کتاب اس پر بولا جاتا ہے وہی کتاب اللہ ہے؛ اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کوحکم فرمایا کہ قرآن کریم کو پڑھا کریں

(۸) کیونکہ قول باری ہے کہ:

﴿فاقرؤ ماتیسر من القرآن﴾ (المزمل:۲۰) (قرآن پڑھو جس قدر آسانی سے پڑھا جاسکے)

اگر کہا جائے کہ جومصحف میں لکھا ہوا ہے وہ قرآن نہیں ہے؛ تو سوال پیدا ہوگا کہ ہمیں کس چیز کے پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے؟

اور دوسری جگہ قرآن کریم کے استماع یعنی اس کی طرف دھیان رکھنے کا حکم دیا جارہا ہے

(۹) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿واذا قُرِئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا﴾ (الاعراف:۲۰٤) (جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو دھیان سے سنو اوراس کی طرف متوجہ رہو)

تو اگر یہ اللہ کی کتاب ہی نہیں تو حکم کس بات کا دیا جارہا ہے؟

کلام اللہ کی حقیقت اوراس کی اقسام

قرآن کا مفہوم معروف اور مشہور ہے، اور متن کا ترجمہ بھی ظاہر اور عیاں ہے،

اورامام صاحب فرماتے ہیں کہ: میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اپنے نبی ﷺ پر کلام نفسی کا نزول فرمائے اور کلام نفسی کا طریقہ مخلوق میں سے کسی کومعلوم نہیں بلکہ یہ تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا طریقہ کلام ہے؛ اور ہر صفت اپنے موصوف کی طرح حادث ہے اور مخلوقات کی جنس میں سے ہے؛ اسی طرح حروف اور واز کو پیدا کیا؛

اور جبریل امین انہی حروف اور آواز کو سنتے ہیں؛ جوکلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں اور پھر جبریل انہی الفاظ اور حروف کو لے کر نبی ﷺ کے پاس آتے اوران کو سناتے ہیں اور نبی علیہ السلام اس کو سنتے اور سمجھتے ہیں؛

اور کلام نفسی کی مثال ایسے ہے جیسے قالب انسانی میں روح کی مثال ہوتی ہے؛ اوراس جسم میں حیات اور شعور پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے؛ اور کلام نفسی آواز اور حروف میں ایسا مقام رکھتی ہے جیسے قالب اور جسم میں روح کی مثال ہوا اور حروف اور آواز اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے جبکہ کلام نفسی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے صفت ہے اوراس کی صفات کومخلوق نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ الفاظ اور حروف کے لئے بطور روح کا کام دیتے ہیں؛ اور یہ دونوں ہمارے سینے میں محفوظ ہیں ہماری زبانوں کے ذریعے پڑھے اور بولے جاتے ہیں اور ہمارے مصاحف میں لکھنے کا ذریعہ ہیں؛

....

نوٹ: آج کے دور میں بعض لوگوں نے یہ عقیدہ بنالیا ہے کہ جیسے ٹیلی فون ہوتا ہے اس کے ایک طرف ایک آدمی بولتا ہے اور دوسری طرف وہ سنتا ہے درمیان میں (Elctrecity) یا بجلی بطور فرشتہ کام کرتی ہے؛ یا اسی طرح کی فرضی باتیں کرتے ہیں ان کا اس طرح کہنا اپنی عقل کے مطابق ہے ورنہ شریعت میں اس کی کوئی

مثال یا ثبوت نہیں ملتا؛ کیونکہ فرشتہ اللہ کی وہ مخلوق ہے جو ازل سے جب سے اللہ تعالی نے پیدا کیئے ہوئے ہیں اور جب تک پیدا کئے رکھے گا وہ موجود رہیں گے اور اس کو دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ یہ ملائکہ اس وقت سے ہیں جب سے یہ نظام کائنات پیدا ہوا ہے؛ اور جب یہ نظام نہ تھا تو ان کا وجود بھی سرے سے نہ تھا؛ ان کو از خود نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ تمام اللہ تعالی کے اوامر کے تابع اور اسکی مخلوق ہیں جیسے ارشاد باری تعالی ہے:لا یعصون اللہ ماامرھم ویفعلون مایؤمرون؛ یعنی جو اللہ تعالی انکو حکم دیتے ہیں وہ اس کی فرمانبرداری کرنے اور اس کے حکم کی تعمیل میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں؛ اور یہ کہ اللہ کی غیبی کائنات اسی کے حکم کے مطابق اس کے آغاز تعمیر سے اختتام دنیا تک اس کے حکم بجالانے میں مصروف اور محو ہے؛ اللہ تعالی اگر اس قسم کی باتوں کو سمجھنے کے لئے بطور مثال ذکر کردیا جائے تو درست ہے مگر اس کو بطور عقیدہ اختیار کرنا سرے سے دہریت کی فکر اور دعوت ہے اس قسم کی سوچ کا دین اسلام سے قطعی طور پر کوئی تعلق نہیں ہے؛

......☆......

اور اسی طرح اللہ تعالی نے اپنے نبیؐ پر احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ولقدآتیناك سبعامن المثانی والقرآن العظم﴾ (الحجر:۸۷) (اور بے شک ہم نے آپکو سات آیات دوبارا اور قرآن عظیم بھی دیا)

اب اگر سورۃ فاتحہ کو قرآن نہ مانیں تو اللہ تعالی اس بات کو بطور احسان تذکرہ کررہے ہیں اس کا کوئی فائدۃ نہ ہوتا؛

اور دوسری بات یہ کہ حکم خداوندی ہے کہ مصحف کو بغیر طہارت کے نہ پکڑا جائے؛ جیسے ارشاد فرمایا کہ:

﴿لا یمسّہٗ الا المطھّرون﴾ (الواقعۃ:۷۹) (تم اللہ تعالی کی کتاب کو نہ چھوؤ مگر صرف پاک ہونے کی صورت میں)

اگر مصاحف میں لکھا ہوا قرآن نہ ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں پاکیزہ ہوکر چھونے اور ناپاک ہونے کی صورت میں چھونے سے منع کیوں کیا جارہا ہے؟

سوال: اگر کہا جائے کہ قرآن صرف اسی کا نام ہے جو اللہ تعالی نے فرمایا ہے

یا اللہ تعالی کا کلام صرف وہ ہے جو اللہ تعالی نے جبریلؑ کو سنایا ہے،

یا اللہ تعالی کا کلام صرف وہ ہے جو جبریلؑ امین نے حضرت محمّد الرّسُول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا ہے،

یا اللہ تعالی کا کلام صرف وہ ہے جو مصحف میں لکھا ہوا ہے،

یا اللہ تعالی کا کلام صرف وہ ہے جو پڑھنے کے دوران قاری کی زبان سے جاری ہوتا ہے،

یہ ساری باتیں ملاکر اس بات کی نشاندھی کرتی ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور اس طرح کا کلام اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور صفت اور موصوف ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہوتے ہیں؛ لہذا یا تو حادث ہیں اللہ تعالی (معاذ اللہ تعالی عن ذلک) یا ہمارے مصحف بھی قدیم ہیں

امام اعظم:

جواب میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی کا قول بلا حروف، بلا آواز، اور بلا ضرورتِ حروف ہجاء ہے؛

جبکہ جبریلؑ نے اس کو اللہ تعالی کی طرف سے حروف آواز اور ہجاء کے روپ میں سنا تھا

اور جبریل نے ہمارے نبی ﷺ تک اللہ تعالی کا حکم پورا کرتے ہوئے اسی طرح پڑھ کر پہچایا

اور حضور اکرمؐ نے صحابہ کرام کے لئے انہی شرائط اور آواز کے ساتھ پڑھ کر سنایا؛

پھر اس کے بعد صحابہ کرام نے اس کو سنا اور تمام نے اس کو زبانی یاد کرنے اور جمع کرنے پر اتفاق کیا اور ان میں سے کچھ وہ صحابہ کرام جنہوں نے یاد کیا جمع کیا ان کے نام عبداللہ بن مسعودؓ، عثمان بن عفانؓ ذوالنورین اور علی المرتضی رضی اللہ عنھم اجمعین وغیرہ ہیں ان سب نے

قرآن کو مصاحف میں لکھا اور یہ قرآن ان مختلف کیفیات اور حالات میں سے ہوتا ہوا جو نزول قرآن سے جمع قرآن تک وارد ہوئے ان تمام احوال کے مختلف ہونے کے ساتھ یہ قرآن مختلف نہیں ہوا بلکہ تمام حالات میں قرآن کریم ایک ہی رہا اور ہے۔

لہذا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور جو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا اور جو اللہ تعالی نے جبریل امین کو سنایا اور جو جبریلؑ نے سنا؛ اور جو جبریل نے قرآن کریم کی شکل میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف نازل فرمانے کے لئے لائے؛ اور نبی علیہ الصلوۃ الاسلام کے سننے اور جبریل کے سننے میں کوئی فرق نہیں ہے؛ اور نبی ﷺ کے لکھنے اور صحابہ کے جمع کرنے میں؛ اور ہمارے پڑھنے میں باوجود فرق ہونے کے قرآن اپنی اصل کے لحاظ سے ایک ہی ہے اس ساری کیفیات کے بدلنے کے باوجود اس قرآن میں کوئی فرق نہیں پڑا اور ان کیفیات کے بدل جانے سے حادث اور قدیم کا حکم اللہ تعالی کے الفاظ پر نہیں لگایا جا سکتا۔

سوال:۔ کیا یہ قرآن کریم اللہ تعالی کا قول ہے؟

جواب:۔ جی ہاں یہ اللہ تعالی کا قول ہے!

سوال:۔ اگر پوچھا جائے کہ یہ کب نازل ہوا تھا؟

جواب:۔ اس کا نزول (کب) کی حدود سے دور ہے!

سوال:۔ اگر پوچھا جائے کہ یہ کہاں نازل ہوا تھا؟

جواب:۔ اس کا نزول (کہاں) کی حدود و قیود سے وراء ہے!

سوال:۔ اگر پوچھا جائے یہ قرآن کریم اللہ تعالی کی طرف سے کیسے نازل ہوا تھا؟

جواب:۔ اس کا نزول کیفیاتِ کیفیہ سے بہت بلند ہے!

سوال:۔ اگر پوچھا جائے کہ یہ قرآن کتنے زمانے یا مدت یا حالات میں نازل ہوا ہے؟

جواب:۔ اس کا نزول ہر قسم کی کمیت سے بالا اور مدت سے کی امتداد سے وزا، اور حالات سے بے حال تھا!

سوال:۔ اگر پوچھا جائے کہ اس کا نزول آواز سے ہوا یا بلا آواز کے ہوا تھا؟

جواب:۔ تو جان لو اس کا نزول بلا آواز کے ہوا تھا، اور اگر کوئی شخص آواز وصوت کی حدود میں ان کو مقید کرتا ہے وہ بدعتی ہے اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنے سے پرہیز کرنا چاہئے اور اللہ تعالی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں؛

﴿......☆......﴾

﴿اللہ تعالی کی مشیت، رضاء اور اسکے امر کی حقیقت﴾

امام صاحب نے ارشاد فرمایا کہ مشیت اللہ تعالی کی صفت ہے جا چاہنے والا ہے اور ارادہ اللہ تعالی ی صفت ہے کیونکہ ہر کام کا مرید اور ہر چیز کا ارادہ کرنے والی اللہ تعالی کی ذات ہے اور امر اللہ تعالی کی صفت ہے جو حکم کرنے والی ذات ہے، اور علم اللہ تعالی کی صفت ہے جو عالم الملک والملکوت ذات ہے اور کلام اللہ تعالی کی صفت ہے جو متکلم کی صفت ازلی کے ساتھ متصف ہے؛

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

﴿فالھمھافجورھاوتقوٰھا﴾ (الشمس:۸) (اللہ تعالیٰ فسق وفجور، اور تقوی و پرہیز گاری کا بھی الہام فرماتے ہیں)

اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿انا قد فتنا قومك من بعدك واضلهم السامری﴾ (طہ:۸۵)(اے موسیٰ ہم نے آپ کے کوہ طور پر جانے کے بعد آپ کی قوم کو آزمایا مگر انکو سامری نے گمراہ کر دیا تھا؛

لہذا آزمائش میں ڈالنے والی ذات اللہ تعالی کی ذات ہے اور گمراہ بھی وہی کرتا ہے ہدایت بھی وہی دیتا ہے مگر برائی کی اللہ تعالی کی طرف ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے نسبت نہیں کر سکتے ؛

(۴۶)

ابومطیع: ۔کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی کسی چیز کی تخلیق کو ناپسند کرتے ہوں مگر اسکا حکم کرتے ہوں؟ یا کسی چیز پسند تو کرتے ہوں مگر اس کا حکم نہ فرماتے ہوں؟

امام اعظم: ہاں ایسا ہوسکتا ہے

(۴۷)

ابومطیع: ۔میں نے پوچھا وہ کیسے ہوسکتا ہے؟

امام اعظم:

اللہ تعالی اسلام کے اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں؛ مگر کافر کے لئے قبول اسلام پسند نہیں فرماتے اوراسی طرح کافر کے لئے کفر اختیار کرنا تو پسند فرماتے ہیں مگر اپنی تمام مخلوقات میں سے کسی کو کفر اختیار کرنے کا حکم صادر نہیں فرماتے ؛

(۴۸)

ابومطیع: ۔کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی کسی چیز سے راضی ہوں مگر اس کے اختیار کرنے کا حکم نہ دیں

امام صاحب: ۔ہاں ایسا ہوسکتا ہے جیسے عبادات نافلہ ہیں انکو اختیار کرنے کا اللہ تعالی نے حکم نہیں دیا اور اس کے عمل کرنے پر اللہ تعالی راضی ہوتے ہیں

(۴۹)

ابومطیع: ۔کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی کسی چیز کا حکم دیں مگر اس سے راضی نہ ہوں؟

امام اعظم:

ایسا ہرگز نہیں ہوتا

(۵۰)

ابومطیع: ۔آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

امام اعظم:

کیونکہ جس چیز کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے اس کے ساتھ اللہ راضی بھی ہوتے ہیں، اور جس چیز سے راضی ہوں اسی کے اختیار کرنے کا حکم بھی فرماتے ہیں؛

کیا تو دیکھتا نہیں؟ کہ اللہ تعالی ایمان سے راضی ہیں اور بندوں کو اسکے اختیار کرنے کا حکم دیا ہوا ہے؛ کیونکہ امر خداوندی اور اس کی رضاء، اصل میں یہ اللہ تعالی کی اطاعت اور فرمانبرداری کے دو مختلف پہلو ہیں ؛

(۵۱)

ابومطیع:۔کیا اللہ تعالی کی مشیت اس کی مرضی کے تابع ہے یا اس کی مرضی کے خلاف ہے؟

امام اعظم:

اللہ تعالی کی مشیت ہی اس کی مرضی ہے!

﴿......☆......﴾

﴿اللہ تعالی کے بندوں کو عذاب کی وجہ﴾

(۵۲)

ابومطیع:۔کیا اللہ تعالی بندوں کو عذاب (اور سزا) اپنی رضاء کی وجہ سے دیتے ہیں یا ناراضگی کی وجہ سے دیتے ہیں؟

امام اعظم:

اللہ تعالی بندوں کو عذاب اس بناء پر دیتے ہیں کہ بندہ جب اللہ تعالی کی ناراضگی والا کام کرے کیونکہ اللہ تعالی کافر کو اس کے کفر کی وجہ سے عذاب دیتے ہیں مگر اس سیکفریہ عمل سے راضی نہیں ہوتے؛اس طرح انسانوں سے ارتکاب گناہ اللہ تعالی کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے اور اللہ تعالی ان سے راضی نہیں ہوتے؛اسی بناء پر مرتکب معاصی کو عذاب دیتے ہیں

(۵۳)

ابومطیع:۔کیا اللہ تعالی بندوں کو عذاب ایسے کاموں کی وجہ سے دیتے ہیں جو انکی مشیت اور چاہت کے مطابق ہوں یا ایسے اعمال کی وجہ سے جو انکی مشیت اور چاہت کے مطابق نہ ہوں؟

امام اعظم:

اللہ تعالی ان کاموں پر عذاب دیتے ہیں جو انکی مشیت اور چاہت کے مطابق ہوتے ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالی کے عذاب کی وجہ کفر اور گناہ کے کاموں کا ارتکاب ہے؛اور کافر کے لئے کفر اور اسی طرح عاصی کی معصیت اللہ تعالی کی مشیت کے عین مطابق ہوتی ہے؛

(۵۴)

ابومطیع:۔کیا آپ یہ بات نہیں کہہ چکے کہ: معاصی اور کفریہ اعمال اللہ تعالی کی مشیت کی وجہ سے معرض وجود میں آتے ہیں؛اور اللہ تعالی کی مشیت اس کی رضاء کی وجہ سے ہوتی ہے؟

امام اعظم:

ہاں بات تو ایسے ہی ہے کہ: مشیت باری تعالی اس کا ارادہ اس کا فیصلہ، اور اس کے علاوہ تمام صفات اللہ تعالی کی مرضی کی وجہ سے معرض وجود میں آتی ہیں؛ہاں کبھی بندے سے صادر شدہ فعل اللہ تعالی کی مرضی اور مشیت دونوں کی موافقت کا تقاضا کرتا ہے جیسے اللہ تعالی کیلئے کئے جانے والے تمام نیکی اور فرمانبرداری والے کام؛

اور کبھی بندے سے صادر ہونے والے افعال اللہ تعالی کی مشیت کے ساتھ مگر اسکی مرضی کے خلاف صادر ہوتے ہیں جیسے انسان سے صادر ہونے والے گناہ اور برُے اعمال؛

....

نوٹ:

اسی کو آسان مثال سے یوں سمجھ لو کہ: اللہ تعالی نے کفار کو تو پیدا کیا ہے اور اس میں کسی کا کوئی شک اور اختلاف بھی نہیں اور اللہ تعالی کافر کے کفر سے راضی نہیں ہے اسی طرح شراب خنزیر اور انکے استعمال کرنے سے صادر ہونے والے تمام افعال پیدا تو اللہ تعالی نے کئے مگر ان سے راضی نہیں ہے وغیرہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو!

(۵۵)

ابو مطیع:۔اس سے تو یہ پتہ چلا کہ اللہ تعالی کا امر اور اسکی مشیت دو جداگانہ چیزیں ہیں؟

اگر بات ایسے ہی ہے تو یہ فرمائیں کہ اللہ تعالی کی مشیت اس کے حکم سے پہلے ہے؟ یا اللہ تعالی کا حکم اسکی مشیت سے پہلے ہے؟

امام اعظم:

اس کی مشیت اسکے حکم سے پہلے ہے؛

(۵٦)

ابو مطیع:۔تو کیا اللہ تعالی کی مشیت اس کی رضاء (مرضی کے عین مطابق) کی وجہ سے ہے یا نہیں؟

امام اعظم:

ہاں وہ اللہ تعالی کی رضاء کی وجہ سے ہے؛ اس جواب کے بعد مشیت باری تعالی کے درجات ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ؛

(۱) جو شخص اللہ تعالی کی مشیت کے مطابق عمل کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالی کی رضاء کے مطابق عمل کرتا ہے؛

(۲) جو شخص اللہ تعالی کی مشیت اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور اسکے حکم کی تعمیل میں عمل بجالاتا ہے وہ اللہ تعالی کے عدل وانصاف اور رضاء کے مطابق عمل بجالاتا ہے؛

(۳) اور جو شخص اللہ تعالی مشیت اس کے حکم کے بغیر عمل کرتا ہے، وہ اللہ کی رضاء پر عمل نہیں کرتا بلکہ وہ اللہ تعالی کی نافرمانی اور معصیت پر عمل کرتا ہے، اور اللہ تعالی کی معصیت میں اسکی رضاء شامل نہیں ہے

(۵۷)

ابو مطیع: (دوبارہ سوال کیا کہ)

کیا اللہ تعالی بندوں کو عذاب اپنی رضامندی والی باتوں پر دیں گے؛ یا ناراضگی والی باتوں پر دیں گے؟

امام اعظم:

اللہ تعالی بندوں اپنی ناراضگی والی باتوں عذاب پر دیں گے جیسے راہ معصیۃ اختیار کرنا وغیرہ؛ کیونکہ معصیت بندے کا فعل ہے اور مشیت اللہ تعالی کی صفتہے اور اللہ تعالی کی اس کی صفات کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں

(۵۸)

ابو مطیع:۔میں نے پوچھا کیا اللہ تعالی بندوں کو اس بناء پر عذاب دیتے ہیں کہ وہ اس سے راضی ہوتے ہیں یا اس بناء پر عذاب دیتے ہیں کہ وہ اس سے ناراض ہوتے؟

امام اعظم:

بلکہ اللہ تعالی بندوں کو ایسے کاموں پر عذاب دیتے ہیں جو کفریہ اور اللہ تعالی کی رضامندی کی بجائے ناراضگی والے کام ہوتے لیکن اللہ تعالی

اس بات پر تو راضی ہوتے ہیں کہ ان کو عذاب دیا جائے اور ان سے اطاعات وفرمانبرداری والے کام چھوڑنے کی وجہ سے انتقام لیا جائے اور ان سے معاصی کے ارتکاب کی وجہ سے مؤاخذہ کیا جائے؛

(۵۹)

ابو مطیع:۔کیا اللہ تعالی کس مؤمن کے لئے کفریہ اعمال کو اختیار کرنے کی چاہت کرتے ہیں یا نہیں؟

امام اعظم:

نہیں بلکہ اللہ تعالی کسی مؤمن کے لئے ایمان چاہتے ہیں، جیسے اللہ تعالی کافر کے لئے کفر چاہتے ہیں، اور جیسے زانی کے لئے زنا چاہتے ہیں ،اور جیسے چور کے لئے چوری کے عمل کو چاہتے ہیں، اور جیسے اہل علم کے لئے حصول علم، اور اصحاب خیر کیلئے خیر اور اچھائی کے اختیار کرنے کو چاہتے ہیں،

اور اللہ تعالی کفار کے لئے اس وقت سے کفر چاہتے ہیں کہ ابھی کفار کو پیدا بھی نہیں کیا گیا تھا، اور انکے لئے ابھی یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اس مخلوق میں سے ایک گروہ کافر اور دوسرا گروہ گمراہ لوگوں کا ہوگا؛

(۶۰)

ابو مطیع:۔میں نے کہا کہ: اللہ تعالی کفار کو عذاب دیتے ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالی نے انکو اپنی مرضی پوری کرنے کے لئے پیدا کیا ہے یا اس وجہ سے کہ انکا پیدا کرنا اس کی مرضی کے مطابق نہیں ہے؟

امام اعظم:

بلکہ اللہ تعالی ان کو عذاب دیتا ہے ایسی وجہ سے جسکے پیدا کرنا اسکی مرضی سے ہوا ہے؛

(۶۱)

ابو مطیع:۔آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

امام اعظم:

کیونکہ اللہ تعالی کفار کو عذاب اور عقاب تو کفر کی وجہ سے دیتے ہیں اور کفر اللہ تعالی کی مرضیات میں سے نہیں معرض وجود میں آتا؛ اگرچہ اللہ تعالی اس بات پر تو راضی ہیں کہ کافر کی تخلیق کریں اور خاص کفر سے وہ راضی نہیں اسی طرح معصیت اللہ تعالی کی رضامندی نہیں کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا

﴿ولا یرضی لعبادہ الکفروان تشکرو یرضہ لکم﴾(الزمر:۷)

اور اللہ تعالی اپنے بندوں کے کفر اختیار کرنے پر راضی نہیں ہوتے اور اگر تم اللہ تعالی کا شکر کروگے تو وہ تم سے راضی ہوجائے گا

﴿باب کفر اور معاصی اور انکی تخلیق اللہ تعالی کی مشیت کا کا بیان﴾

(۶۲)

ابو مطیع:۔کیا آپ نے یہ نہیں کہا کہ معاصی اور کفر اللہ تعالی کی مشیت کی وجہ سے معرض وجود میں آتے ہیں اور کیا اسکی مشیت اس کی رضامندی کا دوسرا نام نہیں ہے؟

امام اعظم:

ہاں ہم نے اس سے پہلے کہا ہے کہ:''مشیت باری تعالی، اس کا ارادہ، اس کا فیصلہ، اور اس کے علاوہ تمام صفات اللہ تعالی کی مرضی کی وجہ سے ہی معرض وجود میں آتے ہیں؛

ہاں کبھی بندے سے صادر شدہ فعل اللہ تعالی کی مرضی اور مشیت دونوں کا تقاضا کرتا ہے جیسے اللہ تعالی کے تمام نیکی اور فرمانبرداری والے کام؛

اور کبھی بندے سے صادر ہونے والے فعل صرف مشیت باری تعالی کے ساتھ مگر اللہ تعالی کی مرضی کے خلاف صادر ہوتے ہیں جیسے انسان سے صادر ہونے والے گناہ اور کفر اور تمام بُرے اعمال''

اس کو اعیان میں اعتبار کر کے بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے

کیونکہ اللہ تعالی نے خاص کافر کو پیدا کیا اور اس میں کوئی اختلاف والی بات نہیں ہے جیسے ابلیس کی تخلیق ہے؛ اب اللہ تعالی اسکی تخلیق پر تو راضی تھے مگر اللہ تعالی کفر یا تخلیق ابلیس یا اسکے فسق پر ہرگز راضی نہ تھے؛

اور اسی طرح شراب اور خنزیر کے پیدا کرنے پر اللہ تعالی راضی تو تھے مگر خاص انکو پیدا کرنے میں راضی نہ تھے اور اسی طرح کی صورت احوال اعیان سے آگے بڑھ انسانی افعال میں سمجھ لینی چاہئے؛

(۶۳)

ابو مطیع:۔ میں نے پوچھا کیوں آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

امام اعظم:

اللہ تعالی نے ابلیس کو پیدا کیا اور اس کے پیدا کرنے سے وہ راضی بھی تھا کہ اس لعین پیدا کرے؛ مگر اس کے نسق و فجور اور انسانوں کے اغواء کرنے کے عمل سے راضی نہیں تھا؛ اسی طرح شراب، خنزیر کو پیدا کرنے پر وہ راضی تو تھا مگر انکے برے اثرات کی وجہ سے اللہ تعالی خاص ان سے راضی نہیں تھا؛

(۶۴)

ابو مطیع:۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے اور ایسا کیوں ہے؟

امام اعظم:

اس لئے کہ اگر اللہ تعالی شراب سے راضی ہوتے تو انکو شراب پینے والے سے بھی راضی ہونا چاہئے تھا؛ کیونکہ وہ شخص شراب خوری اسی کی رضا سے کرتا ہے؛ لیکن اللہ تعالی شراب اور ابلیس سے انکے افعال اور نتیجہ کی وجہ سے راضی نہیں ہے لیکن محمد ﷺ سے بمع آپکے تمام اعمال کے راضی ہے؛

﴿مخلوقات کی تخلیق اللہ تعالی نے اپنی قدرت سے فطرت پر پیدا کی ہے﴾

امام اعظم نے بات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ابتدائے تخلیق کے لحاظ سے اللہ تعالی نے اپنی مخلوق کی تین قسمیں بتائی ہیں:

(۱) مطیعین:۔ اللہ تعالی نے تمام ملائکہ کو صرف اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے پیدا کیا ہے، اور انکو ہر قسم کی نافرمانی اور گناہ سے محفوظ پیدا کیا ہے؛ سوائے ہاروت اور ماروت کے ان کو باقی فرشتوں کی تخلیق کے اصل قاعدے مستثنی کیا کر کے پیدا کیا ہے؛

(۲) متمردین:۔ تمام شیاطین کو اللہ تعالی نے شر اور فساد کے لئے پیدا کیا ہے؛ سوائے ایک شیطان کے جو رسول اللہ ﷺ پر مسلط کیا گیا تھا جسکا نام ھام بن ھیم بن قیس بن ابلیس تھا؛ اس نے نبی ﷺ سے ملاقات کی تو آپؐ کے دست مبارک پر مسلمان ہوگیا تھا اور آپ

ﷺ نے اسکوسورۃالواقعہ،سورۃالمرسلات،سورۃالنباء، سورۃ التکویر، سورۃالکافرون، سورۃالاخلاص، اورالمعوذتین کی تعلیم دی تھی؛ یہ شیطان عام شیطانوں کی تخلیقی فطرت سے مستثنیٰ پیدا کیا گیا تھا؛

(۳) فطریین: انسانوں اورجنوں کواللہ تعالی نے انکی فطرت پر پیدا کیا؛

نوٹ: اوراللہ تعالی نے تمام انسانوں کو پیدافرماتے ہوئے کفراوراسلام سے سالم رکھااب جو چاہے اسلام قبول کرلے اور جو چاہے کفراختیار کرلے؛ پھران کومعصوم پیدانہیں فرمایا بلکہ گناہ کرنا انکی فطرت میں رکھ دیا؛ سوائے انبیاءاوررسولوں کے کیونکہ انبیاء کا طبقہ کبائر سے محفوظ کردیا گیا ہے وجہ اس کی یہ کہ اگرانکو گناہ سے محفوظ نہ کیا جاتا تواللہ تعالی کے پیغام پہچانے میں خلل واقع ہوجاتااوربعض جھوٹے لوگ دعوائے نبوت کرتے اورلوگوں کوگمراہ کرتے اسی لئے جھوٹا آدمی نبوت کی اہلیت سے محروم ہوجاتا ہے البتہ ان پاکیزہ ہستیوں کے لئے صغائراورمعمولی بھول چوک بشری تقاضوں کے پیش نظر جائز رکھی گئی ہے تاکہ عام انسان ان کو مافوق الفطرت ہستیاں نہ سمجھنا شروع کردی کیونکہ اس سے نبوت کا اصل مقصدفوت ہوجاتا؛

(۶۵)

ابومطیع:۔اس بارہ میں آپکی کیارائے ہے جو یہودی لوگ کہتے ہیں:

﴿یدالله مغلولة غلت ایدیهم﴾ (المائدة:٤٦) (اللہ تعالی کے ھاتھ بندھے ہوئے ہیں)

توکیااللہ تعالی ان کے اس قول پرراضی تھے یاانہوں نے اپنی مرضی سے یہ بات کہی ہے؛

امام اعظم:

نہیں اس بات کے کہنے میں اللہ تعالی کی مرضی شامل نہیں تھی اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

سوال:۔آپ ان سے پوچھیں کہ اگراللہ تعالی چاہےتو ساری مخلوق کوفرشتوں کی طرح اپنامطیع اورفرمان بردار بنا سکتے تھے یانہیں؟ اورکیا اس بات پراللہ تعالی اس بات پرقادر ہیں یانہیں؟

جواب:۔

(۱)اگروہ نہیں میں جواب دیتاہے؛ تواللہ تعالی کے بارے میں وہ بات کرتے ہیں جوخوداللہ تعالی نے اپنے بارے میں نہیں کی؛ کیونکہ اللہ تعالی کاقول ہے:

﴿وهوالقاهرفوق عباده﴾(الانعام:١٨)(وہ اللہ تعالی اپنے بندوں پرغالب رہنے والا ہے)

اوردوسرے مقام پرارشاد باری تعالی ہے کہ

﴿قل هوالقادرعلی ان یبعث علیکم عذابامن فوقکم﴾ (الانعام:٦٥)(اے نبیؐ آپ فرمادیجئے کہ: اللہ تعالی تعالی وہ ذات ہے جوقادر ہےاس بات پرکہ تم میں سے کسی پرعذب نازل فرمادے؛)

اوراس جواب کے ذریعے جوانہوں نے اوپردیاہے وہ لوگ اللہ تعالی پراپنی مطیع اورفرمانبردارمخلوق پیدانہ کرسکنے کاالزام لگارہے ہیں اور اس بات کادعوی کررہے ہیں کہ اللہ تعالی محتاج اورمجبور ہیں؛

(۲)اوراگروہ مندرجہ بالاسوال کاجواب ہاں میں دیں اورکہیں کہ ہاں اللہ تعالی سب مخلوقات کوفرشتوں کی طرح بنانے پرقادر ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے:۔

﴿قل فلله الحجة البالغةفلوشاء لهداکم اجمعین﴾ (الانعام:١٤٩)(اے نبیﷺ آپ فرمادیجئے کہ صحیح معنوں میں حجۃ تواللہ تعالی کے لئے ثابت ہےاگروہ چاہتاتوتم سب کوہدایت دےدیتا)

اور دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالی ہے:

﴿لوشاء لجعلکم امة واحدة ولکن لیبلوکم فی ما آتاکم﴾ (المائدۃ:٤٨) (اگر اللہ تعالی چاہتا تو تم سب کو ایک اُمت بنا دیتا لیکن اللہ تعالی نے جو ہدایت لوگوں کو دی ہے اس کی بناء پر اللہ تعالی تم سب کو آزماتے ہیں)

سوال:۔اور ان سے پوچھنا چاہئے کہ کیا اللہ تعالی ابلیس کو جبریلؑ کی طرح فرمانبردار اور مطیع بنانے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔اگر وہ جواب نہیں میں دیں اور کہیں کہ اللہ تعالی اس بات کی قدرت نہیں رکھتے؛ تو انہوں نے اپنی بات کا خود رد کر دیا ہے؛ اور اللہ تعالی کی قدرت کاملہ جیسی صفات کا انکار کر دیا؛

سوال:۔اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ: جو شخص زنا کرتا ہے، یا چوری کرتا ہے، یا کسی پاکباز شخصیت پر تہمت لگاتا ہے، تو کیا یہاں اس کا یہ عمل اللہ تعالی کی مشیت کی وجہ سے نہیں؟

جواب:۔ہاں یہ سب کچھ اللہ تعالی کی مشیت کی وجہ سے ہی ہوتا ہے؛

سوال:۔تو پھر اس پر سزا کے طور پر حد کیوں جاری کی جاتی ہے؟

جواب:۔اسکو کہا جائے گا کہ اس پر حد تو اللہ تعالی کا حکم اور اور اس کے امر کی تکمیل کے لئے جاری کی جاتی ہے کیونکہ مجرم پر حد جاری کرنے کا حکم اللہ تعالی نے دیا ہے، لہذا اس کے حکم کی تعمیل اس کی مشیت کی تکمیل کے لئے کی جائے گی کیونکہ اگر غلام کا چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جائے تو یہ کام دو وجوہ کی بناء ہوگا:

(ایک) تو اس لئے تاکہ اللہ تعالی کی مشیت پوری ہو؛

(دوسرا) اس لئے تاکہ لوگوں کے حقوق کی اچھی طرح حفاظت ہو سکے؛

اب اگر لوگ مجرم کے جرم کو معاف کر دیں اور اس کو آزاد کر دیں تو انکا معاف کرنا بھی قابل تعریف ہوگا؛

اور یہ دونوں کام یعنی چور کا چوری کرنا اور اس جرم میں بطور سزاء اس کا ہاتھ کاٹا جانا دونوں کام اللہ تعالی کی مشیت کی سے ہیں؛ یعنی گناہگار سے اس کا گناہ اللہ تعالی کی مشیت کی وجہ سے ہوا، اور اس جرم پر حد جاری ہونا بھی اللہ تعالی کی مشیت پوری کرنے کے لئے لگائی گئی اگرچہ ایک کام میں اللہ تعالی کی رضا شامل ہے اور دوسرے کام میں رضا شامل نہیں ہے؛ لہذا تمام ایسے کام جن میں احکام شرعیہ کی مخالفت کی گئی ہے وہ اللہ تعالی کی مشیت کے عین مطابق ہونے کے باوجود اسکی رضامندی کی بجائے ناراضگی کا ذریعہ ہیں؛ اور ایسا شخص اپنے اس قسم کے افعال میں راہ عدل کی بجائے راہ ظلم اختیار کئے ہوئے ہے؛

اگر تو یہ بات واضح ہوگئی ہے تو اب یہ سوال کرنا کہ "مجرم پر حد کیوں جاری کی جاتی ہے؟" یہ سوال فاسد اور بے معنی ہو گیا ہے؛ کیونکہ یہ سوال کرنے والے لوگ اللہ تعالی کے بہت سارے گناہ کے کاموں میں اسکی مشیت ثابت نہیں کرتے؛ بلکہ انکے نزدیک بہت سارے کام اللہ تعالی کی مشیت کے بغیر ہی صادر ہو جاتے ہیں لہذا انکے نزدیک ایسے کام جو اللہ تعالی کی مشیت کے بغیر صادر ہوں ان پر حد جاری نہیں ہونی چاہئے؛ مثلاً اگر کوئی شخص شراب خوری کرتا ہے یا اس کے جتنے معاصی ہیں وہ سارے اللہ تعالی کی مشیت کی وجہ سے ہیں ان پر حد بھی جاری نہ ہونی جبکہ امام صاحب نے یہاں مسئلہ واضح کر دیا کہ اللہ تعالی کی رضاء سے کیا گیا عمل اسکی خوشنودی کا باعث ہے؛ جبکہ اسکی مشیت سے کیا گیا کوئی بھی عمل ضروری نہیں کہ اس کی خشنودی کا باعث ہو؛

﴾ایمان اور گناہ کا تعلق اور مؤمنین کی تکفیر﴿

امام صاحب سے نسخہ حسینیہ میں منقول ہے:

فرمایا اور جان لو: کہ کسی مؤمن کو گناہ کی وجہ سے نہ تو کافر کہا جائے گا اور نہ ہی اس کو ایمان سے خارج جان کر اس کے بارے میں کفر کا فتوی دیا جائے گا؛ اس مسئلہ کو ایسے سمجھو جیسے نیکیاں کرنے والا شخص اپنی نیکیوں کے زور پر دائرۂ کفر سے نکل کر احاطۂ ایمان میں داخل نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ وہ لوازمات ایمان نہ پورے کر لے؛ اسی طرح کوئی مؤمن چاہے جتنے بھی گناہ کرتا رہے وہ اس وقت تک دائرۂ کفر میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک دائرۂ کفر میں داخل ہونے کا باقاعدہ اقرار نہ کرلے؛

(۱) اور اسکی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے

﴿یاایھاالذین آمنواتوبواالی اللہ توبۃً نصوحا﴾(التحریم:۸)(اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو اللہ تعالی کی بارگاہ میں پکی سچی توبہ کرو)

اب اس آیت میں ایمان والوں کے ایماندار ہونے کا اقرار بھی ہے اور ان کو اللہ تعالی کی بارگاہ میں توبہ کا حکم بھی ہے اگر چہ ان سے زنا شراب خوری وغیرہ جیسے ہر قسم کے گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہے؛

(۲) اسی طرح قصۂ آدم علیہ السلام میں آدم علیہ السلام کو درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا اور جب غلطی سے آدمؑ نیا سی درخت ممنوعہ کا پھل کھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کا تذکرہ ان الفاظ سے فرمایا:

﴿وعصٰی آدم ربہٗ فغوی﴾ (طہ:۱۲۱) (آدمؑ نے اپنے رب تعالی کی نافرمانی کی؛ اس مقام پر آدم وعلی نبینا علیہ السلام والثناء کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا: وکفر آدم؛ یعنی آدمؑ نے اپنے پروردگار کا کفر کیا؛

(۳) اور اسی طرح ہاروت اور ماروت نے جب شراب پی؛ اور زنا کا ارادہ کیا؛ تو اللہ کی طرف سے انہوں نے دنیاوی عذاب کو آخرت کے عذاب پر ترجیح دی؛ اور انکے اس عمل پر کفر کا فیصلہ نہیں دیا گیا؛ اور نہ ہی انہیں کافر کہا گیا ہے اسی طرح جو شخص گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہے اس کی تکفیر نہ کی جائے گی؛

(۴) اور اسی طرح ایک روایت رسول اللہ ﷺ سے ان الفاظ میں مروی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا میں ہدایت یافتہ ہونے کی سات نشانیاں ہیں: اور یہی اہل السنّت والجماعت کی علامات ہیں اگر کوئی شخص ان میں سے جتنی باتوں کے خلاف عمل کرتا یا عقیدۃ رکھتا ہے وہ اتنا ہی اہل السنّت والجماعت کے راستے دور ہے اور وہ سات باتیں مندرجہ ذیل ہیں؛

(۱) اہل قبلہ (یعنی جو حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین پر بلا کسی شرط وقید ایمان لاتا ہے) کے بارے میں کفر، شرک، یا منافقت، کا فتوی یا گواہی نہیں دیتے؛

(۲) لوگوں کی دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو کریدنے کی بجائے ان کا معاملہ اور فیصلہ اللہ تعالی کے سپرد کر دیتے ہیں؛

(۳) اہل قبلہ میں سے اگر کوئی مرجائے اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوتے ہیں؛

(۴) پانچ نمازیں اور جمعہ، ہر نیک و بد امام کی اقتداء میں با جماعت ادا کرتے ہیں؛

(۵) ہر دشمن اسلام کے خلاف جہاد کرنے کے لئے ہر نیکو بد خلیفہ اور امیر کی اطاعت کرتے ہیں؛

(۶) مسلمانوں کے کسی امام اور مقتداء کے خلاف مسلح بغاوت نہیں کرتے؛ اگر چہ وہ ظلم وستم کا بازار گرم رکھے، البتہ اسکے لئے اصلاح اور برے راہ سے عافیت کی اللہ تعالی سے دعا کرتے رہتے ہیں، اسکی تباہی اور ہلاکت کی بد دعا نہیں کرتے؛

(۷) تمام خواہشات نفسانی کو چھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لئے کہ خواہشات نفسانی اول سے آخر تک باطل پر مبنی ہیں؛

(۲۶)

ابومطیع:۔ میں نے کہا جو شخص گناہ گار کو اسکے گناہ کی وجہ سے کافر کہے اسکا جواب کیا ہوگا؟

امام اعظم:

اس کو جواب میں یوں کہا جائے کہ:

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

﴿وذالنون اذذهب مغاضبافظنّ ان لن نّقدرعليه فنادٰى فى الظّلمات ان لااله الاانت سُبحانك انّى كُنتُ من الظّالمين﴾(الانبیاء:۸۷)(کہ مچھلی والا (یونسؑ) جب غصہ کی وجہ سے بستی چھوڑ کر چلے گئے شائد وہ یہ خیال کرتے ہوں کہ ہم اس کے پیش آمدہ حالات پر قدرت نہیں رکھتے، پھر وہ ہماری قدرتوں کے آشکارہ ہونے پر اندھیروں میں پکارنے لگے کہ: اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے؛ میں تو ہمیشہ سے ہی ظالموں میں سے رہا ہوں)

ان آیات میں یونسؑ کا وہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے؛ جو اللہ تعالی کی مرضی کے بغیر اس بستی کو چھوڑ کر چلے گئے تھے جس میں آپؑ کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا؛ ابھی راستے میں کشتی پر سوار تھے کہ طوفان آ گیا لوگوں نے کہا ہم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہے؛ معلوم نہ ہونے پر قرعہ کے ذریعے معلوم کیا گیا جو اس دور کی شریعت میں جائز تھا، اور ہر مرتبہ قرعہ میں یونسؑ کا نام نکلا؛ جس پر انہوں نے لوگوں کے کہنے پر اپنی مرضی سمندر میں چھلانگ لگا دی؛ اللہ تعالی نے ایک خاص مچھلی کو حکم دیا اس نے آپؑ کو نگل لیا؛ اب یونسؑ ہر طرف جب اندھیرے میں گھرے ہوئے تھے تو اس اندھیرے میں جو مچھلی کے پیٹ، اور سمندر کی تہہ، اور کالی رات میں تھا، تو یونسؑ کو اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ دعاء پڑھی؛ قرآن کریم کی آیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یونسؑ کے اس عمل پر ان کو ظالم مؤمن کہا گیا ہے کافر یا منافق نہیں کہا گیا ہے؛

(۲) اور اسی طرح یوسف علیہ اسلام کے بھائیوں نے:

﴿قالوا ياابانااستغفر لناذنوبنااناكناخاطئين﴾ (یوسف:۹۷)(کہا انہوں نے اے ہمارے باپ! ہمارے لئے اللہ تعالی سے استغفار کر کہ ہمارے گناہ اور خطائیں معاف ہوں) یہاں بھایوں کے برے عمل کی وجہ سے انکو گناہ گار کہا گیا ہے کافر نہیں کہا گیا ہے؛

(۳) اسی طرح حضرت رسول کریمؐ کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

﴿ليغفر لك الله ماتقدم من ذنبك وماتأخر﴾(فتح:۲)(تا کہ اللہ تعالیٰ آپکے آئندہ اور گذشتہ گناہ معاف فرمادے)

گناہ معاف کئے جانے کا کہا گیا ہے کفر میں مبتلاء ہونے یا کفر کی معافی دئے جانے کا نہیں کہا گیا؛

نوٹ: اسی طرح اللہ تعالی نے حکم دیا:

﴿استغفرلذنبك وللمؤمنين والمؤمنات﴾(محمد:)(اے نبیﷺ اپنے اور تمام مؤمن مردوں اور عورتوں سے گناہوں کے لئے اللہ تعالی سے توبہ کیجئے)

اس میں اپنے کفر یا کافروں کے لئے توبہ کرنے کا نہیں کہا گیا؛

(۴) اسی طرح جب موسیٰؑ نے ایک بنی اسرائیلی کو قتل کیا تو ان کو اس قتل کی وجہ سے گناہ گار کہا گیا نہ کہ کافر؛ لہذا ارتکاب گناہ سے خطا کار یا غلطی کا مرتکب قرار دیا جا سکتا ہے؛ نہ کہ اس بارے میں کفر کا فیصلہ صادر کیا جائے گا؛

﴿......☆......﴾

﴿ایمان میں شک کی حقیقت اور اسکا حکم

ابو مطیع: جب کوئی شخص کہے ان شاء الله میں مؤمن ہوں ؛ تو اس کو جواب میں کیا کہا جائے گا ؟

امام اعظم: نے فرمایا کہ اسکو جواب میں کہا جائے گا

(۱) اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ان الله وملئکته یصلون علی النبی ،یاایها الذین آمنوا صلّوا علیه وسلموا تسلیما﴾ (الاحزاب:٥٦) (واقعی اللہ تعالی نبی ﷺ پر رحمت نازل فرماتے ہیں اور اللہ تعالی کے فرشتے نبی ﷺ کے لئے کثرت سے دعا کرتے ہیں ؛ اے ایمان والو! تم بھی کثرت سے نبی ﷺ پر درود (نزول رحمت باری تعالی) کی دعا کیا کرو)

اب اگر تم مؤمن ہو تو نبی ﷺ پر درود پڑھو اور اگر مؤمن نہیں تو نہ پڑھو؛

(۲) اور اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿یاایها الذین امنوا اذا نودی للصّلوة من یّوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله﴾ (الجمعة:۹) (اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف پوری کوشش سے دوڑ پڑو)

اب اگر آپ ایمان والے ہو تو نماز جمعہ کا حکم تم پر لاگو ہوگا اگر ایمان والے نہیں تو بات ہی ختم ہو جاتی ہے ؛

اور اسکی دلیل یہ بھی ہے کہ :۔

(حدیث هشدهم)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص اللہ کے بارہ میں شک کرتا ہے اس کا یوں شک کرنا اس کی تمام نیکیوں کو زائل اور باطل کرنے کا باعث بن جاتا ہے ؛ اور جو شخص ایمان لے آتا ہے اور گناہوں سے علیحدگی اختیار کر لیتا ہے ؛ اب اس کے لئے مغفرت کی امید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا اور عذاب کا خوف بھی ہے ؛ یعنی اللہ چاہے تو اس کو معاف کر دے اور چاہے تو اس کے گناہوں کی وجہ سے اسکو سزا دے ؛

سوال :۔ سائل نے حضرت معاذؓ سے وضاحت چاہتے ہوئے کہا کہ اسکا مطلب یہ ہوا کہ جیسے شک کی سے ایمان اور تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں اسی طرح ایمان لانے کی وجہ سے بندے کے تمام گناہ زائل ہو جاتے ہیں؟

جواب :۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دینے کے انداز میں توثیق کرتے ہوئے کہا: قسم بخدا! میں نے اس آدمی سے زیادہ سمجھ دار آدمی نہیں دیکھا ؛

﴿یہ بات کہنا کہ میں نہیں جانتا میں مسلمان ہوں یا نہیں﴾

(٦٨)

ابو مطیع :۔ اگر کسی شخص سے پوچھا جائے کہ : تو مؤمن ہے یا نہیں؟ اور وہ جواب دے کہ میں نہیں جانتا ؛

امام اعظم نے ایسے شخص کے بارے میں سوال و جواب کے ذریعے بات اچھی طرح واضح کر کے سمجھائی ہے ؛ اور فرمایا کہ :

سوال :۔ اس سے پوچھا جائے کہ تیرا یہ کہنا ''میں نہیں جانتا'' عدل کی وجہ سے ہے ، یا ظلم کی وجہ سے ، یعنی تم یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ : اللہ تعالی عدل وانصاف کرتے ہیں اور کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتے یا اس کے علاوہ کسی اور بناء پر تم نے یہ کہا ہے؟

جواب :۔ اگر وہ کہے کہ اللہ تعالی کے عدل کے قائل ہونے کی وجہ سے یہ بات کہی ہے ؛

سوال :۔ تو اس سے پوچھو کہ : جو دنیا میں اللہ تعالی کا طریقۂ عدل ہے؟ کیا آخرت میں بھی وہی طریقۂ عدل ہے یا وہاں کوئی اور طریقہ ہے؟

جواب:۔اگر وہ ہاں میں جواب دے اور کہے کہ اللہ تعالی کا طریقۂ عدل وانصاف دنیاء وآخرت میں یکساں ہے

سوال:۔تو اس سے پوچھو کہ:تم (۱) عذاب قبر؛ (۲) منکر نکیر اور (۳) ہر اچھی اور بری تقدیر کے اللہ تعالی کی طرف سے ہونے پر ایمان رکھتے ہو یا نہیں؟

جواب:۔

(۱) اگر وہ جواب دے کہ: ہاں میں ان سب باتوں کے اللہ تعالی کی طرف سے ہونے پر ایمان رکھتا ہوں؛

امام اعظم: نے فرمایا: اس کو مؤمن کہیں گے؛

(۲) اور اگر وہ جواب میں پھر یہی کہے کہ: ''میں نہیں جانتا''

امام اعظم: نے فرمایا کہ تو اس کو جواب میں یوں کہو کہ: نہ تم جانتے ہو، نہ سمجھتے ہو، اور اسی وجہ سے اللہ تعالی کے ہاں دنیا وآخرت میں تمہاری کامیابی بھی ممکن نہیں ہے؛

﴿......☆......﴾

﴿جنت اور دوزخ کے بارے میں﴾

(۶۹)

ابو مطیع:۔ جو شخص یہ کہے کہ جنت اور دوزخ اللہ تعالی کی پیدہ شدہ مخلوق نہیں بلکہ دائمی اور خود بخود سے ہیں کسی خالق کی تخلیق نہیں ہیں؛ یا قیامت کے دن انکو پیدا کیا جائے گا؛

امام اعظم:

اس سے پوچھو کہ: جنت اور جہنم تمہارے نزدیک شیء کی تعریف میں آتی ہیں یا نہیں؟ اگر وہ کہے کہ ہاں شیء کی تعریف میں آتی ہیں؛

تو اسکو بتادو کہ: (۱) اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿الله خالقُ كل شيءٍ﴾ (الزمر:٦٢) (اللہ تعالی ہر شےء کے خالق ہیں)

اور (۲) اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿انّا كل شيءٍ خلقناه بقدر﴾ (القمر:٤٩) (ہم نے ہر شیء کو ایک (menue) تقدیر کے ساتھ تخلیق کیا ہے)

اور اس کے علاوہ آگ کی پہلے سے تخلیق شدہ ہونے کی وجہ سے (۳) ارشاد ربانی ہے:

﴿ألنّار يُعرضُون عليهاغُدوّا وعشيا﴾ (الغافر:٤٦) (اللہ تعالی کی طرف سے بطور عذاب، صبح وشام آل فرعون پر آگ پیش کی جاتی ہے)

....

نوٹ: اب جو چیز وقت کی حدود میں محدود ہو جائے وہ مخلوق ہی ہوسکتی ہے؛ اور اس کا خالق بھی کوئی نہ کوئی ماننا پڑے گا؛ وہ حدود خواہ ایک طرف ہوں جسے انسان، جنت، دوزخ، ملائکہ، حور، وغلمان کیونکہ: ان کی زندگی کی ابتداء ہے مگر انتہاء نہیں ہے؛

اور دوسری طرف وہ مخلوقات ہیں کہ ان کی ابتداء بھی ہے اور اس کی انتہاء بھی ہے جیسے حیوانات اور دنیا کی تمام دوسری مخلوقات کیونکہ انکی دونوں اطراف میں فناء کی چادر تنی ہوئی ہے؛ جبکہ انسان جنت دوزخ ملائکہ وغیرہ پر ایک طرف عدم ہے دوسری طرف دوام ہے؛ جیسے ارشاد ربانی ہے: هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئاً مذكورا یعنی کیا انسان پر ایک ایسا وقت نہیں آیا جس میں وہ اس قابل نہ کہ اس کا تذکرہ بھی کیا جائے؛ یہ ہی اس کا عدم ہے؛ پھر اس کو وجود ملا؛ تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ: اناخلقنا الانسان من نطفةٍ امشاجٍ نبتليه فجعلناه سميعابصيراً؛ یعنی ہم نے انسان کہ نطفہ کی آمیزش اور ٹپک سے بنایا

اور پھراس کوسمیع وبصیر کے درجہ تک جا پہنچایا؛اس کے سمیع اور بصیر بنائے جانے کی صفت بتا رہی ہے کہ اب اس پر آئندہ کوعدم نہیں آئے گا بلکہ انکو جوایک نوع کی زندگی دے دی گئی ہے اب اسکا ایک سلسلہ ہے جوعلی الدوام یونہی چلتا رہے گا البتہ اس کی کیفیت میں تبدیلی آتی رہے گی ؛

خلاصہ کلام: یہ کہ اللہ تعالی کی تمام مخلوقات کسی نہ کسی طرف میں محدود ہونے کی وجہ سے اس کی مخلوقات کے زمرے میں شامل ہوجاتی ہیں دوام اور ہیشگی کسی پر بھی نہیں ہے؛

(٦٩)

ابومطیع:۔

سوال: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جنت اور جہنم فنا ہو جائیں گی ؛

جواب: تو اس سے کہو کہ: اللہ تعالی نے اپنی آخرت کی نعمتوں کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿لامقطوعۃ وّلا ممنوعۃٌ﴾(الواقعۃ:٣٣) (وہ نعمتیں جو اللہ تعالی کی طرف سے ملیں گی وہ نہ تو (مقطوع) ختم ہونگی اور نہ ہی ان کے ملنے کے بعد ان کے حصول میں کوئی چیز مانع ہوگی)

سوال:۔اور اگر کوئی کہے کہ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل ہونے کے بعد جنت اور دوزخ فنا ہو جائیں گی ؛

جواب:۔وہ شخص اپنے اس قول کی بنا پر اللہ تعالی سے کفر کر رہا ہے؛ کیونکہ وہ شخص اللہ تعالی کی نعمتوں اور اسکے عذاب کے دائمی ہونے کا انکار کر رہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جنتی لوگوں کے جنت اور جہنمی لوگوں کے جہنمی ہونے پر (خالدین) اسکے دائمی ہونے کی قید لگائی ہے اور یہ شخص جنت اور جہنم کے خلود اور اسکی ہیشگی کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ تعالی سے کفر کر رہا ہے؛

﴿......☆......﴾

﴿علم کلام کا فائدہ اور اس کی تعلیم کی حد﴾

(٧٠)

ابومطیع:۔فرماتے ہیں کہ مجھے امام اعظم نے فرمایا کہ:

علم کلام کا مقصد یہ ہے کہ جس سے بات کی جائے اسکو صحیح رہنمائی مہیا کی جائے ؛اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ مخاطب کو لاجواب کر کے ؛اور اسی کو کامیابی سمجھ لیا جائے ؛

کیونکہ کسی کو لاجواب کرنا تو معجزۃ ہوتا ہے اور معجزہ اللہ تعالی کی طرف سے صرف انبیاء کو دیا جاتا ہے یہ غیر انبیاء کو نہیں دیا جاتا اور نہ ہی غیر انبیاء کو یہ بات زیبا ہے ایسا طریقہ کلام اختیار کریں جس سے انکی کلام میں انبیاء والا طریق بن جائے ؛

اور جبکہ ہمارے نزدیک جنت اور جہنم موجود ہیں اب اس کے بارے میں کسی کو لاجواب کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے؛ اور اہم بات یہ ہے کہ اسکو اللہ تعالی پر ایمان لانے کی دعوت دی جائے تو باقی ساری باتیں وہ خود بخود مان جائے گا

﴿تذکرۂ روز قیامت﴾

اور اسی بناء پر ہم روز قیامت کو (شیء) نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہمارے نزدیک تا حال وہ موجود نہیں ہے اور نہ ہی اسکو تخلیق کیا جاچکا ہے جبکہ معتزلہ لوگ کہتے ہیں کہ روز قیامت تخلیق کیا جاچکا ہے اگرچہ زندہ لوگوں پر وہ ظاہر نہیں ہوتا البتہ جب کسی زندہ شخص پر موت واقع ہوتی ہے تو اس کے لئے قیامت ظاہر ہو جاتی ہے؛ اور انکی دلیل اس بارے میں یہ ہے من مات فقد قامت قیامتہ ؛ یعنی جو شخص مرگیا اس کی قیامت واقع ہوگئی ؛ جبکہ ہم یہ کہتے ہیں جس چیز کا اثر زندہ اشخاص پر نہ ہو اس کا موجود ہونے کا اقرار بے معنی چیز ہے ؛

اورہم یوں کہیں گے کہ:اس کے لئے سعادت یاشقاوت کا حال تو قبر میں ظاہر ہوگا ہے کہ جب اسپر قبر کو تنگ یا کشادہ کر دیا جائیگا مگر اس کا پورا بدلہ ملنے کا وقت ابھی نہیں آیا

دوسری بات یہ کہ جب اسکی قبر کو اس کے لئے جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا بنا دیا جائے؛ یا انسان کی روح ایمان یا کفر کے عالم میں نکالی جائے اس سے بھی اس کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جنتی ہے یا جہنمی ہے؛

اور معتزلہ فرقہ کے لوگوں کو جواب کے طور پر ہم یوں کہیں گے جن معنوں میں تم قیامت کے قیام کو لیتے ہو وہ تو آسمانوں اور زمینوں میں بکھری ہوئی ہے کسی ایک جگہ محدود نہیں ہے؛ اگر موجود ہوتی تو کسی نہ کسی جگہ اس کی موجودگی کا پتہ تو چلتا مگر ایسا ہرگز نہیں ہے لہذا یہ کہنا کہ قیامت موجود ہے درست نہیں ہے؛

﴾......☆......﴿

﴾اللہ تعالیٰ تعالیٰ کی ذات وصفات﴿

امام اعظم :۔

اللہ تعالیٰ کو ہرگز ہرگز مخلوق کی صفات کے ساتھ متصف نہیں کیا جا سکتا؛ اور اللہ تعالیٰ غصہ ہوتے ہیں؛ راضی ہوتے ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ کا غضب اس کی طرف سے سزا، اور ان کا راضی ہونا ان کی طرف سے اجر وثواب کا باعث ہوتا ہے؛

اور ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ بذات خود اپنی صفات کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ:

﴾قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴿ (الاخلاص) (اے نبی ﷺ آپ فرما دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اکیلے ہیں، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ ہی وہ کسی کی اولاد میں سے ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر نہیں ہے؛ وہ زندہ ہیں، وہ قدرت والے ہیں، وہ سننے والے ہیں، وہ ارادہ کرنے والے، دیکھنے والے ہیں، اور وہ جاننے والے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کے اعضاء ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے؛

﴾يدالله تعالى فوق ايديهم﴿ (الفتح:۱۰) (اس کا ہاتھ سب کے ہاتھ کے اوپر ہے)

لیکن اس کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھ کی طرح نہیں ہے؛ اور نہ ہی ایسا ہاتھ ہے جو من جملہ دیگر اعضاء میں سے ہو؛ بلکہ اللہ تعالیٰ وہ کامل اور مکمل ذات ہیں جو ہاتھوں اور چہروں کو پیدا کرنے والے ہیں لیکن اس کا چہرہ مخلوقات کے چہرے کی طرح نہیں ہے؛ بلکہ وہ ذات چہروں کو پیدا کرنے والی ہے؛

اور وہ ذات ایسی ہے جس پر نفس کا اطلاق کیا جا سکتا ہے مگر اس کا نفس مخلوقات کے نفس کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ تمام نفسوں کو پیدا کرنے والے ہیں؛ اور ایسی ذات ہیں کی خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴾ليس كمثله شيء وهو السميع البصير﴿ (الشوریٰ:۱۱) (اس کی مانند ذات اور صفات کے لحاظ سے کوئی ذات نہیں ہے اور اصل میں سننے اور جاننے والی وہی ذات ہے)

امام اعظم :

نے سمجھانے کے انداز میں ارشاد فرماتے ہیں:

سوال:۔ کیا تو نے کبھی سوچا ہے کہ اگر کوئی شخص تجھ سے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی تخلیق سے پہلے کہاں تھے تو اس کا جواب کیا ہے؟

جواب:۔اللہ تعالیٰ اس سے پہلے کہ مخلوقات کی تخلیق کرے اور ان کو بنائے اس وقت بھی اللہ تعالی وہی تھے؛ اور ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالی اس وقت بھی تھے جبکہ زمین کا نام ونشان بھی نہ تھا؛ اور کسی دوسری مخلوق کا نام ونشان بھی نہ تھا، اور ایک وقت تھا جب کل کائنات میں ذات باری کے علاوہ کسی اور ہستی کا وجود نہ تھا؛ اور وہی ذات ہے ہر چیز کی خالق اور مالک ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے؛

﴿وھو خالق کل شیء﴾(الانعام:۱۰۲) (وہ ذات ہیں جو ہر چیز کی خالق والے ہے؛

سوال:۔اگر کوئی پوچھے کہ کیا چاہنے والے نے اپنی مشیت کے ساتھ چاہا تھا یا بلا مشیت کے چاہا تھا؟

جواب:۔آپ جواب میں یوں کہو کہ اللہ تعالی نے اپنی صفت کے ساتھ چاہا تھا؛ اور اللہ تعالی قادر ہے اور اپنی ہی قدرت کے ساتھ ہر چیز پر قادر ہے؛ اور اللہ تعالی عالم ہے اور وہ اپنے ہی علم کے ساتھ عالم ہے؛ اور اللہ تعالی تعالی مالک ہیں اور اپنی ہی ملکیت کے ساتھ مالک ہیں؛

سوال:۔اور اگر پوچھا جائے کہ: کیا اللہ تعالی نے اپنی مشیت کے ساتھ چاہا، اور مشیت کے ساتھ ہی قدرت کا اظہار کیا، اور کیا اس کی چاہت اس کے علم کے تابع ہے یا نہیں؟

جواب:۔آپ جواب میں کہہ دو کہ: ہاں

(کیونکہ ہر چیز اللہ تعالی کی مشیت کے تابع ہے؛ اور ارشاد باری تعالی ہے:وماتشاؤن الاان یشاء اللہ؛ یعنی اور تم کچھ نہیں چاہتے مگر اللہ تعالی کی چاہت کے بعد ہی تمہاری چاہت کا اعتبار ہے)

ایمان کا مستقر کہاں ہے؟

سوال:۔ انسانی جسم میں ایمان کی قرارگاہ کہاں ہے؟

جواب: امام اعظم فرماتے ہیں کہ اس کا ٹھکانہ اور اصل قرار کی جگہ دل ہے جبکہ سارے جسم میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں؛

سوال:۔ اگر کوئی پوچھے کہ کیا تیری انگلی میں بھی ایمان ہے؟

جواب: تو اس کے جواب میں تو کہہ دے کہ ہاں انگلی میں بھی ایمان ہے؛

(۷۲)

ابومطیع:۔

اگر انگلی کو کاٹ دیا جائے تو ایمان کہاں چلا جاتا ہے

امام اعظم:

اس کے جواب میں تو کہہ کہ دل کی طرف جو اس کا اصل معدن اور مخزن ہے؛

سوال:۔ جب بندہ مرجاتا ہے تو اس کا ایمان روح کے ساتھ جڑا رہتا ہے یا جسم کے ساتھ؟

جواب:۔ ہم کہیں گے ایمان دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں ہوتا؛ بلکہ ایسے حال میں ہوتا ہے کہ جس سے بندے میں ایمان کی اہلیت ہو کر مؤمن کہلا سکے اور وہی طریقہ جس سے وہ زندگی میں اللہ تعالی کی عبادت کرتا تھا؛ اسی طریقہ سے مرنے کے بعد بھی اللہ تعالی کی عبادت کے اہل ہو سکے؛ اس طریق ایمان اس کے ساتھ جڑا رہتا ہے؛

﴿اللہ تعالی پر بندوں کا حق اور بندوں پر اللہ تعالی کا حق﴾

سوال:۔ کیا اللہ تعالیٰ بندوں سے کسی چیز کا مطالبہ کرتے ہیں

جواب:۔ نہیں اللہ تعالی ان سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتے؛

سوال:۔ اللہ تعالی کا بندے پر کیا حق ہے؟

جواب:۔ اللہ تعالی کا بندوں پر یہ حق ہے کہ اس کی عبادت کریں، اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں؛ اور اگر لوگ اللہ تعالی کی رضامندی کے لئے یہ کام کریں تو اللہ تعالی کا حق ہے کہ ان کی مغفرت کر کے اس پر ان کو ثابت قدم رکھے؛

اور اللہ تعالی مؤمنوں کے ساتھ راضی اور ناراض بھی ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے

﴿لقدرضی الله عن المومنین اذیبایعونك تحت الشجرة﴾(الفتح:١٨)

(اللہ تعالی مخصوص مؤمنوں کے ساتھ اسی وقت راضی ہو گئے تھے جب وہ درخت کے نیچے نبی ﷺ کی بیعت کر رہے تھے)

اور اسی طرح اللہ تعالی ناراض بھی ہوتے ہیں؛ مگر اللہ تعالی کی ناراضگی صرف کفار کے ساتھ خاص ہے اور کفار سے ناراضگی کا مطلب یہ ہے کہ: ان کو عذاب دیا جائیگا؛ اور مؤمنوں سے رضامندی کا مطلب یہ ہے کہ: ان کو حق اور دین پر ثابت قدم رکھا جائے؛ لہذا اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ: اللہ تعالی محمد ﷺ سے راضی ہیں؛ جبکہ ابلیس سے ناراض ہیں

....

نوٹ: ابتدائی طور پر بیعت کی پانچ اقسام ہیں

(۱) بیعت برکت: اس کا مطلب یہ ہے کہ: جب کوئی بزرگ ہستی ملے تو اس سے اپنا روحانی تعلق جوڑنے کے لئے بیعت کی جائے اس بیعت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان روحانی طور پر ان کی صحبت سے فائدہ اٹھائے اور اپنا روحانی تعلق ان سے قائم رکھے؛

(۲) بیعت خلافت: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص امیر المؤمنین بننے کا دعوی کرے تو اس کی بیعت کرنا؛ جو آجکل ووٹ کا روپ اختیار کر گیا ہے؛ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ ووٹ میں ۵۱ فیصد والا سربراہ ہوتا ہے؛ جبکہ اسلامی نظام خلافت میں سو فیصد اشخاص بیعت کرتے ہیں؛ اور اگر کوئی شخص بلا عذر شرعی بیعت نہیں کرتا تو وہ باغی سمجھا جاتا ہے

اور امام شاہ ولی اللہ کے بقول خلافت شرعیہ تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے منعقد ہوجاتی ہے [۱] مسلمانوں کا اجتماع ملکر اس کو خلیفہ نامزد کر لے [۲] سابقہ خلیفہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کردے؛ [۳] کوئی مسلمان بزور بازو کسی علاقہ میں قبضہ کر کے خلیفۃ المسلمین ہونے کا دعوی کردے؛ اور ان صورتوں میں لوگ اس کو خلیفۃ المسلمین کے طور پر تسلیم کرلیں؛

(۳) بیعت توبہ: اگر انسان سے گناہ سرزد ہوجائیں تو ان سے توبہ کا ایک طریقہ جس کے لئے کسی نیک ہستی سے بیعت توبہ کی جاتی ہے؛

(۴) بیعت طریقت: اصل میں کسی بھی سلسلہ تصوف میں روحانی افکار کرتے ہوئے اپنی روحانی ترقی کرنے کے لئے جو ضابطہ ہے وہ بیعت طریقت سے شروع ہوجاتا ہے؛

(۵) بیعت اطاعت: جو اللہ تعالی کی طرف نئے احکامات کے نزول پر صحابہ کرام سے ان احکامات کے ماننے اور اطاعت کرنے پر بیعت لی جاتی کہ ان احکامات کو مانتے رہیں گے اور اس سے انحراف نہیں کریں گے؛ مگر یہ بیعت کا طریقہ رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد منقطع ہوگیا ہے؛

﴿بعض آیات کی تفسیر﴾

اور اللہ تعالی کا یہ جو ارشاد ہے جس میں فرمایا:

﴿اعملواماشئتم انه بماتعملون بصیر﴾(فصلت:٤٠)(تم جو چاہو عمل کرو بے شک اللہ تعالی تمہیں تمہارے عملوں سمیت تمہیں دیکھ رہے ہیں)

اصل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے کا ایک طریقہ اور یہ حکم اللہ تعالی کی طرف سے بطور وعید کے ہے؛

(۲) اور اللہ تعالی کے قول کا مطلب یہ ہے:

﴿وقضٰی ربّك الّا تعبدُوا الّا ایّاه﴾(الاسراء:٢٣) (اللہ نے یہ فیصلہ فرما لیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو)

اس آیت سے پتہ چلاہے کہ اللہ تعالیٰ قضاء وقدر کی اور ہرایک فیصلہ کرنے والی ذات ہے؛

(۳) اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿واماثمود فهديناهم﴾ (فصلت:۱۷) (ہم نے تو قوم ثمود کو ہدایت دے دی تھی)

تو مطلب اس کا یہ ہے کہ: راہ راست پر چلنے کے لئے ان کی آنکھیں کھول دیں اور سیدھا راستہ ان کے لئے ظاہر اور واضح کر دیا تھا؛

(۴) البتہ اللہ تعالیٰ کے مندرجۂ ذیل قول کا مطلب:

﴿فمن شآء فليؤمن و من شآء فليكفُر﴾ (الکھف:۲۹) (جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو شخص چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تہدید یا وعید کے الفاظ ہیں؛ جو اللہ تعالیٰ کی شان استغناء کی نشان دہی فرمار ہے ہیں

(۵) اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے:۔

﴿وماخلقت الجن والانس الاليعبُدُون﴾ (الذاریات:۵٦) (ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے ہر مخلوق کو صرف عبادت (دیئے ہوئے پروگرام کے مطابق زندگی گزارنے) کے لئے پیدا کیا ہے) اور عبادت سے مراد ہے کہ: وہ تمام اقسام کے شرک چھوڑ کر توحید ربانی کے قائل ہوجائیں

(اقسام توحید؛ یا شرک کی اقسام امام اعظم کی کتاب الفقہ الاکبر کی عربی تشریح یا اردو ترجمہ مؤلفہ مفتی رشید احمد العلوی میں ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے)

﴿ہر چیز اور کام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے﴾

لیکن ہر چیز اور ہر کام اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے ساتھ ظہور میں آتا ہے اور اس چیز کی اچھائی اور برائی؛ اس کا شیریں اور تلخ ہونا؛ اور اسکا نفع یا نقصان دہ ہونا؛ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی مشیت اور اسکی اجازت اور اسکی راہنمائی سے پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے؛ اسلیئے

(۱) ارشاد ربانی ہے:

﴿ولواننانزّلناعليهم الملائكةوكلمهم الموتٰى وحشرنَاعليهم كُلّ شَىءٍ قُبُلاماكانواليُومِنُوااِلّاان يّشآء اللّٰه﴾ (الانعام:۱۱۲) (اور اگر چہ ہم نے انکی طرف فرشتے نازل کئے ہوتے؛ یا ان کے ساتھ مُردے کلام کرتے؛ اور انکے سامنے ہر چیز کو ہم دوبارہ زندہ کرتے، تو بھی ان میں سے کوئی شخص ایمان نہ لاتا سوائے اس شخص جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ایمان لانے کا چاہتے ہوں کہ وہ ایمان لائے)

(۲) اور دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ولوشاء ربك لآمن من فى الارض كلّهُم جَمِيعاًاَفَأنت تُكرهُ النّاس حتّى يكُونُوامُؤمِنِين﴾ (یونس:۹۹) (اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو زمین پر آباد سارے لوگ ایمان لے آتے؛ کیا جب تک سارے لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ ان سب کو ناپسند کرتے رہیں گے)

(۳) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:۔

﴿وماكان لنفس ان تؤمن الابأذن الله تعالى﴾ (یونس:۱۰۰) (اور کسی جان کو یہ بات زیبا نہیں کہ: وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ہی ایمان لے آئے)؛

(۴) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

﴿ولوشآء اللّه لجعل النّاس اُمّةواحدةولايزالون مختلفين الامن رحم ربك ولذلك خلقهم﴾ (ھود:۱۱۸) (اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تمام لوگوں کو ایک جماعت بنادیتے، مگر یہ آپس میں ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے سوائے انکے جن پر اللہ تعالیٰ رحم اور مہربان کرے وہی راہ راست پر آئے گا)

اور (رَحِــمَ کے معنی اللہ تعالی کی مشیت کے ہیں) اور اسی طرح اور اسی مقصد کے لئے اللہ تعالی نے ہر چیز کو اپنی مشیت اور رضا مندی سے پیدا کیا ہے اور ہر ایک کو ہدایت اور گمراہی بھی اللہ کی مشیت سے ملتی ہے؛

(۵) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

﴿اَنِ اعبُدوالله واجتنبواالطّاغُوت فمِنهُم مَن هَدى الله ومنهُم مَن حقّت عليهِ الضّلالة﴾ (النحل:٣٦) (یہ کہ تم سب صرف اللہ تعالی کی عبادت کرو، اور ہر باطل طاغوت سے اجتناب اور پرہیز کرو، اسی بناء پر اللہ تعالی نے کچھ لوگوں کو ہدایت دے دی، اور کچھ لوگوں کے مقدر میں گمراہی لازم ہو چکی ہے)

(۶) اور دوسرے مقام پر اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وماتشاؤون الاان يّشآء الله﴾ (التکویر:۲۹) (تمہاری مشیت اور مرضی نہیں چلتی، بلکہ اصل مرضی تو اللہ تعالیٰ کی چلتی ہے)

یعنی اسی کے مقدر کرنے سے کام بنتے یا بگڑتے ہیں؛

(۷) اسی طرح قرآن کریم میں حضرت شعیب على نبيناوعليه التحية والثناء کا تذکرہ کرتے ہوئے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے:۔

﴿ قدافتَرَينَاعلى الله كَذِباًان عُدنافى ملتكم بعداذُ نجّاناالله مِنها ومايكون لناان نعودفيهاالاان يّشآء الله ربناوسع ربّناكل شيء عِلماً﴾ (الاعراف:۹۸) (بے شک ہم نے اللہ تعالی پر بلا وجہ بہتان باندھا ہے تا کہ ہم باوجود آپ کو اللہ تعالی کی طرف سے نجات کا پروانہ مل جانے کے بعد سابقہ ملت اور مذہب کی طرف لوٹا دیں، اور یہ بات ہمارے بس میں نہیں کہ: ہم اپنے سابقہ ملت یا مذہب پر لوٹ جائیں مگر اللہ تعالی کی چاہت اور مشیت سے کیونکہ وہی ہمارا پروردگار ہے؛ اور ہمارا پروردگا ہر چیز پر اپنی وسعتِ علم کے ذریعے حاوی ہیں)

(۸) اور حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی ارشاد ربانی ہے:

﴿ولاينفعُكم نُصحى اِن اَنصَح لَكم ان كان الله يُريدان يُغويكم هُو ربّكم واليه تُرجعون﴾ (هود:٣٤) (میری نصیحت کا تم لوگوں پر نہ کوئی اثر ہے اور نہ فائدہ اگر چہ میرا مقصد تمہاری اصلاح کرنا ہے مگر اللہ تعالی کی طرف سے تمہاری گمراہی کا فیصلہ اگر ہو چکا تو کوئی شخص تمہاری اصلاح نہیں کر سکتا کیونکہ وہ تمہارا پروردگار ہے اور اسی کی طرف سب نے لوٹ جانا ہے)

(۹) اور ارشاد باری ہے:

﴿ولقدفتناسليمان والقيناعلى كرسيه ثم اناب﴾ (ص:٣٤) (ہم نے سلیمانؑ کو آزمایا، اور ہم نے اسکی کرسی کے سامنے ایک جسم لاڈلوایا، پھر اس کو صحیح مسئلہ حل کرنے کی راہ دکھائی)

(۱۰) اور ایک اور مقام پر ارشاد باری حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان یوں ہے:۔

﴿ لقدهمتُ به وهم بهالولاان رّأى بُرهَانَ ربّه كَذلك لِنَصرِفَ عنُه السُّوأوالفحشآء﴾ (یوسف:٣٤) (واقعی زلیخا نے تو یوسفؑ کے بارے میں برائی کا ارادہ کر لیا تھا، اور اللہ تعالی کی طرف سے کوئی واضح راہنمائی نہ دیکھ لیتے تو ہوسکتا ہے یوسفؑ کے ذہن میں بھی کوئی ایسا خیال پیدا ہو جاتا، اسی طریقے سے ہم اس سے برائی اور گناہ کو دور کرتے ہیں؛ اور ان سے ہر عیب اور بدی کو دور کرتے ہیں)

﴿اللہ تعالی اپنے افعال میں عادل اور حکیم ہیں﴾

(۷۲)

ابو مطیع:۔

میں نے پوچھا کہ: کیا اللہ تعالیٰ اپنے افعال کی تخلیق میں عادل اور حکیم بھی ہیں یا نہیں؟

امام اعظم:

ہاں اللہ تعالی ان کاموں میں عادل اور حکیم ہیں؛

(۷۳)

ابو مطیع:۔

میں نے پوچھا کہ: کیا اللہ تعالی نے ہی ایک کو اندھا دوسرے کو کبڑا؛ اور کسی کو مالدار اور کسی کو فقیر؛ کسی کو عقل کی نعمت سے مالا مال اور کسی کو بے وقوف پیدا کیا ہے؟

امام اعظم:

اللہ تعالی کی طرف سے کسی پر زیادہ اور کسی پر کم فضل اور مہربانی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالی پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ ایک شخص کو کوئی نعمت دے اور دوسرے کو وہ نعمت نہ دے ساری مخلوقات اللہ تعالی کے سامنے ایسے ہیں جیسے کسی کے غلام ہوں، اور انکا مالک اپنی مرضی میں آزاد ہوتا ہے وہ چاہے تو ایک غلام کو کوئی چیز دیدے اور دوسرے کو نہ دے اسکی مشیت اور مرضی پر کون غالب ہوسکتا ہے؛

☆☆☆

تصانیف مفتی رشید احمد العلوی

۱:**المتون المعتبرة**[فی عقائد الاشعرية والماتريدية]

۲: کتاب الصلوۃ: عربی؛ اردو؛ انگریزی؛ فارسی؛[مشتملة علی :الخلاصه کیدانی]

۳: اسلامی اصول تعلیم اردو

۴: مجموعہ **الفقه الاکبر(لامام الائمه ابوحنیفه)**

[مشتملة علی:الفقه الاکبر؛الفقه الابسط؛ العالم والمتعلم؛ کتاب الوصية]

۵:شرح الفقه الابسط؛ عربی: از شیخ ماتریدی

۶:شرح الفقه الابسط فارسی: از خواجہ محمّد گیسو دراز

۷: الشفاء عن ابوی المصطفیٰ اردو

۸: قصائد حمدیہ قادریہ، ترجمہ اردو

۹: الفقہ الاکبر تشریح وترجمہ اردو

۱۰: اشرح لفقہ الابسط : اردو

۱۱: العالم والمتعلم : ترجمہ وتشریح اردو

۱۲: کتاب الوصیۃ : ترجمہ وتشریح اردو

۱۳: الانعام فی سیرۃ الامام عربی

۱۴: امام اعظم کی علم کلام میں خدمات اردو

۱۵ :العشرين عن الامام الامين عن النبی الكريم عربی اردو

العالم و المُتعلّم امام ابوحنیفة راوی ابو المقاتل ترجمة رشید احمد العلوی

آپ کے ہاتھ میں حضرت امام ابو مقاتل حفص بن سلم یا سلیمان السمرقندیؒ المتوفی زمانۂ مامون عباسی؛ کا اپنے استاد امام ابوحنیفہؒ سے علمی مذاکرہ ہے؛ اور ہندوستان کے علاوہ مصر؛ لبنان اور شام میں اب تک کئی بار العالم و المتعلم کے نام سے چھپ چکا ہے اور اسکا اردو زبان میں واحد ترجمہ آثار الامام کے نام سے جناب عبدالحفیظ رحمانی کا کیا ہوا ١٩٦٣ء میں دیوبند سے شائع ہوا تھا؛ اس کی اُردو قدیم اور دوبارہ طباعت نہ ہونے کی وجہ سے استفادہ ممکن نہ تھا؛ لہذا اردو دان طبقہ کے افادۂ عام کیلئے ترجمہ کیا جا رہا ہے جو امام اعظم کی علم کلام میں خدمات میں چوتھی کتاب ہے؛ قبل ازیں الفقہ الاکبر؛ الفقہ الابسط؛ کتاب الوصیۃ کا ترجمہ کیا گیا؛ اور اللہ تعالی سے دعا ہے اس کے فائدہ کو عام اور تام فرمائے؛ اور بابرکت امام کی ان بابرکت تصانیف کے ذریعے گم گشتۂ راہ کو راہ یافتہ بنائے؛ آمین!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اس اللہ تعالی کے لئے ہیں جو زندہ ہے اسپر کبھی موت نہیں ؛ ہر چیز سے بے نیاز ہے اسکو کھانے کی ضرورت نہیں؛ ہمیشہ قائم و دائم ہے اسکو نیند کی ضرورت نہیں؛ وہ ہر شے کا مالک ہے اس سے کچھ بھی کوئی نہیں چھین سکتا؛ وہ اختیار والا ہے اس سے کوئی تنازع نہیں کرسکتا؛ اپنی ذات اور تمام صفات میں جیسا ابتداء میں تھا ویسا ہی اب ہے، اور آخر تک اسی طرح رہے گا؛ اس نے اپنے علم سے ہر چیز کی ابتداء کی ہے؛ اور اس نے اپنی حکمت سے ان سب کو اپنا مطیع کیا ہوا ہے؛ اسنے اپنی قدرت کے ساتھ ہر چیز کی تقدیر مقرر کی ہے؛ اور ہر شیء میں اسی کا علم سرایت کئے ہوئے ہے؛ اور ہر چیز پر اسکی قضاء نافذ ہے؛ اور اسکا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے؛ اور اسکی تخلیقات میں کوئی تضاد اور غیر مناسبت نہیں ہے؛ اور اسکی کاری گری میں کوئی خلل نہیں ہے؛ اور اسکی قدرتوں تک رسائی سے پہلے فلسفیوں کی عقلیں غلطاں اور پیچاں ہو جاتی ہیں؛ اور اسکی عظمت اور بڑائی کے دیکھنے کی فکر سے پہلے ہی آنکھیں حسرت اور نا میدی میں مبتلاء ہو کر خیرہ ہو جاتی ہیں؛ اور اسکی مملکت سے راہ فرار کا سوچنے سے پہلے عاجزی سے گردنیں جھک جاتی ہیں؛ اسکے لامحدود علم کے احاطہ کی طرف دھیان کرتے ہوئے انسانوں کی فکر عاجزی کے نشے میں مغلوب ہو جاتی ہے؛ اور وہ واحد اور اکیلا، ہر ایک سے بے نیاز ہے؛ نہ کوئی اسکی ہمسری کرنے والا، اور نہ ہی کوئی اسکی برابری کا دم بھر سکتا ہے؛ نہ اسکا کوئی والد اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے؛ اور کوئی قلب سلیم رکھنے والا اس قابل نہیں کہ اسکی برابری کی سوچ کو بھی سوچ سکے؛ اور اللہ تعالی کی لاتعداد رحمتیں ہوں حضرت محمد ﷺ پر جو اسکے آخری نبی اور رسول ہیں؛ متقی اور پرہیز گاروں کے امام، تمام انبیاء و رسل کے آقاء، اور سلسلہء نبوت کے آخری تاجدار؛ جس کے بعد اللہ تعالی نے ہر قسم کی نبوت کا خاتمہ کر دیا ہے؛ اور تمام انبیاء ، فرشتوں اور اللہ تعالی کے صالح اور پارساء بندوں پر اسکا سلام اور رحمت نازل ہو؛

و الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(١) امام ابو مقاتلؒ :۔

امام کی پاس آنے کا مقصد:

اے عالم: میرے آپکی خدمت اقدس میں حاضری کا مقصد یہ ہے کہ: آپکی مجالس اور صحبت سے کچھ علمی نفع اٹھاؤں؛ مجھے آپ کے فضل و کرم پر پورا بھروسہ ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالی آپ کی ذات اقدس سے بہت نفع پہچائیں گے؛ آپ میری مشکلات اور سوالات کو حل فرما دیں گے؛ میں آپ سے اس لئے بھی سوال کرتا ہوں کہ اللہ تعالی آپ کو اور مجھے اس عمل پر جزائے خیر عنایت فرمایں؛

علمی لحاظ سے لوگوں کی اقسام:

مجھے کئی قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے اور انہوں نے کچھ ایسے سوال کیے ہیں کہ میں انکا جواب نہیں دے سکا، مگر جس چیز کے حق ہونے کا مجھے یقین تھا اور میں اس پر کاربند تھا اسکو چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا؛ اگر چہ مجھ میں جواب دینے کی سکت نہ تھی مگر میں نے جان چکا ہوں کہ: حق کی تعبیر وترجمانی بھی بڑی بات ہے؛ اور یہ بھی مانتا ہوں کہ حق ناقابل شکست ہے؛ جبکہ حق کے مقابل باطل شکست کھانے والا ہے؛ اور میں اصل دین سے بے خبر رہنے کو ناپسند کرتا ہوں اور لازم سمجھتا ہوں کہ: جن باتوں کو حق سمجھتا ہوں ان سے اچھی طرح آگاہ بھی ہو جاؤں؛ اور مجھے یہ بات سخت ناگوار ہے کہ میں جن چیزوں کا دعوی کروں انکی اصل حقیقت سے بالکل ناآشنا رہوں؛ اور میری مثال ایک طالب علم بچے کی سی ہے کہ پڑھتا ہے مگر جانتا نہیں کہ کیا پڑھتا ہے؛ یا اس یاوہ گوئی کرنے والے دیوانے اور بیہودہ انسان کی طرح ہو، جو اپنے بارے رسواکن جملوں کا اظہار کرتا ہے اور اپنے آپکو ذلیل ورسوا کرتا ہو؛

اللہ تعالی آپ کو اصلاح عام کا ذریعہ عام بنائے؛

میں یہ چاہتا ہوں کہ: اصل دین اور حق کی بنیاد کا جاننے والا بن جاؤں، اور میری زبان سے حق جاری ہو؛ اور اس قابل ہو جاؤں کہ: حق کی ترجمانی اس کے بارے میں کچھ کہہ سکوں، اور اللہ تعالی نخواستہ اگر کوئی بدزبان اور کوئی گمراہ شخص مجھے شکوک وشبہات میں مبتلاء کرنے کے لئے کچھ کہنا چاہے یا حق سے دور کرنا چاہے، تو وہ اس بات کی طاقت نہ حاصل کر سکے؛ اور اگر کوئی طالب علم یا راہ حق کا متلاشی میرے پاس راہ حق کی تلاش میں آجائے اور حق بات دریافت کرنا چاہے تو اسکو خوب سمجھا سکوں؛ اور اس سے بڑی بات یہ کہ: میں خود اپنے عقائد میں عقل وبصیرت کے ساتھ مطمئن ہو سکوں؛

نوٹ: اس مضمون سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی ہے کہ استاد اور طالب علم کے درمیان کس طرح اور کتنے ادب وآداب کا رشتہ ہونا چاہئے، کیونکہ شاگرد کا مقصد تو علم حاصل کرنا، بری عادات سے اپنے کو محفوظ کرنا، جہالت کے اندھیرے سے نکلنا، اور علم کے نور سے منور ہونا ہے اور اللہ تعالی کے نبی ﷺ کے بقول وہ مقام حاصل کرنا ہے: عالم کی فضیلت اور برتری عابد پر چاند کی ستاروں پر برتری جیسی ہے، اور ایک اور جگہ فرمایا: علماء انبیاء کے وارث ہیں، جب مرتبہ اتنا اونچا حاصل ہوگا تو اسی لحاظ سے اسکے آداب بھی زیادہ ہونگے؛

امام ابو حنیفہؒ:۔

علم کا فائدہ اور جہالت کا نقصان

بہت اچھا! جو تم سوال کرر ہے ہو، وہ واقعی ایسی چیز ہے کہ: اس کو حاصل کرنا اور اس کی جستجو اور تلاش تمہارے کام آسکتی ہے، ہاں! اتنی بات سمجھ لو کہ انسان کا عمل؛ اس کے علم کے تابع ہے، جیسے انسانی اعضاء اسکی آنکھوں کے تابع ہیں؛ اور تجھے یہ بھی معلوم ہونا چاہے کہ: عالم آدمی

اتھوڑا سا عمل اللہ تعالی کے ہاں بہت زیادہ اور مفید ہے؛ جبکہ جاہل انسان کا زیادہ عمل بھی کسی کام کا نہیں ہے؛ اسکی مثال یوں سمجھ لو کہ: تھوڑا سا مان راہ لیکر، ایسے راستے پر سفر کرنا جس کو آپ جانتے ہو مفید ہے، بخلاف اس کے کہ: سامان سفر تو بہت زیادہ ہو مگر راستے کو نہ جانتے ہو یقیناً پریشانی کا باعث بن جائے گا؛ اسی لئے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون ؛ أنما يتذكر ألو الالباب﴾(الزمر:۹)

اے نبی ﷺ آپ فرما دیجے کہ: کیا علم والے اور جہالت والے بھی برابر ہو سکتے ہیں؟، اور اس میں نصیحت ہے عقل سلیم والوں کے لئے ہے؛

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۲)امام ابو مقاتل:۔

علم کلام کی تعلیم کا حکم

اے عالم! آپ نے میری حصولِ علم کی رغبت بڑھا دی ہے۔لہذا اب میں ان لوگوں کے درجہ بدرجہ اقوال اور سوالات عرض کرتا ہوں؛ آپ مجھے ان لوگوں کے لئے جواب اور انکے دلائل ارشاد فرمائیں۔

اولاً میں وہ بات عرض کرتا ہوں جو میرے نزدیک ان شاء اللہ تعالی معمولی ہے: اور وہ یہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں تم ان مسائل کی زیادہ چھان بین نہ کیا کرو؟ کیونکہ صحابہ کرامؓ نے ان باتوں میں بالکل نہیں پڑے تھے؛ لہذا تمہیں بھی اس باب میں وہی باتیں کرنی چاہئیں جن پر صحابہ کرامؓ کا عمل تھا،

اور اس سوال سے میرے غم اور دکھ میں اضافہ ہوجاتا ہے، اور میری دانست میں ان حضرات کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایک بڑے گہرے دریا میں ہے اور قریب ہے کہ غوطہ زنی نہ جاننے کی وجہ سے اس دریا میں غرق ہوجائے؛ جبکہ دوسرا شخص اسے کہتا ہے کہ: اپنی جگہ ٹھہرے رہو اور غوطہ زنی سے بچنے کی کوشش نہ کرو؟

امام ابوحنیفہ:۔

میری رائے تو یہ ہے کہ: انکی کچھ خرابیاں تو آپنے نے خود معلوم کرلی ہے، اور انکے خلاف ایک طرح کی دلیل بھی آپکو معلوم ہوگئی ہے ؛لیکن جب وہ تم سے کہیں کہ:

سوال: کیا وہ باتیں آپکو کافی نہیں جو صحابہ کرامؓ کو کافی تھیں؟ تو تم ان سے کہو

جواب: ہاں مجھے بھی وہ باتیں کافی تھیں اگر میں ان کے ہم جیسا ہوتا اور میرا مقام انکے مقام کے برابر ہوتا، جبکی اصل بات یہ ہے کہ: جو حالات مجھے درپیش ہیں وہ ان حضرات کو نہ تھے؛

ہمیں ان لوگوں سے واسطہ پڑا ہے! جو نہ صرف زبان سے طعنہ زنی کرتے ہیں بلکہ ہم کو قتل کرنا درست جانتے ہیں، اس لیے اب ہمارے سامنے اسکے سوا کوئی راستہ نہیں کہ ہم درست وغلط، اور خطاء کار اور صائب کو جان لیں اور اپنی عزت وآبرو بچائیں؛

جبکہ اس باب میں تو صحابہ کرامؓ کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جنہیں ایسی قوم سے واسطہ ہی نہ پڑا تھا اور جب یہ لوگ صحابہ کرامؓ کے دور میں نہ تھے تو صحابہ کرامؓ کا ان لوگوں سے دفاع کرنا ہی بے معنی اور غلط ہے جبکہ ہماری صورت حال یہ ہے کہ: ہمارا واسطہ ایسی قوم سے پڑا ہے جو ہمارے بارے میں طعنہ زنی کرتے ہیں اور ہمارے قتل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں؛ لہذا انکے مدّمقابل تیاری کرنا ہمارے لئے لازمی اور ضروری کام ہے؛

اور ایک اختلافی بات میں انسان اپنی زبان تو روک سکتا ہے کہ بات سن کر خاموشی اختیار کرلے لیکن دل کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے ؛کیونکہ وہ دل کو اپنے قابو میں ہرگز نہیں کرسکتا بلکہ دل کسی ایک معاملہ یا تمام معاملات میں اپنی پسند اور ناپسند کا ضرور اظہار کرے گا؛ اگر ایک بات کے دو پہلو ہیں اور دونوں متضاد اور مختلف ہوں تو دل ایک ہی وقت میں دونوں کی طرف نہیں ہوسکتا اگر دل کا میلان ظلم وجور کی طرف ہے تو دل بھی اسی کا مرتکب ہے یہ دل کا خاصہ ہے کہ جب کسی خاص طبقہ کی طرف جھکتا ہے تو انہیں کا ہو رہتا ہے۔اسی طرح اگر دل ظلم کی بجائے حق کی طرف مائل ہوتا ہے تو دل اہل حق کا معین ومددگار بن جاتا ہے؛ اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ کوئی عمل اس وقت تک پایۂ ثبوت وتکمیل کو نہیں پہنچتا جب تک وہ براہ راست قلب سے صادر نہ ہوا ہو؛ اسی لیے اگر ایک شخص صرف زبانی ایمان کا اعلان کرتا ہے اور اس کا قلب مؤمن نہیں تو

ایسا شخص عند اللہ مؤمن نہ ہوگا؛ اور جو شخص دل سے تو مؤمن ہے
لیکن زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتا وہ بھی اللہ تعالی کے ہاں مؤمن ہے مگر دنیا میں اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے؛ اور جو شخص اپنی زبان سے ایمان کا اقرار کرتا اور دل سے اسکی تصدیق کرتا ہے وہ اللہ تعالی اور لوگوں کے نزدیک بھی ایمان والا شمار کیا جائے گا؛

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۳) امام ابو مقاتل:۔

جیسے آپنے ارشاد فرمایا بات واقعی اسی طرح ہے؛

درست اور غلط کار کے اعمال سے آگاہ ہونا

مگر یہ فرمایئے اگر میں خطاء کار اور درست کار کے درست اور غلط عمل سے قطع نظر کرلوں کہ جو چاہیں کرتے پھریں میں ان کی پرواہ نہ کروں؛ تو کیا میں ایسی صورت میں غلطی کرنے والا ہوں؟ اور کیا اسکا مجھے نقصان ہوگا؟

امام ابو حنیفہ:۔

صرف ایک صورت تو ایسی ہے کہ تمہیں اس کا کوئی نقصان نہیں؛ مگر اسکی بجائے کئی صورتیں ایسی بھی ہیں جن سے تمہیں سخت نقصان اٹھانا پڑے گا؛

تفصیل اس اختصار کی یہ ہے کہ: تمہیں اس لحاظ سے تو کوئی نقصان نہ ہوگا کہ تم سے صرف تمہارے اپنے اعمال کا حساب لیا جائے گا، اور کسی خطاء کار کی خطاء کاری کے بارے میں تمہارے سے نہ پوچھا جائے گا؛ لیکن وہ باتیں جو نقصان دہ اور ضرر رساں ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں،

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ: تم جاہل کہلاؤ گے کیونکہ تم درست و نادرست کی خبر نہیں رکھتے ہو؛

(۲) دوسری بات یہ کہ: اگر تمہیں کسی معاملہ میں شبہ ہوا تو اوروں کی طرح تم بھی محض شبہ میں پھنسے رہو گیا ور اس سے نکلنے کا راستہ نہ پاسکو گے: کیونکہ تمہیں یہ ہی نہیں معلوم کہ تم غلط کار ہو کہ یا عاقبت اندیش اور اس طرح تم کبھی اس شبہ اور سے باہر نہ نکل سکو گے؛

(۳) تیسری بات یہ کہ: خالص اللہ کے لئے کون محبت کرتا ہے اور اور کون اسی کے لئے ناراض ہوتا ہے جبکہ یہ ایمان کی بنیاد بات ہے اور تم کبھی

﴿الحبّ فِی اللّه وَ الْبُغُضُ فی اللّه﴾

(خالص اللہ تعالی کیلئے محبت اور اسی کے لئے ہر ایک سے ناراض ہونا) کا بلند مقام حاصل نہیں کرسکو گے؛ اور تم جانتے ہی نہیں ہوگے کہ کون راہ حق پر ہے اور کون اس سے منحرف ہو رہا ہے؛ (حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿من احب لله وابغض لله فقد استکمل الایمان﴾

یعنی جس شخص نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ کے لئے نفرت کی اس کا ایمان کامل ہوگیا؛

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(٤) امام ابو مقاتل:۔

آپ نے تو واقعی میری آنکھوں کو نور عطا کیا ہے، اور میری آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا ہے؛ آپ سے باتیں کرنے کے بعد میں کھلی

آنکھوں سے خیر و برکت محسوس کر رہا ہوں،

نیک سیرت ہو کر دوسرے کی بدی کو بدی نہ جاننا

لیکن آپ اس بارے میں کچھ وضاحت فرمائیے کہ: ایک آدمی خود عادل ہے
اور تمام اچھی صفات سے موصوف ہے مگر اپنے مخالف کے بارے میں بالکل بے خبر ہے؛ نہ یہ جانتا ہے کہ وہ عادل ہے، نہ یہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے، یعنی اس کے متعلق کچھ رائے نہیں رکھتا؛ کیا ایسے شخص کو حقیقت آگاہ کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کا شمار اہل حق میں سے ہے یا نہیں؟

امام ابو حنیفہ:

جو شخص عادل اور اچھی صفات سے متصف ہے اور اپنے مخالف کے ظلم و ستم سے بالکل لاتعلق ہے، اس کو نہ عدل کا علم ہے اور نہ ہی ظلم کا علم ہے؛ میرے بھائی یہ بات یاد رکھو! کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ جاہل اور بیکار اسی قسم کے لوگ ہیں؛ اسکی مثال یوں سمجھو کہ چار آدمی ہیں ان میں سے ہر ایک کے سامنے ایک سفید کپڑا پیش کیا جائے اور سب سے پوچھا جائے؛ کہ اس کپڑے کا رنگ کیا ہے؟ تو ان میں سے ایک صاحب کہتے ہیں کہ یہ سرخ ہے ان میں سے دوسرا کہتا ہے کہ: یہ زرد رنگ کا ہے تیسرے صاحب یہ کہتے ہیں کہ یہ سیاہ رنگ کا ہے؛ چوتھا بولا یہ سفید رنگ کا ہے۔ اب اسی چھوتھے صاحب سے پوچھا جائے کہ ان تینوں اشخاص کے بارے میں آپکی رائے کیا ہے؟ کیا یہ لوگ بالکل صحیح کہتے ہیں یا غلط؟ اب یہ شخص جواباً کہے کہ مجھے تو کپڑے کے سفید ہونے کا یقین ہے مگر ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ بھی بالکل صحیح کہتے ہوں؛ تو تم اس شخص کے بارے میں کیا کہو گے کہ یہ سیاہ و سفید میں سے کچھ نہیں جانتا؛ اسی طرح وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ زنا کرنے والا کافر نہیں ہوسکتا اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ بھی بالکل صحیح کہتے ہوں جو کہتے یہ ہیں کہ زانی جب زنا کرتا ہے تو اس کے قلب سے ایمان اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح بدن سے کپڑا اتر جاتا ہے یہ لوگ اپنے فیصلہ میں اس سفید رنگ والے سے کسی طرح کم نہیں ہیں؛ اسی طرح ایک طرف تو کہتے ہیں کہ جس کو حج کرنے کی استطاعت تھی مگر عمر بھر نہیں کیا اور اسی حالت میں وفات ہوگئی تو اس کو ہم مؤمن ہی کہیں گے اور اس کے ساتھ تمام معاملات وہی کریں گے جو مؤمن کے ساتھ کرتے ہیں؛ گویا ان کے نزدیک وہ شخص پورا پورا مؤمن ہے اس پر نماز جنازہ پڑھیں گے اس کے لئے مرنے کے بعد توبہ استغفار کریں گے اور اس کے عیوب چھپائیں گے اور اگر ممکن ہوسکا اسکی طرف سے حج بدل بھی کریں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم ان کی تکذیب بھی نہیں کرتے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص یہودی یا نصرانی کی طرح بد دین ہو کر مرا ہے؛

ان کے حال پر تعجب

ان لوگوں کا عجیب حال ہے یہ کھلے بندوں شیعہ نہیں مگر شیعوں جیسی باتیں کرتے ہیں؛ یہ لوگ خوارج سے برأت کرتے ہیں مگر ان کی ہمنوائی بھی کرتے ہیں؛ یہ لوگ مرجیہ کو برا بھلا تو کہتے ہیں مگر انکی زبانیں انہی کی ہم کلام ہیں؛ ان تینوں جماعتوں کی باتیں کرتے ہیں اور اسی طرح ایک ہی وقت میں اس کو درست بھی جانتے اور انکی تغلیط بھی کرتے ہیں؛ اسی طرح انکا احقاق و ابطال، اقرار و انکار سب کچھ کرتے ہیں مگر کہنے کچھ بھی نہیں کرتے؛ اور اس قسم کے لوگ اپنے دعاوی کے ثبوت اور احقاق کے لیئے چند روایات بھی بیان کرتے ہیں اور گمان
یہ کرتے ہیں کہ جو ہمارے عقائد وہ نبی ﷺ سے مروی ہیں؛ جبکہ ہم یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالی جل مجدہ نے آں حضور ﷺ کو اس لیے رحمت بنا کر بھیجا تھا کہ فرقہ بندی کی بجائے امۃ کی شیرازہ بندی کی جاتی اور محبت و الفت پیدا کی جاتی؛ آپ ﷺ کی بعثت اس لئے نہ تھی کہ امۃ میں باہمی افتراق اور ریشہ دوانیوں پیدا کی جاتی؛
اور دوسری طرف یہ لوگ خود کہتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان سارا اختلاف ان روایات کے باعث ہوا ہے کیونکہ ان میں سے کوئی ناسخ ہے اور

کوئی منسوخ ہے؛ اور ہم نے تو جیسے سنا ہے آگے بیان کر دیا ہے اس سے زیادہ ہمارا کوئی ذمہ نہیں ہے؛
مگر افسوس اس بات پر ہے کہ یہ لوگ اپنی عاقبت اور انجام سے کس قدر غافل ہیں؛ بعض روایت یا رویت کا کوئی نہ کوئی حصہ منسوخ ضرور ہے مگر اس کو بیان کیے جاتے ہیں اور آج جبکہ دین مکمل ہو چکا ہے اس وقت منسوخ روایات اور احادیث پر عمل صاف گمراہی ہے؛ اور لوگ ان روایات کو اپنے عمل میں لاکر گمراہ ہوتے ہیں؛
ہمیں یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی آیت کی تفسیر دو طرح نہیں فرمائی اور اگر قرآن کریم میں کوئی آیت ناسخ ہے تو آپ ﷺ نے سب کے لیے ناسخ قرار دے دی اسی طرح منسوخ کو عام لوگوں کے سامنے ہے اور سب کے لیے منسوخ بیان فرما دیا ہے؛ اخبار اور صفات اللہ میں منسوخ والی کوئی بات
نہیں ہے البتہ ناسخ و منسوخ تو احکام شرعیہ میں خاص ہے اور امر و نہی میں نسخ کا امکان و احتمال ہے؛

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۵) امام ابو مقاتل:۔

اللہ تعالی آپ کو میری طرف سے جنت کی جزاء دے، آپ تو بہت ہی شفیق اور مہربان استاذ ہیں آپ نے تو مجھ میں علم کی وہ راہیں کشادہ کی ہیں کہ جن سے میں ناآشنا رہتا، ان لوگوں کی برسروپا باتیں آپ نے مجھے خوب سمجھا دیں اب مجھے کوئی پرواہ نہیں اگر ان لوگوں کی غلط بینی و کوتاہ نظری کے بارے میں کچھ بھی
معلوم نہ ہو تو یہی کافی ہے جو میں سے سن چکا ہوں؛

وحدت ادیان کی حقیقت

اب کچھ دوسرے گروہ کے بارے میں میری رہنمائی فرمائیں کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے دین بہت ہیں (ان دین اللہ کثیر) اور اور تمام دینوں میں فرض کی گئی عبادات پر عمل کرنا لازم ہے اور حرام کی گئی باتوں سے منع ہونا لازم ہے؛ ان کو کیا جواب دیا جائے اور انکار د کیسے کیا جائے؟

امام ابو حنیفہ:

کیا تم جانتے ہو کہ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام مختلف ادیان پر نہ تھے اور ان میں سے کسی نے بھی اپنے سے پہلے رسول کے دین کو ترک کرنے کا حکم نہیں دیا اس لیے ان سب کا دین ایک ہی تھا؛ ہاں البتہ ہر رسول اپنی شریعت کی دعوت دیتا ہے اور ماقبل کی نازل اور رائج شدہ شریعت کے چھوڑنے کا حکم کرتا ہے کیونکہ انبیاء علیہ السلام کی طرح انکی شریعتیں مختلف اور متعدد تھیں؛ جیسے ارشاد اللہ تعالی ہے:

﴿لکل جعلنا منکم شرعة و منهاجا؛ ولو شآء لجعلکم امة واحدة﴾ (المائدة ٤٨)

تم سے ہر ایک کے لیے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی؛ اور اگر اللہ تعالی کو منظور نہ ہوتا تو تم سب لوگوں کو ایک امت بنا دیتے؛ اور تمام
انبیاء علیہ السلام کو اقامت دین کے لیے حکم فرمایا خود دین کیا ہے؟ وہ نام ہے دعوت توحید کا کہ اس بارے میں اپس میں مختلف و منتشر نہ ہوں، یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ تمام انبیاء کا دین (دعوت توحید) ایک ہی تھا، جیسا کہ اللہ تعالی کے ارشادات ہیں:۔

(۱)

﴿شرع لکم من الدین ما وصّی به نوحا والّذی اوحینا الیك ؛ وما وصّینا به ابرهیمَ ومُوسٰی وعیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا﴾ (الشوریٰ:۱۲)

اللہ تعالی نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابرہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا (اور ان سب کی امتوں کو یہ کہا تھا) کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ بازی نہ کرنا؛

(۲)

﴿وما ارسلنا من قبلك من رسولٍ الا نوحی الیه ؛انهٗ لا اله الا انا فاعبدون﴾ (النساء:۲۴)

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں لہذا میری ہی عبادت کرو؛

(۳)

﴿لا تبدیل لخلق الله ذلك الدین القیّم﴾ (الروم:۳۱)

اللہ تعالی کی پیدا کی ہوئی کسی چیز میں تبدیلی نہیں ہوتی یہی سیدھا دین ہے؛ یعنی دین میں تبدیلی ناممکن ہے کیونکہ دین تغیر وتبدل کے لئے نہیں ہوتا؛ ہاں شریعت میں میں تغیر وتبدل ہوتا ہے اور ہوتا رہتا ہے اسی لیے اکثر وبیشتر ایسی چیزیں ملتی ہیں جو پہلے لوگوں کے لیے حلال تھیں اور دوسرے لوگوں کے لیے اللہ تعالی نے حرام قرار دیں؛ ایک چیز کا حکم ایک قوم کو دیا گیا اور دوسری قوم کو اس سے منع کر دیا گیا؛ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ شریعتیں کثیر بھی ہیں اور مختلف بھی؛

شریعت کی حقیقت

شرائع ہی کا دوسرا نام فرائض بھی ہے، شریعت اور دین کے بارے میں یہ بات خوب سمجھ لو کہ اگر اللہ تعالی کے اوامر ونواہی پر عمل کرنا اور ان کی منع کردہ اعمال سے رک جانا ہے یہی دین کی حقیقت ہے؛ اور اگر اللہ تعالی کے اوامر پر عمل نہ کرنا اور اس کے ممنوعات سے پرہیز نہ کرنا ترک دین ہے؛ اس صورت میں زمرہ کفار میں شامل ہو جائیں گے اور اس صورت میں ان کا آپس میں نکاح کرنا؛ وراثت تقسیم کرنا، میت کے ساتھ نماز جنازہ میں شریک ہونا؛ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان جیسی تمام چیزیں حرام ہو جاویں گی کیونکہ یہ سب معاملات اللہ تعالی کے حکم سے مسلمانوں کے درمیان اسی ایمان کی وجہ سے جاری ہیں کہ جس

سے ایک دوسرے کے باہمی خون واموال قابل احترام ہو جاتے ہیں؛ اور یہ صورت اس وقت تک قائم رہتی ہے تاوقتیکہ اس میں احدایث فی الدین یعنی نئی باتیں گھڑ کر دین میں شامل نہ کر دی جائیں؛ اور اللہ تعالی نے مسلمانوں کے ایمان کے اقرار کے بعد احکام شرعیہ کا اور فرائض کا مکلّف ٹھہرایا ہے؛

چنانچہ ارشاد اللہ تعالی ہے:

﴿قل لعبادی الذین آمنوا یقیموا الصلوة﴾ (ابراھیم:۳۲)

جو میرے خاص ایمان والے بندے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نماز کی پابندی کیا کریں دوسری جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿یاایھاالذین آمنوا کتب علیکم الصیام﴾(البقرۃ:۱۸۳)

اے ایمان والوتم پر روزے فرض کئے گئے ہیں؛ ایک اور مقام پر اللہ تعالی کا ارشاد ہے

﴿یاایھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص﴾(البقرۃ:۱۷۸)

یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالی نے تم پر قصاص فرض کیا ہے مزید ارشاد اللہ تعالی ہے:

﴿یآایھا الذین آمنوا اذکروااللہ﴾(الاحزاب:۴۲)

یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالی اوراس کے انعام اپنے اوپر یاد کیا کرو؛ اسی طرح کی اور بہت سی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں؛

ایمان اور عمل کا آپس میں تعلق

اگر فرائض کا دوسرا نام ایمان ہوتا تو اللہ تعالی اس وقت تک مؤمن کو مؤمن نہ فرماتے جب تک وہ فرائض پر عمل پیرا نہ ہو چکا ہوتا لہذا ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالی نے خود ایمان کو عمل سے الگ کر کے بیان فرمایا ہے؛ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿الذین امنوا و عملو الصالحات﴾(الرعد:۳۲)

یعنی جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے اچھے کام کئے؛ اوراللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿بلیٰ من اسلم وجھہٗ للّٰہ و ھو محسنٌ﴾(البقرۃ:۱۱۲)

جوکوئی بھی اپنا چہرہ اللہ تعالی کی طرف جھکادے اوروہ مخلص بھی ہوتو ایسے شخص کواس کا عوض ملتا ہے؛ یعنی وہ اپنے ایمان کو احسان کی صفت کے ساتھ مزین کرے اس کو اللہ تعالی کے ہاں پورا اجر دیا جائے گا؛ اور دوسری جگہ ارشاد اللہ تعالی ہے:

﴿من ارادالآخرۃ و سعی لھا سعیھا وھومؤمن﴾(الاسراء:۲۰)

اور جوشخص آخرت (میں اللہ تعالی سے ثواب) کی امید رکھے گا اوراس کے لئے جتنی سعی کرنا چاہیے ویسی سعی بھی کرے گا اور وہ شخص مؤمن بھی ہو؛ اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا؛ اس آیت میں اللہ تعالی نے ایمان وعمل کو الگ الگ کردیا ہے

اہل ایمان، نماز روزہ حج اور اللہ تعالی کا ذکر ایمان باللہ کی وجہ انجام دیتے ہیں نہ کہ انکی نماز، روزہ؛ حج ان کے لئے ایمان کا باعث ہے ؛ خلاصہ یہ ہے کہ ایمان باعث عمل ہے نہ کہ عمل باعث ایمان ہے؛ یعنی پہلے ایمان ہے اور بعد میں عمل وجود میں آتا ہے؛ یہ لوگ پہلے ایمان لائے پھر تقاضائے ایمان کے مطابق عمل کیا۔ان کا فرائض پر عمل ایمان باللہ کے باعث ہے اعمال کے باعث ایمان نہیں ہے۔اسکی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص قرضدار ہے اور اسے اپنے قرضدار ہونے کا اعتراف بھی ہے اوراس اقرار کے بعد اگر وہ اپنا قرض ادا کردیتا ہے تو قرض کی ادائیگی کا اعتبار ہوگا؛ اسکے برعکس یہ صورت نہیں ہوسکتی کہ اول قرض ادا کرے اور بعد میں اقرار کرے کہ میرے ذمہ قرض ہے؛ یعنی ادائیگی قرض اقرار کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ اقرار پہلے اور ادائیگی قرض بعد میں ہو،اسی طرح غلاموں کو دیکھئے کہ غلام بندگی کے اقرار کی وجہ سے آقا کی خدمت بجالاتے ہیں یہ نہیں ہوتا کہ چندروز خدمت کرنے پران کا اقرار غلامی سمجھا جائے؛ اس لئے کہ پہلے اقرار اوراعتراف ہوتا ہے اور بعد میں عمل کیا جاتا ہے،اسی طرح بہت سے آدمی آخرت میں کامیاب ہونے کی غرض سے اعمال صالحہ بجالاتے ہیں مگراس اعمال کی بجاآوری سے ان کو اقرار عبودیۃ نہیں کہہ سکتے؛ جبکہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ انکے ہاں اللہ تعالی کی عبودیت کا اقرار تو موجود ہے مگر اعمال صالحہ انکے پاس نام کو بھی نہیں ہوتے مگر انکا اقرار عبودیت پھر بھی ہوتا ہے؛

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(٦)امام ابو مقاتل :

اس حسن بیان پر اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ نے میرے لئے بہترین وضاحت ارشاد فرمائی ہے،

ایمان کی حقیقت اور اس کے مراتب

کیا اب میں ایمان کی حقیقت پوچھنے کی جرائت کرسکتا ہوں؟

امام ابو حنیفه:

ایمان نام ہے تصدیق بالقلب، معرفت، یقین، اقرار اور اسلام کے مجموعہ کا ہے؛ اور مرتبۂ تصدیق میں سب لوگ برابر نہیں بلکہ اس میں تین مرتبے پائے جاتے ہیں،

(۱) کچھ لوگ تو وہ ہیں جو اللہ تعالی اور ان کی طرف سے آئے احکامات امر و نہی کی تصدیق دل اور زبان دونوں سے کرتے ہیں؛

(۲) کچھ لوگ ایسے ہیں ان کے پاس زبان سے تصدیق تو پائی جاتی ہے مگر انکا دل ہمیشہ در پے تکذیب ہی رہتا ہے

(۳) کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا دل ایمان کی دولت سے لبریز ہوتا ہے مگر زبان سے تصدیق نہیں ہوتی بلکہ تکذیب ہوتی ہے؛

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(٧)امام ابو مقاتل:

آپ کی نوازش وعنایت سے میرے لئے علم کی ایک نئی شاہراہ نظر آئی ہے جو اس سے قبل میرے سامنے عیاں نہیں تھی؛

تینوں مراتب کا حکم

آپ مجھے یہ بات بتائیں کہ کیا یہ تینوں قسم کے لوگ اللہ تعالی کے ہاں مؤمنین میں شمار ہونگے ؟

امام ابو حنیفه:

(۱) جو شخص اپنے دل اور زبان دونوں سے اللہ تعالی کی اور اللہ تعالی کی طرف سے آئے ہوئے دین کی تصدیق کرتا ہے وہ اللہ تعالی کے ہاں اور اجتماع انسانی میں دونوں جگہ مؤمن شمار ہوگا؛

(۲) جو زبان سے اظہار تصدیق کرتا ہے حالانکہ دل تصدیق کرنے میں اس کے ساتھ نہیں بلکہ جھٹلاتا ہے اس کو اللہ تعالی کے ہاں کافر جبکہ ہم اور تم اس کو مؤمن ہی سمجھیں گے کیونکہ ہم لوگ اس کے دل میں چھپی بات نہیں جان سکتے ہم پر تو صرف اتنی ذمہ داری ہے کہ اس اقرار اور تصدیق کی وجہ سے اس کو مؤمن کہیں۔قلب چیر کر دیکھنے کے اور پھر اس کے بعد فیصلہ کرنے کے ہم
مکلّف نہیں ہیں؛

(۳) تیسری قسم وہ شخص ہے جو کسی وجہ سے لوگوں کے سامنے اظہار کفر کرتا ہے مگر اسکا دل اللہ تعالی کے لئے مؤمن ہوتا ہے؛ اور یہ وہ شخص ہے جو بالعموم اللہ تعالی پر اور اسکی طرف سے نازل شدہ احکامات پر ایمان رکھتا ہے مگر مجبوری کے عالم میں باطنی بات کو چھپاتے ہوئے زبان سے کلمۂ کفر ظاہر کرتا ہے؛ اب جو شخص خلاف باطن بات کرے ظاہری طور سے اس کو کافر کہا جائے گا جبکہ اپنی اصل کے لحاظ سے اللہ تعالی کے ہاں وہ مؤمن ہے؛

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۸) امام ابو مقاتل :

میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے وضاحت کے ساتھ ایمان کے حقائق کو مجھ پر مطلع کیا کیلن ایمان کی تعریف میں آپ نے تصدیق ۔معرفت، اقرار اور اسلام اور یقین کا نام لیا ہے اسکی وضحت چاہوں گا۔

امام ابو حنیفہ:۔

اللہ تعالیٰ تمھاری اصلاح کرے، لغزشات سے محفوظ رکھے، مسائل دریافت کرتے ہوئے جلد بازی نہ کرو۔ میں نے جو باتیں ابھی تم کو بتائیں ہیں اگر ارادہ خبر ہے اور ان میں سے کوئی بات سمجھے نہیں ہو تو پوچھ لو۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جنھیں سن کر لوگوں کو ناگوری ہوتی ہے لیکن جب ان کی وضاحت ہوتی ہے تو وہ انہیں گوارا کر لیتے ہیں۔

ان لوگوں کا رویہ اختیار نہ کرو کہ ایک بات سنتے ہیں وہ ان کو ناگوار ہوتی ہے پھر اسکو لئے لئے پھرتے ہیں، موصد یہ ہوتا ہے کہ کہنے والے کی برائی عام ہو، ان لوگوں سے اتنا نہیں ہوتا کہ وہ اس بات کے متعلق کہ دیں کہ شائد اسکی کوئی اور بہتر توجیہ وتفسیر ہو اور ہمیں معلوم نہ ہو، خود اسی سے وہ بات پوچھ لیں

جس نے یہ بات کہی ہو۔ اسکی مراد کیا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ بے ارادہ یہ بات نکل گئی ہوا اور اسکا قصد ایسا نہ ہو۔ ہمیں جب تک پوری بات معلوم نہ ہو خاموش رہیں کسی کو بلا وجہ رسوا نہ کریں۔

(۹) امام ابو مقاتل :۔

اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق خیر اور ثبات قدمی سے نوازیں آپ کو جو صلاحیتیں عطا ہوئیں ہیں باقی رہیں۔ جو کچھ ارشاد فرمایا سمجھ میں آ گیا۔ ایک طالب علم ناوقف آداب سمجھ کر معاف فرمادیں۔ ہاں مجھے تصدیق، معرفت، اقرار، اسلام یقین کے مراتب اور آپ کے نزدیک جو تفسیر ہو اس سے آگاہ فرمائیں۔

امام ابو حنیفہ:۔

گو یہ کلمات مختلف ہیں مگر ان کے معنی ایک ہیاں یعنی ایمان باللہ اسکی صورت یوں ہے کہ انسان اقرار کرے کہ اللہ اسکا رب ہے تصدی قکرے کہ اللہ اسکا رب ہے۔ یقیقن رکھے کہ اللہ ہی اسکا رب ہے اور سمجھے کہ اللہ ہی اسکا رب ہے۔ یہ مختلف الفاظ ہیں لیکن مفہوم صرف ایک ہے جس طرح کسی شخص کو یوں پکارا جائے۔ اے آدمی۔ اے فلاں۔ پکارے والا ایک ہی کو پکار رہا ہے مگر الفاظ بدل کر۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۱۰) امام ابو مقاتل:۔

اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔ اگر مجھے اپنی کم علمی کا احساس نہ ہوتا تو یہاں حضری کیسے ہوتی اگر میری کوئی بات آپ کو ناگور ہوئی ہو تو معاف فرما دیں۔ بیمار کی بیماری کی ذمہ داری اور مشقت طبیب اٹھاتا ہے اور اگر کوئی نابینا ہو تو بینا کو نباہنا پڑتا ہے۔ اسی طرح ایک عالم کو جاہل کے

باعث ہر پریشانی کو گورا کرنا ہوتا ہے۔

مجھے آپ کے ارشاد سے معلوم ہو چکا ہے کہ ایک جاہل شخص جب بھی کوئی بات سنتا ہے تا اسے گھبراہٹ معلوم ہوتی ہے جب اسے تفسیر معلوم ہوتی ہے تو اطمینان کلی ہو جاتا ہے۔

ایمان وتصدیق، یقین واخلاص کی جو تفسیر آپ نے بیان فرمائی بالکلیہ سمجھ میں آ گئی اگر نا گوار خاطر نہ ہو تو ایک بات پوچھوں کہ کیا ہمارے لئے یہ کہنا مناسب ہے کہ ہمارے ایمان ملائکہ اور انبیاء ورسل جیسا ایمان ہے حلانکہ ہم جانتے ہیں
کہ وہ ہم نے یا وہ اللہ تعالی کے مطیع وفرمانبردار ہیں۔

امام ابو حنیفہ:۔

تم جانتے ہو کہ وہ ہم سے زیادہ مطیع وفرمانبردار ہیں اور میں تمھیں پہلے بتا چکا ہوں کہ ایمان اور عمل دو اگل الگ چیزیں ہیں۔ ہمارا ایمان انہیں جیسا ایمان ہے کیونکہ ہم نے واحدانیت رب کی تصدیق کی ہے۔ اسکی قدرت کرتے ہیں اور انہیں چیزوں کی انبیاؤ رسل نے بھی تصدیق کی ہے یہاں سے ہمیں معلوم ہوا کہ ہمرا اوران کا ایمان ایک جیسا ہے۔

(عاجز نے امام صاحب کی عبارت سے ایک مفہوم یہ بھی لیا ہے کہ ہمرا ایمان ملائکہ کے ایمن سے افضل ہے کیونکہ ملائکہ نے اللہ تعالی کے عجائب وغرئب دیکھنے اور جنت دوزخ کی سیر کرنے کے بعد اور اللہ تعالی کے حضور میں رہ کر تصدیق ایمان کی ہے اور ہم نے بغیر دیکھے ہ٠وئے اسکی ربوبیت کی تصدیق کی ہے اس لئے ہم ایمان کے لحاظ سے افضل ہیں)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿ہمارا اور ملائکہ کا ایمان اور اس کی حقیقت کیفیہ﴾

(١١) امام ابو مقاتل:

اللہ تعالی آپ کو بلند مرتبہ عطا فرمائے۔

آپکی وضاحت سے ایمان کی حقیقت پر آگاہ ہو گیا ہوں کہ ہمرا ایمان، یقین، معرفت ملائکہ کے ایمان یقین اور معرفت جیسی ہے لیکن ایک بات وضاحت طلب ہے کہ وہ اللہ تعالی کے ہم سے زیادہ مطیع اور خائف کیوں ہیں؟

اور بعض جہلاء کی یہ بات کہ جب کوئی انسان اپنی لغزشوں پر مصیبت میں مبتلاء ہوتا ہے یا مصیبت کے وقت جزع وفزع کرنے لگتا ہے یا دشمن کے مقابلہ میں بزدلی اختیار کرتا ہے یا خواہشات نفسانی میں مبتلاء ہوتا ہے تو یہ ایمان کی کمزوری اور ضعف یقین کی وجہ سے ہوتا ہے؟

امام ابو حنیفہ:

پہلی بات یہ ہے کہ جاہل لوگ ان چیزوں پر ضعف ایمان کا اطلاق یقین کی تفسیر نہ جاننے کی وجہ سے کرتے ہیں
کسی **چیز کا یقین** اس بات کا نام ہے کہ آپ کو اس چیز کا ایسا یقینی علم ہے کہ اب اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے؛

اور الحمد للہ اہل ایمان میں ایسا کوئی نہیں کہ جس کو اللہ تعالی کے بارے میں یا کتابوں اور انبیا ورسل کے بارے میں شک ہو، چاہے اس نے جس قسم کے گناہوں کا ارتکاب کیا ہو، اور ہم نے دوسروں کو بھی اپنے جیسا خیال کرتے ہیں ہم سے بھی لغزش ہوتی ہے؛ یا مصیبت میں جزع فزع کرنے لگتے ہیں اور دشمنوں کے مقابلے میں کانپ جاتے ہیں۔ مصائب کے ہجوم اور ستم کاریوں کے تلاطم میں گھبرا جاتے ہیں۔ لیکن اس ساری صورت احوال کے باوجود اللہ تعالی اور اسکے رسول اور ملائکہ کے بارے میں ذرا برابر بھی شک وشبہ نہیں ہوتا۔

اور رہی بات کہ وہ ہم سے زیادہ مطیع اور خائف کیں ہیں جبکہ ہمارا یقین اور انکا یقین ایک جیسا ہے؟

تو ہاں انکا اللہ تعالی سے ہمارے سے زیادہ خوف زدہ ہونا اور اس کا مطیع اور فرمانبردار ہونا چند وجوہات کی بنا پر ہے۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ: اللہ تعالی نے انہیں رسالت ونبوت کی نعمت عظمی سے ہم پر فضیلت دی ہے اسی طرح اخلاق حسنہ مصائب کی کثرت میں صبر کی فضیلت بخشی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ: انہوں نے ملائکہ اور اللہ تعالی کی دوسری عجائبات کو دیکھا ہے اور ہم اس دنیا میں ان کے دیکھنے سے محروم ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ: وہ مصیبتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ: انسانوں کو جو مصیبتیں سزا کے طور ملتیں ہیں۔ اسے وہ دیکھتے ہیں اسی وجہ سے معاصی کے ارتکاب سے بچتے ہیں اور اللہ تعالی نے انہیں معصوم بنایا ہے۔ انبیاء ورسل کے علاوہ دنیا میں کوئی ہستی ایسی نہیں جو معصوم عن الخطا ہو اور اس سے گناہ نہ صادر ہوتے ہوں۔

﴿قیاس کی حقیقت اور اس کی امور شرعیہ میں ضرورت﴾

(۱۲) امام ابو مقاتل:

آپ نے جو فرمایا وہ درست ہے آپ بہت عمدگی سے بیان فرما رہے ہیں لیکن مجھے ان کے خوف اور ہمارے خوف؛ ان کے یقین اور ہمارے یقین اور انکی جرات اور ہماری جرات کے بارے میں مثال سے سمجھایئے۔

کیونکہ اگر کوئی جاہل آدمی کسی بات اچھی طرح نہ سمجھ سکے تو مناسب یہی ہے کہ اسے مثالوں سے سمجھایا جائے تا کہ وہ اچھی طرح سمجھ سکے۔

امام ابو حنیفہ:

یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم مثال کے ذریعہ بات سمجھنا چاہتے ہو

ہر وہ شخص جو باہمی مذاکرہ ومباحثہ سے کچھ حاصل کرنا چاہے اسکے لیے یہی

ضروری ہے۔ اور بات سمھ نے کے لیے مثال بہت ضروری ہے

قیاس یا مثال ایک طالب حق کے حق کو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں کسی مسئلہ میں قیاس کی وہی حیثیت ہے جو ایک حقدار کے لیے شاہد عادل کی ہوتی ہے۔ اگر جاہلوں کو انکار حق کی عادت نہ ہوتی تو علماء کو مثال وقیاس میں پڑنے کیا کی کیا ضرورت تھی۔

ہاں تو تم اس کے لئے قیاس کی کوئی صورت چاہتے ہو کہ ہمارا اور ملائکہ کا یقین ایک ہوتے ہوئے بھی وہ ہم سے زیادہ کائف اور متواضع کیوں ہیں؟

اسکی مثال یوں سمجھو کہ دو پیراک ہیں پیرا کی بالکل برابر جانتے ہیں ان میں سے ایک تلاطم خیز دریا میں چھلانگ لگانے میں بہادر ہے اور دوسرا بزدل ہے۔

یا دو آدمی ایک ہی مرض میں مبتلا ہوں طبیب نے پینے کے لیے دونوں کے لیے ایک ہی تلخ دوا تجویز کی ان میں ایک دوا پینے میں ہمت سے کام لیتا ہے اور دوسرا دوا سے جی چراتا ہے

....

قیاس کے لوازمات

امام سرخسی اپنے اصول سرخسی میں فرماتے ہیں: کہ صحابہ کرام اور تابعین اور امت کے صالحین اور تمام ایمہ دین کی رائے یہ ہے کہ ایسے احکام جو منصوصات شرعیہ میں سے ہوں ان پر قیاس کرتے ہوئے احکام اخذ کرنا جائز اور امور شرعی میں سے ہے؛ اور اس کی مخالفت میں حرف زنی کرنے والے سب سے پہلے شخص کا نام

ابراہیم بن السیار النظام معتزلی تھا جو قیاس کی وجہ سے اسلاف پر طعن و تشنیع کرنے میں بڑا جری تھا اور اسی وجہ سے اسلام کے دائرہ سے باہر چلا گیا

اصول سرخسی: دوم ۱۱۹

تو اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ائمہ اسلام کے ہاں ہر دور میں قیاس کو ایک اصول شرعی کے طور پر مقام دیا جاتا رہا ہے اور یہی اللہ تعالی کا اس امت پر ایک عظیم احسان ہے جس سے دین اسلام میں تحریف نہیں ہوسکی ہے ورنہ ادیان سابقہ میں تحریف اس وجہ سے ہوئی تھی کے جدید پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی اصول نہ تھا

اس مسئلہ پر تفصیلی مباحث اصول فقہ کی کتب میں مفصل انداز میں موجود ہیں وہاں ان کا مطالعہ کرنا چاہئے ؛

﴿اعمال کا اجر و ثواب اور اس کی حقیقت﴾

(۱۳) امام ابو مقاتل:

آپ کی تفسیر واقعی بہت بہترین ہے

لیکن مجھے یہ بتایئے کہ اگر ہمارا ایمان انبیاء و رسل کے ایمان کی برابر ہے تو کیا ہمارے ایمان اور ان کے ایمان کا ثواب برابر نہیں؟

اور اگر ایسا ہے تو انہیں ہم پر کس انداز میں فضیلت بخشی گئی ہے؟

جب دنیا میں ایمان برابر ہو جائے تو آخرت میں ثواب یکساں رہنا چاہیے اور اگر ہمرا ثواب کم ہوا تو کیا یہ صریح ظلم نہیں ہے؟ جبکہ ہمارا ایمان تو ان کے ایمان برابر ہو لیکن جب باری ثواب کی آئے تو اس میں فرق ڈال دیا جائے؟

امام ابو حنیفہ:

تمہارا سوال بڑا اہم سوال ہے لیکن جلد بازی میں فتوی زنی سے اعراض کرو؛ کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ ہمرا ایمان اور رسل کا ایمان برابر ہے کیونکہ جن چیزوں پر رسول وغیرہ ایمان لائے انہیں پر ہم بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود ان حضرات کو ہم نہ صرف ایمان بلکہ ہر عبادت کے ثواب میں فضیلت اور فوقیت حاصل ہے، غرض ان کے کام کو دوسروں کے کاموں پر فضیلت بخشی گئی ہے کیونکہ جس طرح ان کو منصب نبوت عنایت کیا گیا ہے اس طرح ان کے کلام انکی نمازوں انکی روزوں انکی رہایش اور انکی آرام گاہوں اور تمام امور زندگانی میں خاص رحمت ربانی شامل ہو کر فضیلت بخشی گئی ہے اسکے باوجود اگر اللہ تعالی نے ثواب کا استحقاق برابر نہیں دیا تو یہ ہم پر ظلم نہیں ہے کیونکہ ظلم حق تلفی کا نام ہے اور اس میں ہمارا حق نہیں دیا گیا بلکہ ہمیں اتنا دیا گیا کہ ہم خوش ہو گئے ہیں تو یہ ہرگز ظلم نہیں ہے۔

اور باقی رہا معاملہ انبیاء و رسل کا تو انہیں دنیا میں میں بھی سب پر فضیلت ہے کیونکہ وہ اعمال خیر کا قائد ہیں اللہ تعالی کی رحمتوں کے امین ہیں، اور لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جو اپنی عبادت، خوف خدا، خشوع و خضوع میں اور اللہ تعالی کی رضامندی کے لئے تکالیف برداشت کرنے میں ان کی برابری کر سکے اور اسی طرح اللہ تعالی کے حکم کے بعد انہی کی وجہ سے ان سب کو ایسا اجر دیا جاتا ہے کہ جو ان سب لوگوں کے دخول جنت کا سبب بن جاتا ہے۔

☆ ﷲ ﷲ ﷲ ﷲ ﷲ ☆

﴿یقینی عذاب اور یقینی بخشش الٰہی کا معیار﴾

(۱٤) امام ابو مقاتل:

آپ نے مسئلہ عدل و انصاف کے ساتھ واضح کر دیا ہے اللہ تعالی آپ کو اس کے بدلہ میں جنت عطا فرمائے اس مسئلہ میں اطمینان ہو گیا ہے

لیکن ایک دوسری بات میں آپ سے عرض کروں کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ شرک کے علاوہ کسی گناہ کبیرہ کی وجہ سے یقیناً عذاب الٰہی کا موجب

ہوگا؟

یا آپ کے خیال میں یہ سب معاف کردئے جائیں گے اوراگرسب نہں تو جوبعض اس میں سے بخشے جائیں گے وہ کون سے اعمال ہیں جو بخشے جائیں گے

امام ابو حنیفہ:

گناہوں میں سے شرک کے علاوہ میں کوئی گناہ ایسانہیں جانتا جس پر اللہ تعالی یقینی طور سے عذاب دیں گے اور نہ ہی میں اس بات کے بارے میں گواہی دے سکتا ہوں کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو شرک کے علاوہ کسی اور گناہ پر یقینی طور سے عذاب دیں گے؛ اوران میں سے بعض تو ایسے ہیں ان کو اللہ تعالی معاف فرمادیں گے لیکن انکی تعیین نہیں کرسکتا کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

﴿ان تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سياتكم﴾(النساء:۳۰)

اگرتم پرہیز کروان بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم مٹادیں گے تمہارے چھوٹے گناہ؛

اب میں آپ کوتمام کبائر اور سیئات نہیں بتا سکتا کہ ان میں کون بخشے گئے ہیں ہیں اور کون نہیں اور کون سے نہیں بخشے گئے کیون کہ ہوسکتا اللہ تعالی شرک کے علاوہ ہر گناہ بخش دیں کیونکہ ارشادخداوندی ہے

﴿ان الله لا يغفران ان يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء ﴾ (النساء:٤٧)

بے شک اللہ تعالی اس بات نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اوراس کے سوااور جتنے گناہ ہیں جس کے لیے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے

اور مجھے یہ بات نہیں معلوم کہ اللہ تعالی بندوں میں سے کس کی بخشش چاہیں گے اور کس کی بخشش نہیں چاہیں گے

☆ ﷻ ﷻ ﷻ ﷻ ﷻ ☆

﴿مرتکب کبیرہ اور صغیرہ کی مغفرت کا حکم﴾

(۱۵) امام ابو مقاتل:

کیا تو یہ نہیں جانتا کہ ہوسکتا ہے اللہ تعالی قاتل کی مغفرت فرمادیں اوراوراس عمل کے دیکھنے والے کو عذاب دیں اور کیا آپ ان دونوں کے بارے میں یکساں طور پر امیدوار مغفرت نہیں؟

امام ابو حنیفہ:۔

میں تو یہ جانتا ہوں کہ اگر اللہ تعالی قاتل کی مغفرت فرمادیں تو صرف دیکھنے والا اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی بخشش ہو؛ اوراگر دیکھنے والا عذاب کا مستحق ہے تو قاتل اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کو عذاب ہو کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

﴿ان اکرمکم عندالله اتقاکم﴾(الحجرات:۱۲)

بے شک تم میں سے اللہ تعالی کے نزدیک سب سے زیادہ قابل تکریم وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اور چونکہ دیکھنے والے نے قتل میں حصہ نہیں لیا اس لئے یہ قاتل کی نسبت بچاو کا زیادہ حق دار ہوگا۔

رہی دونوں کے لئے مغفرت کی امید تو:

اس مغفرت کے بارے میں میرے نزدیک دونوں برابر نہیں کیونکہ گناہ کے کے بارے میں صغیرہ گناہ والا شخص زیادہ امید اور مغفرت ہے اس

سے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب شخص امیدوار مغفرت ہو اور اگر چہ میں ان دونوں کے بارے میں اللہ تعالی سے عذاب اور گرفت کا خوف تو ہے مگر گناہ کبیرہ والا شخص زیادہ عذاب خداوندی میں زیادہ خوف میں ہے بنسبت اس شخص کے جو گناہ صغیرہ کا مرتکب ہے۔

اسکی مثال یوں سمجھو کہ

دو شخص پانی میں گھسے ایک تو چھوٹی سی نہر میں کودا اور دوسرے نے سمندر میں

چھلانگ لگا دی تو میرے نزدیک اگر چہ غرق ہونے اور بچاؤ کے بارے میں دونوں کی امید تو کی جا سکتی ہے مگر سمندر میں کودنے والے کو ڈوبنے کا زیادہ خطرہ ہے اور نہر والے ڈوبنے کا کم خطرہ ہے۔ اور میں نہر میں کودنے والے کے بارے میں بچاؤ کا زیادہ امیدوار ہوں بنسبت سمندر میں کودنے والے کے

اسی طرح گناہ کبیرہ کے مرتکب پر عذاب کا زیادہ خوف ہے اور صغیرہ والے سے اور صغیرہ والا گناہ کبیرہ والے کے زیادہ امیدوار مغفرت ہے اور میں ان دونوں کے اعمال کے مطابق انکے لئے پرامید مغفرت بھی ہوں اور اللہ تعالی کی طرف سے عذاب کا خائف بھی ہوں۔

☆ ﷲ ﷲ ﷲ ﷲ ﷲ ☆

﴿تبراء کا حکم؛ شرک کی حقیقت﴾

(١٦) امام ابو مقاتل:۔

آپ نے جو مثال پیش فرمائی وہ بے حد پسند آئی ہے

اب تھوڑی اور جرأت کروں گا اور آپ سے وہ پوچھوں کا کہ گناہ کبیرہ کے

مرتکب پر استغفار زیادہ اچھا ہے یا اس پر لعنت کرنا، یا دعا کرنے یا استغفار اور لعنت کرنے میں اختیار ہے جو چاہیں اختیار کر لیں مہربانی فرما کر اس کی وضاحت فرما دیں؟

امام ابو حنیفہ:

دیکھو! شرک کے علاوہ گناہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جس کا تعلق تم سے ہو اور ایک وہ جس کا تعلق صرف اللہ تعالی سے ہو؛ اور ان دونوں میں سے بندہ جس کا ارتکاب کرے اس کے لیے دعا اور استغفار ہی افضل ہے اور اگر تم نے اس پر لعنت کی تو بھی تم گنہگار نہ ہو گے؛ اس کی مثال ایسے ہے کہ کسی شخص نے تم سے زیادتی کی اور تم نے اسے معاف کر دیا اور بددعا نہیں کی تو زیادہ اچھا ہے۔

اور اگر گناہ بندہ اور خالق کے مابین ہے لیکن شرک کے علاوہ ہے تو جو اس نے اللہ تعالی کی گواہی کی تکریم کرتے ہوئے اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا افضل ہے اور اگر اس کے لئے ہلاکت اور بربادی کی دعا کی تو بھی گنہگار نہ ہو گے؛

یہ تو کہہ سکتے ہو کہ خداوند اس کے گناہ کا بدلہ لے، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ خداوندا بلا وجہ اس کو مصائب میں مبتلا کر دے ایسا کرنے سے سخت گناہگار ہو گے؛

اس کے لئے استغفار کی افضلیت کی دو وجہیں ہیں

(۱): ایک وجہ تو اس کے لئے استغفار اس لئے افضل ہے کہ وہ مؤمن ہے؛

(۲): اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تمہیں اس بات کا یقین نہیں ہے اللہ تعالی اس کو عذاب دیں گے؛ اور اگر آپ کو اس بات کا یقین ہو کہ اللہ تعالی اس کو عذاب دیں گے تو اس کے لئے دعا و استغفار حرام ہے کیونکہ جس شخص کے لئے دوزخ ضروری قرار دی گئی ہو اللہ تعالی نے اس شخص کے لئے

دعا اور استغفار سے منع فرمایا ہے اور اگر کسی نے اس شخص کے لئے دعا اور استغفار کی تو گویا اس نے اللہ تعالی سے وعدہ خلافی کا سوال کیا؛ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص اللہ تعالی سے سوال کرے اے اللہ مجھے موت نہ دینا جبکہ اللہ تعالی ارشاد فرما چکے ہیں

﴿ کل نفس ذائقة الموت ﴾(العمران : ۸٤)

ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے

لہذا جس شخص کے لئے اس قسم کی مغفرت کی شہادت اور گواہی مل جا تو اللہ تعالی کے ہاں شہادت اور اقرار کی حرمت اور تکریم کے پیش نظر اس کے لئے دعا کرنا ہی زیادہ افضل ہے؛

کیونکہ اللہ تعالی کے لئے کوئی بھی اطاعت اس کی شہادت اور گواہی دینے سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی کیونکہ اللہ تعالی کی گواہی کے مقابلہ میں دیگر تمام فرائض کی حیثیت اتنی بھی نہیں ہے جتنی ساتوں آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور دوسرے پلڑے میں ایک انڈے سے بھی چھوٹی کوئی چیز رکھی جائے تو اس کی برابری نہیں ہوسکتی

اسی لئے ہم کہتے ہیں جس طرح دنیا میں شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے اسی طرح اللہ تعالی کی گواہی دینے سے بڑی اطاعت ہے اور اجر والی کوئی چیز نہیں ہے اللہ تعالی شرک کے بارے میں جو کچھ فرمایا کسی اور گناہ کے بارے میں ارشاد نہیں فرمایا ہے، لہذا ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿ انّ الشركَ لظلمٌ عظيمٌ ﴾(لقمان:۱۳)

بے شک شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے؛ اس قسم کے کلمات اللہ تعالی نے کسی گناہ کے بارے میں نہیں کہے؛

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے

﴿ومن يشرك بالله فكأنّماخرّ من السّماء فتحطفُه الطّيراوتهوى به الرّيح فى مكانٍ سحيقٍ ﴾(الحج:۳۰)

اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہو تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا اسکو ہوا نے دور دراز جگہ میں لے جا پٹکا

اسی طرح ایک اور جگہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں

﴿تكادالسّموت يتفطرون منه وتنشقّ الارض وتخرّالجبال هدًّا ؛ ان دعوا للرّحمن ولداً ﴾(مریم:۸۹)

کہ یہ بات بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑے اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر گر پڑیں کفار کی اس بات کی بناء پر یہ لوگ اللہ تعالی کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں

اس قسم کی آیات تو اللہ تعالی نے قتل اور دوسرے بڑے گناہوں کے متعلق ن بھی نازل نہیں فرمائیں جو شرک کی مذمت کی غرض میں نازل فرمائی ہیں

☆﴿﴾﴿﴾﴿﴾﴿﴾﴿﴾☆

(۱۷) امام ابو مقاتل:۔

اس مذاکرہ نے تو میری رغبت اور بڑھا دی اسکے بدلے میں اللہ تعالی آپ کو تمام مسلمانوں کی جانب سے احسن جزاء عطا فرمائیں۔

آپ تمام مسلمانوں کے بارے میں خواہ نیک سیرت ہوں یا خطا کار نہایت ہی بہتر فکر و عمل رکھتے ہیں؛

اور آپ مرتبہ میں ان سے بلندترین ہونے کے باوجود نہایت اعلی درجہ کی محبت رکھتے ہیں
لیکن اس بات سے مجھے آگاہ فرمائیں کہ کیا آپ مجھے اہل عدل کے بارے میں کچھ بتائیں گے کہ کیا ان میں باہم دگر مراتب وفضیلت اور شرافت کے لحاظ سے کوئی فرق پایا جاتا ہے؟

امام ابو حنیفہ:۔

اس بارے میں بات یوں ہے کہ جہاں تک شعائراللہ اوراللہ تعالی کی حرمات کاتعلق ہے اس میں تمام اہل عدل متفق بھی ہیں اور مساوی بھی ہیں اور جہاں تک فضیلت کی بات ہے: وہ اپنے اپنے اعمال کی بناپر ہےاوراسی لئے اس میں فرق مراتب ہے؛
کچھ لوگ ہیں کہ حرمات اللہ کی تعظیم وتکریم کے باب میں جحت کی دولت سے سرفراز ہیں۔ان کو بارگاہ ربانی سے دعا اور توجہ کا گہرا تعلق ہے۔اس کی راہ میں ذمہ دارانہ اقدام کرتے ہیں۔امت کے حال پر عمیق نظر ہے ہر وقت اسی کی فکر
ہے۔مسلمانوں کی بلند و برتر دیکھنے کی تمنا میں جیتے ہیں۔ان پر آئی ہوئی بلاؤں کو اپنے سر لیتے ہیں۔۔۔جیسے دشمن کے مقابل کوئی لشکر ہوتا ہے کہ دشمن کے استیصال پر پورالشکر متفق ہے۔لیکن حرب چھوٹے بڑے فنون سپہ گری کی مہارت جنگی تدابیر، مالی ایثار، جانثاری اور تحیص وترغیب جیسے اعمال وکردار پر موقوف ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۱۸) ابو مقاتل:۔

واللہ، اس بہتر طریقہ پر اور کوئی کیا سمجھائے گا۔قیاس اور انطباق قیاس اسکو کہتے ہیں یہ تو فرمایئے کیا مؤمن ارتکاب کبیرہ سے اللہ کا دشمن ہو جات ہے؟

امام ابو حنیفہ:۔

مؤمن خواہ کتنا بھی کبیرہ کا ارتکاب کرے اللہ تعالی کا دشمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ توحید کا دامن نہ چھوڑے کیونکہ دشمن کو دشمن سے بغض ہوتا ہے وہ کبھی اسے اپنا سمجھنے پر آمادہ نہیں ہوسکتا۔یہ سچ ہے کہ مؤمن کبھی مرتکب کبیرہ ہوجاتا ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالی ہی اسے سب سے زیادہ محبوب رہتے ہیں، اسکا تجربہ اس طرح ہوسکتا ہے صکہ ایک گناہگار سے اگر کہا جائے کہ تم سچے دل سے کافر ہو جاؤ، خدا پر افترادرازی کرو ورنہ نذرآتش کردیے جاؤگے۔۔۔۔تو انشاءاللہ مجھے اسکے ایمان پر بھروسہ ہے کہ وہ آگ میں جل جائے گا مگر دل
سے کافر نہ ہوسکے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالی کو سب سے زیادہ محبوبومقصود سمجھتا ہے۔اوراسکا عملی مظاہرہ بھی کرسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۱۹) امام ابو مقاتل

بجاارشاد ہوا، لیکن اگر اس مؤمن کا جل مجدہ تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں تو نافرمانی کیوں کرتا ہے کیا کوئی ایسا کرسکتا ہے کہ کسی ذات کو اپنے لئے سب کچھ سنجھتا ہے اور پھر اس کے اوامر سے روگردانی کرتا ہے۔

امام ابو حنیفہ

ہاں ایسا ہوتا ہے بیٹے کو باپ سے زیدہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی پھر بھی نافرمانی کرتا ہے اسی طرح مؤمن کو اللہ تعالی نافرمانی کے باوجود سب سے زیادہ محبوب ہیں اور معاصی کے ارتکاب تو خواہشات کے غلبہ کی وجہ سے کرتا ہے اسکی مثال ایک اور طرح سے سمجھو کہ ایک شخص بادشاہ کا خادم ہوتا ہے یا گورنر ہے۔ کسی وجہ سے بادشاہ اسے معزول کر دیتا ہے، عبرتناک سزا دیتا ہے لیکن پیر
عہدہ پر بحال کر دیا جدی گیا تو پھر وہی حرکت کرے گا، حالاں کہ سب کچھ جانتا ہے۔
دیکھو عورت کے لیے ولادت سے زیدہ اور کیا تکلیف ہوسکتی ہے پھر بھی اس سے فرغت کے بعد بچے کی خواہش کرتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۲۰) امام ابو مقاتل

بالکل صحیح ہے، بشریت کی وجہ سے کتنے عابد اور متقی مصلوب ہو گئے، سیدنا آدم و داوٴد علیہما السلام پر بھی بشریت کا غلبہ ہوا لیکن مجھے اس مؤمن کے بارے میں بتائیے جو عذاب کو خوب جانتا ہے کیا یہ بھی معصیت کا رتکاب کرسکتا ہے؟

امام ابو حنیفه

ہاں عذاب اور سزا کو جانتے ہوئے ارتکاب کرسکتا ہے لیکن اسکے دو باعث ہیں ایک تو اسے امید رہتی ہے کہ بخشش ہو جائیگی دوسرے یہ کہ وہ بیماری اور موت سے پہلے توبہ کر لے گا
انجام سے بےخبر افعال کا ارتکاب

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۲۱) امام ابو مقاتل

تو کیا کوئی شخص ایسی حرکت کرسکتا ہے کہ جس کا انجام بد اس قطعی معلوم ہو؟
کفر کی تعریف اور تشریح

امام ابو حنیفه

۔۔۔۔ہاں کر لیتا ہے بسا اوقات انسان سمجھتا ہے کہ کھانا یہ پینا یہ قتال اور دریا میں اترنا نقصان دہ ہے پھر بھی اقدام کرتا ہے، اگر دریا میں لکودنے والے کو غرق سے نجات کی امید نہ ہوتی جنگ کرنے والے کو غلبہ پانت کا یقین نہ ہوتا، تا دریا میں کودنے اوت جنگ میں شرکت کا اقدام کبھی بھی نہ کرتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۲۲) امام ابو مقاتل

بالکل درست فرمایا میرے ساتھ بھی اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ میں سمجھ لیتا ہوں کہ یہ کھانا میرے لیے نقصان دہ ہے پھر بھی کھا لیتا ہوں، بعد مُن پچھتا تا ہوں اور ہمیشہ کے لیے عہد کر لیتا ہوں کہ اب ایسا نہ کرونا گ لیکن پھر جب سامنے آتا ہے تو صبر نہیں کر ہو پاتا ہاں مجھے

آپ کفر کی تعریف اور تشریح بھی بتا دیں نوازش ہوگی۔

امام ابو حنیفہ

کفر ایک خاص فعل کا نام ہے جو اپنے سوا کسی دوسرے اسم پر نہیں بولا جاتا۔ کفر
کی تفسیر یہ ہے کہ کفر انکار وجحود اور تکذیب کو کہتے ہیں۔ کفر خالص عربی زبان کا لفظ ہے اہل زبان اسکو انکار کے موقع پر بولتے ہیں۔، قرآن کریم
عربی مبین میں نازل ہوا اس لئے یہی معنی اختیار کرنے پڑیں گے۔
مثلاً کسی شخص نے کچھ روپیہ قرض لیے اور وقت مقررہ پر جب قرض خواہ نے طلب کئے تو اس نے قرض کا اقرار تو کرلیا لیکن ادا نہیں کیا اب یہ قرض
خواہ یوں کہ سکتا ہے کہ اس نے میرے ساتھ ٹال مٹول کی لیکن یہ نہیں کہ سکتا کافرنی، کہ اس نے انکار کیا، اسی طرح مؤمن جب کسی فرض کو بغیر
انکار چھونے کے ساتھ ساتھ انکار بھی کر دیا تو وہ اللہ تعالی کے فرئض کا منکر ہے اور اب کافر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۲۳) امام ابو مقاتل

منکر کو منکر، مصدق کو مصدق اور خطا کار کو خطا کار اگر کہا جاتا ہے تو بجا طور پر کہا
جاتا ہے لیکن ایک شخص توحید اللہ تعالی کا اقرار تو کرتا ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتا ہے کیا مؤمن ہو سکات ہے؟

امام ابو حنیفہ

اولا تو ایسا ہو نہیں سکتا اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو اا یسا شخص کافر ہے، وہ بالکل جھوٹ بولتا ہے کہ اسے توحید اللہ غرا سمہ کا اقرار واعتراف ہے
اللہ تعالی کا
منکر ہی نبی کا کریم ﷺ کا منکر ہوسکتا ہے یہی اسکے کفر کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ یہ نہیں کہ آنحضور ﷺ کے انکار کی وجہ سے کافر ہو۔ نصاری
آنحضور ﷺ کا انکار کر یت ہیں مگر ان کا کفر اس لئے ہے کہ انھوں نے ایک ایسی ذات کے لئے اولا دٹھہرای جو اس عیب سے پاک ہے، انھوں
نے اس کو ثالث ثلاثہ میں (تین کا ایک گروہ) گردانا یہی کفر ہے۔
اسی طرح یہود کا معاملہ ہے کہ انھوں نے اک ایسی ذات غنی کے ساتھ کفر کیا جو کبھی محتاج و دست نگر نہیں۔ ایک ایسے جواد و دخی کے ساتھ کفر کیا جو
بخل سے کوسوں دور ہے اک ایسے رب کے ساتھ کفر کیا جو صاحب اولا دنہین، اک ایسے بادشاہ کے ساتھ کفر کیا جسکا کوئی میثل نہیں، ان لوگوں
نے خداوند ذوالجلال کو کو فقیر کہا، بخل کے باعث اسکے ہاتھوں کو بندھے ہوئے کہا، سیدنا عزیر علیہ السلم کو اسکا فرزند کہا اسکو انسان کا ہم شکل کہا اولا
انھوں نے کفر بللہ کیا جسکا ایک نتیجہ کفر بالسول بھی ہے۔ ہیہ صورت حال ان لوگوں کی ہے جو چاند سورج یا آگ کو پوجتے ہیں کہ اللہ تعالی کے
ساتھ کفر پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ کفر ہے۔
ارشاد ربانی ہے

﴿وما يحجد بأياتنا الا الكافرون﴾ (العنکبوت:۴۶)

اور ہماری آیتوں سے بجز (ضدی) کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

﴿فلاوربك لايومنون حتى يحكموك فيماشجر بينهم ثم لا يحدوا فى انفسهم حرجاماقضيت ويسلموتسليما﴾(النساء:٦٥)
پھر قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہونگے جب تک یہ بات نہ ہو کہ انکے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں پھر آپ اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیام کریں
اب جو شخص یہ دعوی کرے کہ وہ موحد ہے تو اسکو منکر رسول ہونے کی وجہ سے کافر کہیں گے۔اسکی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص نے کہا کہ وہ بیس سیر غلہ اٹھا سکات ہے اور ہم دیکھ رہے ہٰں کہ وہ دو سیرا ٹھانے سے بھی مجبور ہے تو بھلا بیس سیر کیسے اٹھائے گا یا ایک شخص یوں کہے کہمئں اللہ تعالی کو حق جانتا ہوں لیکن مجھے اس کا اقرار نہیں کہ انسان
اللہ تعالی کی نشانوں سے انکار براہ راست انہیں کی ذات سے انکار ہے، رسول کا وجود بھی اک نشانی ہے اور زبردست نشانی ہے جیسا کہ موخر الذکر آیۃ سے صاف ظاہر عیاں ہے اس لئے انکار رسول۔انکار رب ہے۔
اسی کی مخوق ہے ہم کہیں گے کہ یہ جھوٹا ہے اگر یہ اللہ تعالی کو پہچان لیتا ہے تو اس کو یقین ہوتا کہ اللہ تعالی کے سوا جو کچھ ہے مخلوق ہے یا ایک شخص کے سامنے چراغ بھی ہے اور بالکل قریب ہی آگ بھی بھڑک رہی ہے، کہتا ہے چراغ تو دیکھ رہا ہوں لیکن یہ سینکڑ وں تن لکڑیوں میں جو آگ لگ رہی ہے وہ نظر نہیں آتی تو تم اسے یقیناً جھوٹا کہو گے کیونکہ اگر وہ چراغ دیکھتا تو آگ کا دیکھنا ضروری تھا کہ آگ اس چرغ سے زیادہ روشن ہے،

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿انبیاء کی تصدیق کے باوجود ارادہ قتل﴾

(٢٤) امام ابو مقتل

یہ مسئلہ تو واضح ہوگا ی اب اس شخص کے باب میں کیا ارشاد ہے جو رسول سے یہ کہتا ہے کہ جانتا ہوں آپ رسول برحق ہیں، مگر میرا جی چاہتا ہے آپ کو قتل کردوں

امام ابو حنیفه

۔۔۔۔۔یہ مسائل تعنت پیشہ لوگوں کے ہیں ورنہ یہ محال ہے کہ ایک شخص
جانتا ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں پھر بھی قتل اور موت یا تکلیف پہچانے کی خواہش ہو۔اسکی مثال تو اس آدمی جیسی ہے جو اپنے ساتھی سے کہ رہا ہے کہ تم مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو لیکن جی مچا ہتا ہے کہ تمہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے تمھارا گوشت کھا جاؤں۔
کوئی ایسا شخص نہیں جو اللہ تعالی کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کا قائل ہو اسکے باوجود در پے آزار ہو۔اگر یہ شخص اللہ اور اسکے رسول کو واقعی جانتا ہے تو قتل تو درکنار یہ تو معمولی سے معمولی بات انکے حق میں گوارا نہیں کر سکات۔یہ تو اس کے لیے سارے جہاں سے زیادہ عزیز اور محترم ہیں۔عیب و انتقاض کے پیش نظر یہ آپ کو اعرابی یا تنگدست بھی نہیں کہ سکات
اللہ تعالی کا ارشاد ہے؛

﴿من يطع الرسول فقد اطاع الله﴾(النساء:٧٩)
جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالی تعالی اطاعت کی

کیونکہ اللہ تعالی نے رسول ﷺ کوانس وجن اور تمام مخوق کا قائد بنایا ہے اور فرائض وسنن کا امین بنایا ہے۔۔۔ارشاد ہے؛

﴿وما اتا کم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا﴾(الحشر:٦)

اور رسول تم کو جو کچھ دیں وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لینے) سے تم کو روکیں (اور بعموم الفاظ یہی حکم ہے۔افعال اور احکام میں بھی تم رک جایا کرو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿معرفت اللہ کے بعد اللہ کی اولاد کا معترف ہونا﴾

(۲۵) امام ابو مقاتل

آپ نے مجھے بصیرت عطا کی اللہ تعالی آپ کے راستہ کو قیامت میں منور رکھے۔یہ بتائیں کہ جو شخص اللہ کی معرفت کا اقرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جی چاہتا ہے اللہ تعالی کی اولاد کا قائل ہو جاؤں اس کے باب میں کیا کہا جائے گا؟

امام ابو حنیفه

کیا یہ مسئلہ اور اوپر والا مسئلہ دونوں ایک نہیں ہیں۔یہ اور اسی قسم کے دوسرے متعنتین کے سوالات بھی تھے۔لیکن ایک بات بتاؤ کہ؟ کیا تم کہ سکتے ہو،میت مختلم ہوتی ہے۔اگر تم یہ نہیں کہ سکتے تو اک موحد غراسمہ کے لئے اولاد کا مقر ومعترف نہیں ہوسکتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿قدیم نفاق اور کفر اور آج کے دور میں فرق﴾

(۲۶)امام ابو مقاتل

بخدا یہ شر پسندوں کے سوالات ہیں اس میں مجال گفتگو نہیں۔کیا آج کے نفاق ااا اور پہلے کے نفاق اور آج کے کفر اور پہلے کے کفر میں کچھ فرق ہے؟

امام ابو حنیفه

۔۔۔آج کا نفاق پہلے جیسا نفاق ہے اور آج کا کفر پہلے ہی سا کفر ہے کیوں کہ آج کا اسلام بھی پہلے جیسا اسلام ہے۔سنو کہ اب تمھیں نفاق اولین کی حقیقت بتا رہا ہوں کل نفاق کی حقیقت یہ تھی کہ زبانی تصدیق ق ایمان ہو جائے اور دل شریک تصدیق وایمان نہ ہو۔یہ صورت جن لوگوں میں کل تھی آج بھی ہے اور باری ۸ تعالی کا نفاق اور منافق کے بارے میں یہ ارشاد ہے

﴿اذا جاء ك المنافقون قالوانشھدانك لرسول لله﴾(المنافقون:١)

جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (دلسے) گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اسکے بعد ان بدنصیبوں کی تکذیب اور تردید فرماتے ہیں۔

﴿والله یعلم انك لرسول والله یشھد ان المنافقین لکذبون﴾ (المنافقون:١)

اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (اسمیں تو انکے قول کی تکذیب نہیں کی جاتی) اور (باوجود اسکے) اللہ گواہی دیات ہے کہ منافقین (اس کہنے میں) جھوٹے ہیں۔

انکی تکذیب جھوٹ بولنے کی وجہ سے نہیں کی گئی بلکہ مدار تکذیب دل اور زابن کا انحراف ہے کچھ دل میں تھا زبان پر نہ تھا۔اسی کو اللہ تعالی فرما

رہے ہیں۔

﴿اذا لقو الذین امنو قالوا امنا اذا خلو االی شیاطینهم قالواا نا معکم انما نحن مستهزون﴾(البقرۃ:)

اور جب ملتے ہیں وہ منافقین ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں بے شک ہم تمھارے ساتھ ہیں ہم تو صرف استہزا کیا کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿کافر اور مؤمن کہنے کی وجہ﴾

(۲۷) امام ابو مقاتل۔

بالکل صحیح ہے یہ بالکل انصاف کی بات ہے؛

اب آپ مجھے یہ بتایئے کہ اللہ تعالی نے انسانوں کو اپنی کتاب میں مؤمن اور کافر کیوں کہا ہے؟ اور ہم اپنی زبانوں سے یہ الفاظ کیوں کہتے ہیں؟

امام ابو حنیفه

انسانوں کو اللہ تعالی تعالی مؤمن اور کافر اسی لئے فرماتے ہیں کہ وہ دلوں کی پوشیدہ باتوں سے بخوبی آگاہ ہیں اور ہم انکی زبان سے تصدیق اور تکذیب کے طور طریق دیکھ کر مؤمن یا کافر ہونے کے بارے میں کہتے ہیں گر کچھ لوگوں کے بارے میں صرف یہ جانتے ہوں کہ مساجد میں آتے جاتے ہیں اور قبلہ رو ہو کر نماز پڑھتے ہیں تو انہیں مسلمان کہیں گے انہیں سلام کریں گے چاہے وہ اتفاق سے یہودی اور نصرانی ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح عہد رسول میں منافقوں کا ظاہری حال دیکھتے ہوئے مسلمان ان کو بھی مسلامن ہی کہتے تھے اور وہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں کافر ہی تھے۔ کیونکہ اللہ تعالی کو انکی دلی تکذیب معلوم تھی۔ یہیں سے ہم یہ سمجھے کہ ہم لوگوں کے ظاہر حال کو دیلکھتے ہوئے مسلامن کہیں خواہ وہ بارگاہ خداوندی میں کافر ہوں، اسی طرح ہم دوسرے لوگوں میں کفار کے طور طریق دیکھ کر انہیں کافر کہیں گے خواہ وہ بارگاہ الٰہی میں مؤمن ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ہم سے چھپ کر نماز پڑھتے ہوں۔

چوں کہ یہ تمام حلات ہم سے پوشیدہ ہیں اسی لئے ہم سے اللہ تعالی اسکا مواخذاہ نہیں کریں گے۔۔ دلوں کے پوشیدہ اسرار جاننے کے ہم مکلّف نہیں، ہاں اسکے مکلّف ضرور ہٰں کہ لوگوں میں اس کے طور طریق دیکھ کر ان سے محبت

کرین۔ انکے ساتھ اسلامی سلوک کریں اور اگر ظاہری حالات خراب ہوں تو ان سے دور رہیں واللہ اعلم بالسرئر۔ اور یہی حکم کراما کاتبین کو بھی ہے کہ وہ صرف لوگوں کے ظاہری حالات دیکھیں کیونکہ حلات قلب صرف اللہ ہی جانتے ہیں یا رسول جانتے ہیں اگر انہیں بذریعہ وحی بتا دیے گئے ہون، اگر کسی نے بلا وحی یہ دعوی کیا کہ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے تو گویا وہ علم الٰہی می ۹ں شرکت کا مدعی ہے۔ اسکے ساتھ اگر وہ کسی اور غائب چیز کے معلوم ہونے کا مدعی بھی ہے تو کافر اور لائق دوزخ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۲۸) امام ابو مقاتل

آپ نے بالکل عادلانہ اور درست بات فرمایا ہے!

ارجاء کی حقیقت

اب مجھے یہ بتائیں کہ ارجاء کا اصل مفہوم کیا ہے؟ اور کن لوگوں کے بارے میں حتمی فیصلہ دینے میں تاخیر اور اللہ تعالی سے ارجاء کی جا سکتی ہے؟

امام ابو حنیفہ

اصل کے لحاظ سے ارجاء کی ابتدا ملائکہ سے ہوتی ہے، جب اللہ تعالی نے ملائکہ کے سامنے چند اسماء پیش کیئے تا کہ ان کا مفہوم معلوم فرمائے؛ اور اللہ تعالی نے کہا:

﴿انبؤنی باسماء ھؤلاء﴾ (البقرۃ۳۰)

یعنی: اللہ تعالی نے فرمایا: مجھے ان چیزوں کے نام (اور ان کے آثار اور خاصیات بتاؤ) تو ملائکہ غلطی کے ڈر سے خاموش رہے؛ کہ بلا علم کوئی بات کہیں مگر اس پر ان سخت افسوس تھا؛ پھر کسی قدر توقف کے بعد جواب دیا کہ:

﴿سبحانك لا علم لنا الّا ما علمتنا﴾ (البقرۃ:۳۱)

اے اللہ! آپ تو پاک ہیں؛ ہمیں تو آپکے دئے ہوئے علم کے سواء کوئی علم نہیں ہے؛

ملائکہ اس جاہل آدمی کی طرح اپنی طرف سے بات نہیں بناتے؛ جیسے کوئی شخص کسی جاہل آدمی سے مسئلہ پوچھے اور وہ اس بارے میں بالکل نہ جانتا ہو اس کے باوجود جواب دینے کے لئے بول پڑے؛ اور کسی دوسرے کی پرواہ بھی نہ

کرے کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچے گا؛ اب اگر اس نے بالکل صحیح جواب نہ دیا تو اس کو خطاء کار کہہ کر اسکی جان بخشی ہو جائے گی؛ اور اگر اس نے درست جواب دیا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے کوئی اچھا کام سرانجام دیا ہے۔ کیونکہ اس نے جو کہا وہ بات بلا سوچے سمجھے اور بغیر علم کے اڑائی ہے، اب اگر موقعہ پر جا لگی تو اسکا تیر اور نہ لگی تو تکّہ ہے؛ اسی وجہ سے اللہ تعالی نے حضور ﷺ کو حکم فرمایا؛

﴿ولا تقف مالیس لك به علم﴾ (الاسراء:۳۵)

یعنی آپؐ اس چیز کے درپے نہ ہوں جس کو آپ کو خود نہ جانتے ہوں اور آپکے پاس اس کا یقینی علم نہ ہو۔ اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ انّ السمع و البصر والفؤاد کلّ أولئِك کان عنه مسئولاً﴾ (الاسراء:۳۵)

کیونکہ کانوں؛ آنکھوں اور دل کے بارے میں ہر شخص سے (قیامت کے دن) پوچھ گچھ ہوگی۔ آپ ﷺ کو اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ آپ یقین کامل کے بغیر کسی سے کے بارے میں کوئی بات کریں؛ یا اس سے دشمنی مول لیں؛ یا پھر دوسرے لوگوں پر کسی یقین کے بغیر محض شک اور اندازے سے بہتان لگائیں یا عیوب جوئی میں لگے رہیں؛ اب سوچو جب معاملہ انبیاءؑ کے ساتھ اس قدر احتیاط کا ہے؛ تو ان لوگوں کا کیا بنے گا جو بلا کسی یقینی بات کے صرف اپنے اندازے اور تخمینے یا کشف وخیال سے کسی کے بارے میں عیب جوئی کرتے اور بہتان لگاتے ہیں۔

ارجاء پر توقف کی تفسیر

اور ارجاء پر توقف کی تفسیر یہ ہے کہ: جب کوئی شخص تم سے ایسی بات پوچھے جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں کہ آیا یہ حلال ہے یا حرام ہے؛ یا پرانے زمانے میں گذرے لوگوں کی بارے میں کوئی سوال کرے تو: تم اس کے جواب میں اپنی طرف سے اندازہ لگانے کی بجائے اس کو یہ جواب دو اللہ اعلم ۔یعنی اس کے بارے میں اللہ تعالی زیادہ جانتا ہے؛ اور اسی طرح جب آپ کے پاس تین آدمیوں کا گروہ کوئی بات دریافت کرنے کے لئے آئے؛ اور اس کے بارے میں آپ کو معلوم نہ ہو اور نہ اس کا جواب تجربہ اور قیاس کی بناء پر ہی ہو سکے تو اسکو اللہ کے سپرد کر دیں؛ اور بات اسی پر موقوف کر دیں اور اس میں مزید اینُ وآں نہ کریں؛

اور رہا مسئلہ ارجاء کی تفسیر کا؛ تو وہ یوں ہے کہ: جب تم کچھ ایسے لوگوں کے درمیان گھرے ہوئے ہو کہ وہ بڑے اچھے حال میں ہوں اور اسی حال میں تم انکو چھوڑ کر کہیں روانہ ہو جاتے ہو؛ کچھ عرصہ کے بعد تمہیں اطلاع ملتی ہے کہ وہ دو گروہ بن گئے ہیں اور آپس میں برسر پیکار ہیں۔تم اس بات کی اطلاع پانے پر وہاں پہنچے تو تم نے وہاں دیکھا کہ وہ اسی حالت پر ہیں جس پر تم نے ان کو چھوڑا تھا، جو کچھ لڑائی جھگڑا ہوا تمھارے بعد ہوا تمہارے بعد ہوا۔معاملہ کی تفتیش اور دریافت کرنے پر ہر فریق کہنے لگا ہم مظلوم ہیں؛ اور خود ان کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور گواہ نہیں ؛اور تم خود انکے آپس میں قتل وقتال کے

آثار وقرائین دیکھ رہے ہو؛ لیکن اب ظالم ومظلوم کا پتہ چلانا آپ کے لئے بہت مشکل ہے کیونکہ انکی آپس میں گواہی بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ وہ دونوں فریق مدعی بھی اور مدعی علیہ بھی ہیں اور ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔اب تمہارے لئے یہی مناسب ہے کہ تم اس بات کا یقین کرلو کہ دونوں فریق اپنی رائے میں درست نہیں ہو سکتے؛ اب دو ہی صورتیں ہیں: یا دونوں خطا کار ہیں؛ یا ان میں سے ایک ضرور غلطی پر ہے ؛ایسی صورت میں اپ کے لئے یہ بہتر ہے کہ ان میں کسی ایک کو ملزم ٹھہرانے میں جلدی کرنے کی بجائے اس معاملہ میں توقف کرے؛ کیونکہ آپ ان کے بارے میں یہ رائے بھی قائم نہیں کر سکتے کہ ان میں سے ہر ایک ظالم بھی ہو اور مظلوم بھی؛ اور نہ ہی دونوں کو درست کہا جا سکتا ہے؛ اب ظاہر بات ہے کہ: ایک جماعت دوسری جماعت سے لڑائی کرتی ہے تو دونوں غلطی پر ہو سکتی ہیں؛ یا ایک غلطی پر اور دوسری درستی پر ہو سکتی ہے؛ عافیت اسی میں ہے کہ اس معاملہ میں توقف کیا جائے؛

اور ارجاء کی تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ: گناہگاروں کے بارے میں تم کو اللہ تعالی کی بارگاہ میں پرُ امید رہو، اور انکے دوزخی یا جنتی، ہونے کا دعوی نہ کرو بلکہ ان کا جنتی یا دوزخی ہونے کا معاملہ اللہ تعالی کے حوالے کردو؛ اور وہ جیسے چاہے ان کے بارے میں فیصلہ کرے اس کی مرضی ہے؛

لوگوں کے مراتب:

کیونکہ ہمارے نزدیک لوگوں کے تین مراتب ہیں:

(۱) اولیں مرتبہ تو **انبیاء** کا ہے اور انکے بارے میں ہماری حتمی رائے یہ ہے کہ وہ جنتی ہیں؛ اور ہر وہ شخص جو انبیا کو جنتی کہنے والا ہے وہ بھی جنتی ہے؛

(۲) دوسرا مرتبہ **مشرکین** کا ہے: ان کے بارے میں ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ وہ سب کے سب دوزخی ہیں؛

(۳) تیسر مرتبہ **موحّدین** کا ہیاور انکے بارے میں ہم توقف کریں گے؛ یعنی نہ تو انکے بارے میں صریحا یہ کہیں گے کہ وہ جنتی ہیں اور نہ یہ کہ وہ دوزخی ہیں بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالی پر چھوڑ دیں گے؛ مگر اللہ تعالی سے امید رکھیں گے کہ وہ ان کو ضرور معاف کردے گا؛ اور اس امید کے ساتھ اللہ تعالی کی کبریائی کا خوف بھی ہوگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسکی طرف سے گرفت ہو جائے؛ اور اسی لئے اللہ تعالی کا فرمان:

﴿خلطُوا عملاً صالحاً واٰخر سيّاً عسى اللّٰه ان يّتوب عليهم﴾ (التوبۃ:۱۰۲)

یعنی جنھوں نے اچھے اور برے ملے جلے عمل کئے تو ان کا معاملہ اللہ تعالی سے امید پر ہے؛ شائد اللہ تعالی انکے حال پر رحمت فرماتے ہوئے انکی طرف رجوع فرما کر انکی توبہ قبول فرمائیں ؛اور مندرجہ ذیل آیت کی بناء پر اللہ تعالی سے پر امید رہیں گے:

﴿ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشآء﴾ (النساء:٤٦)

یعنی بے شک اللہ تعالی اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک ٹھرایا جائے اور اس کے سوا باقی سب گناہ بخش دیئے جائیں گے۔اور اسی بناء پر ان معاصی اور گناہوں کی وجہ سے ڈرتے رہیں گے کہ اللہ تعالی کی طرف سے گرفت نہ ہو جائے۔

....

اگرچہ مسئلہ ارجاء امام اعظم کے جواب سے اچھی طرح واضح ہوگیا ہے مگر تفصیل مزید کے لئے امام اعظم کے ایک شاگر بصرہ کے معروف عالم دین اور امام: عثمان بن سلیمان البتی المتوفی ۱۴۳ھ کے سوال کے جواب میں امام اعظم کا تفصیلی جواب مندرجہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

من ابی حنیفة الی عثمان البتی

اسلام علیك !

بعداز حمد وصلوۃ تم کو خشیت الٰہی اور اطاعت اللہ کی نصیحت کرتا ہوں؛ اور یہ کہ اللہ تعالی بہت زیادہ محاسبہ کرنے والے ہیں؛ اور ہر عمل کی پوری جزاء دینے والے ہیں؛

تمہارا خط مل گیا ہے؛ اور اس میں جو ہمدردانہ باتیں آپ نے میں لکھی ہیں ان کو اچھی طرح سمجھ چکا ہوں؛ اور تم نے جو خط میں یہ لکھا کہ ''خط لکھنے کا مقصد صرف طلب ہدایت اور خیر خواہی ہے'' اس کو میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں؛

اور تم نے ایک جگہ لکھا کہ تمہیں **میرے فرقۂ مرجیہ میں شامل ہونے** کی اطلاع ملی ہے؛ نیز یہ کہ آپ کو اطلاع ملی کہ میں اس بات کا مدعی ہوں کہ: **مؤمن گمراہ بھی ہوسکتا** ہے؛ اور یہ باتیں میری طرف سے آپ کے لئے تکلیف اور طبیعت پر گرانی کا باعث ہوئی ہیں؛ اور انہی باتوں نے آپ کو خط لکھنے پر مجبور کیا؛

لہذا جواب سنو! کہ جو چیز اللہ تعالی سے دوری کا باعث ہو وہ شرعی طور پر عذر نہیں بن سکتی؛ اور انسان اپنی طرف سے بنائی ہوئی باتوں سے کبھی راہ ہدایت اور صداقت نہیں پا سکتا؛ شرعی طور پر کلمۃ الحق اور کلمۂ فیصل اگر کوئی چیز بن سکتی ہے تو وہ صرف تین چیزیں ہیں (ایک): قرآنی ہدایت (دوسری) سنت رسول ﷺ (تیسری): اصحابؓ رسول اللہ کا عمل؛ اس کے علاوہ سب کچھ بندوں کی ایجاد ہے؛ اور ایک لحاظ سے بدعت کی تعریف میں آتی ہیں؛

اس مکتوب کو پوری توجہ سے پڑھو؛ خود پسندی اور شیطانی خواہشات سے اجتناب کرو؛ اللہ تعالی ہمیں اس بیماری سے محفوظ فرمائے اور اپنے اطاعت اور فرمانبرداری کی توفیق نصیب فرمائے؛ اور ہم اسی کی رحمت اور اطاعت کی توفیق کے طلب گار رہیں

سنو! آنحضورؐ کی بعثت سے پہلے لوگ مشرک تھے جب آنحضورؐ دعوت اسلام لے کر مبعوث ہوئے اور لوگوں کو دعوت دی کہ گواہی دیں اللہ تعالی اپنی ذات میں ایک ہیں اور آنحضور ﷺ جو کچھ اللہ تعالی کی طرف سے لائے ہیں اس کا اقرار کریں پس جو شخص بھی اسلام میں داخل ہوگیا وہ شرک سے بری ہوا اس کا خون مسلمانوں پر حرام ہوا اور تمام مسلمانوں پر اس کی عزت وحرمت ضروری قرار دی گئی؛ اس کے برعکس جس شخص نے حضور علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ کافر؛ اور ایمان سے دور تھا لہذا: اس کا مال اور خون مسلمانوں کیلئے حلال تھا قتل یا جزیہ کے علاوہ کوئی چیز اس سے باعث مصالحت نہیں ہوسکتی تھی اس کے بعد مسلمانوں کے حقوق اور فرائض کے بارے میں آیات پاک کا نزول ہوا اور ایمان کے ساتھ اعمال بھی ضروری ہوگئے:

﴿الذین آمنو وعملو الصالحات﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے؛ دوسرے مقام پر ارشاد اللہ تعالی ہے

:﴿من یومن باللہ ویعمل صالحاً﴾

جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے: اور اس جیسے بہت سے ارشادات ہیں لیکن اچھے اعمال کے چھوڑنے سے آدمی کی ایمان کی تصدیق اور اس کا نہ ہونا لازم نہیں آتا: کیونکہ تصدیق، ۔۔۔۔ کے بغیر حاصل ہوچکی ہے اگر ایک عمل سے محروم انسان (مومن) محروم ایمان اور تصدیق بھی ہوتا تو اس سے ایمان کا تسمیہ واطلاق بھی ساتھ ساتھ ختم ہوجاتا۔ نہ حرمت باقی رہتی نہ کوئی حق اور ایسے تمام لوگ پہلے کی طرح کافر ہوجاتے۔

ایمان وعمل کے الگ الگ ہونے کی وجہ ایک اور بھی ہے کہ لوگوں کی تصدیق کے لحاظ سے نہ کوئی اختلاف ہے اور نہ ہی تصدیق کی وجہ سے ان میں باہم۔۔فرق ومراتب ہوسکتا۔ فرق مراتب اعمال میں ہوتا ہے اعمال مختلف ہوتے رہتے ہیں انبیا ورسل اور فرشتوں کا دین ایک ہی ہوتا ہے۔ ارشاد ہے۔

﴿شرع لکم من الدین ما وصی به نوحاوالذی اوحینا الیك وما وصینا به ابراهیم وموسی وعیسی ان اقیمو الدین ولا تتفرقو فیه﴾

تمہارے لئے بھی وہی شریعت شریعت مقرر کی ہے جس کا حکم نوح کو دیا گیا اور جس کی تمہیں وحی کی گئی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم موسی عیسی کو دیا کہ دین الٰہی کو قائم کرو اور اسی کے بارے میں متفق رہو: ایک ہدایت تو وہ ہے جس کا تعلق انبیا کرام علیہم السلام کی تصدیق سے ہے۔ اور ایک وہ ہے جس کا تعلق اعمال اور فرائض سے

ہے یہ دونوں تصدیقیں یکساں نہیں ہیں ۔اس بات کا سمجھنا چنداں دشوار نہیں ہے ۔ایک انسان کو تصدیق وایمان کی وجہ سے اس طرح مؤمن کہا جاتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالی اس کو اپنی کتاب میں مؤمن فرماتے ۔اگر وہ فرائض سے آگاہ نہیں ہے تو جاہل بے خبر کہا جائے گا ،اس طرح اگر وہ
فرائض سیکھنے میں مشغول ہے تو یہی کہا جائے گا کہ فرائض سیکھ رہا ہے نہ کی یہ کہا جائے گا کہ ایمان وتصدیق سیکھ رہا ہے کیا اس کو معرفت اللہ تعالی اور رسول کے بارے میں جاہل کہنا درست ہوگا ؟ کیا اسکی جاہل ونادانی ایک کافر کی نادانی وجاہل کے برابر ہو سکتے ہیں ؟ تعلیم فرائض کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے ۔

﴿یبین اللہ لکم ان تضلو واللہ بکل شئی علیم﴾

اللہ تمہارے لئے سب چیزیں واضح فرمارہے ہیں (مبادا کہ) تم گمراہ ہو جاؤ اور اللہ تعالی ہر چیز کو جاننے والے ہیں : دوسرا ارشاد ہے ۔

﴿فعلتھا اذا وانا من الضالین﴾

میں نے جب وہ کام کیا اس وقت غلط کام کرنے والوں میں تھا : اگر تم جیسا کوئی بھی انسان کتاب اللہ اور سنت رسول سے اس باب میں کوئی حجت یا دلیل تلاش کرنا چاہے تو کوئی مشکل بات نہیں نہ یہ کوئی ایسی پیچیدہ اور نا قابل فہم بات ہے کیا تم ایکمومن کو مؤمن ظالم ،مؤمن مذنب ،مؤمن مخطی ،مؤمن عاصی ،مؤمن جائز نہیں کہتے ، اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا یہ کہ مؤمن ہدایت ایمانی کی وجہ سے ظلم اور غلط روی میں بھی راہ ہدایت ہی پر رہا ۔یا یہ کہ جس درست بار میں اس سے غلطی ہوئی وہ اس بات سے دور ہوگئی ، دیکھو بنی یعقوب نے اپنے باپ یعقوبؑ سے کہا تھا :

﴿انک لفی ضلالک القدیم ......﴾

آپ اپنے انہی پرانے اور غلط خیال میں محو ہیں ۔

تو کیا تم یہ کہ سکتے ہو کہ ان کی مراد کفر تھی '' حاشا وکلا '' تم عالم قران ہوتے ہوئے ایسی بات نہیں کہہ سکتے ،تم نے خود لکھا ہے کہ لوگ فرائضسے پہلے اہل تصدیق تھے ، تصدیق کے بعد فرائض کا نزول ہوا ،اگر یہ بات درست ہے تو جس وقت فرائض کا نزول ہوا اس وقت انہیں مصدق کہا جاتا ۔تمہارے پاس غالبا اس کا کوئی جواب نہیں ہے کہ فرائض کے نزول
سے قبل سے مصدق اللہ تعالی اور رسول کی حیثیت کیا تھی ،ان کا دین کیا تھا ؟ تمہارے نزدیک ان کا مقام کیا تھا ؟ کیونکہ تم کہتے ہو کہ مصدق کہلائے جانے کے واقعی مستحق تو یہ لوگ اعمال کے فرض ہونے کے بعد ہوئے ہیں ۔اگر تم یہ راہ اختیار کرو کہ یہ لوگ مجرد تصدیق باللہ وبالرسول سے مؤمن ہو گئے ان پر مسلمانوں کے احکام جاری ہو گئے تو یہ راہ درست ہے ۔یہی بات میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ یہ لوگ کافر تھے تو تم نبی اور قران کی مخالفت کرو گے اور حق سے منحرف ہو جاؤ گے اور اگر بالفرض تم نے دریدہ دہن اہل بدعت کی طرح یہ کہا کہ یہ لوگ نہ کافر ہیں نہ مؤمن ۔تو تمہارا یہ کہنا ایک ناروا بدعت اور آنحضورﷺ اور صحابہ کرام کی صریح مخالفت ہے ۔حضرت عمرؓ ،حضرت عثمانؓ ،حضرت علیؓ '' امر المومنین '' کہلائے تھے کیا مومنین سے مراد مطیعین تھے ،نیز شام سے جو جماعت امیر معاویہ کے ساتھ تھی حضرت علیؓ ان کو اپنے خطوط میں مؤمن کہتے ہیں ۔پس کیا یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی کی رائے کے مطابق برسر حق تھے ۔وہ اسی جماعت سے برسر بھی تھے ، صحابہ کرام دو جماعتوں میں بٹگئے دونوں جماعتیں تیغ بکف ہیں ،کیا یہ دونوں جماعتیں برسر حق نہ تھیں ؟ نہیں ۔ایک ضرور ہدایت یافتہ اور دوسری ضرور بغاوت پیشہ ہے ،اب ان میں سے جو جماعت بغاسوت پیشہ ہے اس کے متعلق کیا کہو گے ؟ کون نہیں جانتا کہ اہل قبلہ کا سب سے بڑا جرم اگر کوئی ہوسکتا ہے تو وہ قتل ہے پھر خاص طور پر صحابہ کرام کا قتل ۔جبکہ یہ دونوں جماعتیں ہدایت یافتہ نہیں ہیں تو تمہارے یہاں ان دونوں کا نام اور مقام کیا ہوگا ؟ اگر کہتے ہو کہ دونوں برسر حق ہیں ،تو غلط کہتے ہو ،اگر کہتے ہو کہ دونوں برسر باطل ہیں ،تو غلط کہتے ہو ،اگر کہتے ہو کہ صرف ایک برسر حق ہے تو دوسری کے باب میں کیا کہو گے کیا تم صاف طور پر کہہ سکتے ہو کہ وہ برسر باطل ہے ،ہاں صرف ایک راہ باقی ہے کہ تم دونوں کے بارے میں علم الہی پر بھروسہ کرتے ہوئے اللہ اعلم
کہہ دو ،اپنے ظن وتخمین کو دخل نہ دو ،میں جو کچھ کہہ رہا ہوں غالبا سمجھ رہے ہو گے ۔میں پوری بات صراحت کے ساتھ کہتا ہوں ،کہ اہل قبلہ تمام ہی مؤمن ہیں فرائض میں کسی کوتاہی کے باعث میں ان کو ایمان کی حدوں سے باہر نہیں گردان سکتا ۔جس نے ایمان باللہ کی دولت کے ساتھ پورے فرائض کی بجا آوری کے ساتھ اللہ کی اطاعت کی وہ اہل جنت ہے ،اور جس نے ایمان وعمل دونوں کو ترک کر دیا وہ اہل نار ہے ،اور جس کو ایمان کی دولت تو نصیب ہوئی مگر فرائض کی ادائگی میں کوتاہ رہا وہ مؤمن مذنب (گنہگار مؤمن) ہے اللہ تعالی کو اس کے بارے میں پورا پورا اختیار ہے ،معاف بھی کر سکتے ہیں اور عذاب بھی دے سکتے ہیں اگر معاف فرمادیا تو گناہ کو معاف کر دیا اور اگر عذاب دیا تو گناہ پر عذاب دیا ۔صحابہ کرام کے مابین جس قدر بھی اختلاف پیدا ہو رہے ہیں ہر ایک کے باب میں صرف ایک ہی بات کہہ سکتا ہوں اللہ اعلم ،اہلقبلہ کے بارے میں اوپر جو رائے نقل کی گئی وہ صرف تمہارے خیالات وافکار ہیں ورنہ فقہ وسنت کے حٓملین صحابہ کرام کا معاملہ تو وہی تھا جو

میں نے ظاہر کیا وہ اہل قبلہ کے باب میں یہی کچھ کہتے تھے جو میں کہہ رہا ہوں عطاء بن ابی رباض، نافع، سعید بن جبیر، ابن عباس، ان سب حضرات کا یہی ارشاد ہے اور حضرت علی کے ایک خط کا ذکر آ چکا ہے جس میں انہوں نے دونوں جماعتوں کو مؤمن کہا ہے، عمر بن عبدالعزیز کے متعلق بھی یہی منقول ہے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ تم سب سے پہلے طریق سنت حاصل کرو اور اہل سنت کے بارے میں پوری معلومات بھم پہونچاؤ۔ رہی مرجئیہ کی بات تو ایک ایسی جماعت کا کیا واقعی قصور ہوسکتا ہے، جس نے ایک درست بات کہی اور اہل بدعت نے انہیں مرجئیہ کا نام دے دیا حالانکہ یہ لوگ اہل عدل اور اہل سنت ہیں، ان کا یہ نام محض بغض وعداوت کی وجہ سے رکھا گیا، میں لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتا ہوں اور لوگ بدعت کی وجہ سے یہ نام دیتے ہیں۔ بھلا جو چیزیں میں نے اہل عدل سے حاصل کی ہیں اس کو کیسے ترک کرسکتا ہوں اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا

تو میں ان تمام مسائل کو شرح وبسط کے ساتھ لکھتا جو تم نے پوچھے ہیں، اس کے باوجود اگر اس بدعت کے حیلہ سازیوں کی وجہ سے کسی چیز میں تمہیں اشکال ہو تو میں اسکو حل کرنے کے لیے تیار ہوں میں ایضاح حق کے سلسلے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا مخلوق خدا کو ہدایت کا سلسلہ جاری رکھو رزقنا الله متقبلا كريما ، وسلام عليكم ورحمة الله وبركاته والحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيدنا محمد وعلى اله وصحبه اجمعين۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(۲۹) امام ابو مقاتل

آپکی باتیں اپنی جگہ بالکل واضح اور عین حق ہیں لیکن مجھے آپ یہ بتائیں کہ

انبیاء کے علاوہ جنتی

اگر ہم انبیا کے علاوہ کسی کو عبادت گزار، روزہ دار، دیکھیں تو کیا ہم اسکو صحیح معنوں میں جنّتی کہہ سکتے ہیں؟ اور وہ کون شخص ہے جس کے بارے میں انبیاءؑ نے جنتی یا جہنمی ہونا ارشاد فرمایا ہے؟

امام ابو حنیفہ

میں کسی کے بارے میں حتمی طور پر جنتی نہیں کہہ سکتا؛ ہاں اگر کسی کے جنتی ہونے کے بارے میں نص موجود ہے اس کو جنتی کہا جائے گا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے، اسی طرح دوزخی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر اس کے جہنمی ہونے کے بارے میں نص موجود ہو تا اس کو جہنمی کہا جائے گا گر نص موجود نہ ہو مگر اس کا ایمان معلوم ہو تو اس کا معاملہ الل تعالی کے سپرد کیا جائے گا؛

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۳۰) امام ابو مقاتل

تو پھر آپ ان لوگوں کے بارے میں کیا فرمائیں گے جنھوں نی یہ حدیث بیان فرمائی ہے کہ جب مؤمن ارتکاب زان کرتا ہے تو ایمان اس سے اسطرح نکل جاتا ہے جس طرح بدن سے قمیض اتار لی جاتی ہے۔ پھر جب توبہ کرتا ہے تو ایمان عود کرآتا ہے آپ ان راویوں کے قول کی تصدیق کرتے ہیں یا رشک رکھتے ہیں۔ اگر آپ نے تصدیق کی تو زمرہ خوارج میں شامل ہوں گے اور اگر شک کیا تو تو خوارج کی نجات کا معاملہ پیچیدہ ہو گیا۔ کیونکہ وہ مؤمن ہیں اور مؤمن کے لیے ارجاء ہے۔ اور اس عدل سے انحراف ہوگا جو آپ نے اوپر بیان کیا، اور اگر آپ نے ان کے قول کی تکذیب کرتے ہیں تو قول نبی کی تکذیب ہے کیونکہ یہ روایت چند راویوں سے آنحضور تک پہنچ جاتی ہے؟

امام ابو حنیفہ

میں ان لوگوں کی تکذیب کرتا ہوں اور انکے قول کولغوقرار دیات ہوں لیکن ان کے بارے میں آنحضورﷺ کی تکذیب نہیں کرتا (العیاذ باللہ)
بلکہ تکذیب تو اس صورت میں ہوگی جب کوئی یہ کہے میں قول رسول کا مکذب ہوں اور جو یہ کہ رہا ہو میں آنحضور کی ہر بات پر یقین رکھتا ہوں اور
یہ بھی کہتا ہوں کہ آنحضور نے کبھی غلطا ورقرآن کے خلاف بات نہیں کی ،تو اس شخص کا قول آنحضور کی مخالفت قرآن کی تصدیق ہے بلکہ یہ تو
آنحضورکومخالفت قرآن سے بری اور منزہ ثابت کرر ہاہے اگر نبی نے قرآن کی مخالفت کی اور اللہ تعالی کے خلاف کوئی بات کہی تو الہلہ تعالی
مواخذ ززز ہ کریں گے،ارشا د ہے:۔

﴿و لو تقول علینا بعض الا تاویل لا خذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین فما منکم احد عنه حاجزین﴾(الحاقہ:۴۶)
اوراگر یہ(پیغمبر) ہمارت ذمہ کچھ (جھوٹی) باتیں لگادیتے ہیں تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ تے ہیں پھرہم ان کی رگ دل کاٹ ڈالتے ۔ پھرتم میں
کوئی ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا۔
نبی علیہ السلام کتاب کی مکالفت نہین کر سکتے اور کتاب کا مخالف شخص اللہ نبی نہیں ہوسکتا او یہ روایت قرآن کے مخالف پڑ رہی ہے۔جیسا کہ
ارشاداللہ ہے

﴿الزانیه والزانی﴾(النور:)
انا کرنے والی عورت اورزنا کرنے والامرد
اوران دونوں سے ایمان کی نفی نہیں کی گئی اوراسی طرح ارشاد ہے:،

﴿واللذان یاتیانها منکم﴾()
اوراورجوان سے دوشخص بھی بے حیائی کے کام کریں تم سے توان دونوں کواذیت پہچاؤ۔آیت میں لفظ منکم موجود ہے جس سے یہود، یہود و
نصاری نہیں بلکہ مسلمان ہی مراد ہیں۔تو ہراس شخص کی تردید جوآنحضور کے خلاف قرآب رویت کرر ہاہوضروری ہےاوراس تردید سے
آنحضور کی تکذیب نہیں بلکہ تصدیق ہوتی ہے بلکہ یہ تو اس شخص کی تردید ہے جو آپ سے غلط اور بےفروپا بات بیان کرر ہاہے،تہمت اسی پرآتی
ہے نہ کہ آنحضور پر،آنحضور نے جوکچھ ارشادفرمایا خواہ ہم نے سنا یانہیں سناوہ بسروچشم قبول ہےاس پوایمان لاتے ہیں اورساتھ ہی اسکی تصدیق
بھی کرتے ہیں کہ آپﷺ نے کوئی ایساحکم نہیں دیا کس کی اللہ تعالی نے ممانعت فرمائی ہواور آنحضورﷺ نے بھی کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جو
کتاب اللہ کے خلاف پڑ رہی ہو بلکہ تمام امور میں اللہ تعالی سے موافق ہیں۔کوئی امرایجادنہیں کیااوراللہ تعالی کے خلاف کوئی بات نہیں گڑھی ،
آپ اپنی طرف سے بتائیں، بتانے والے نہ تھے۔ارشاداللہ ہے﴿من یطع الرسول فقد اطاع الله﴾(النساء:۸۹)
جوشخص نے رسول کی اطعت کی اس نے اللہ تعالی کی اطعت کی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿مرتکب کبیرہ کے اعمال ضائع ہونا﴾

(۳۱) امام ابو مقاتل

تفسیر بہت پسندآی آپ کا اس شخص کے باب میں کیا خیال ہے جو کہتا ہے کہ شراب خور کی نماز چالیس راتوں یا چالیس دن مقبول نہیں ہوتی اور وہ
کیا چیز ہے جس کے باعث نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

امام ابو حنیفه۔

جولوگ ایسا کہتے ہیں ان کے بارے میں جب تک وہ کوئی واضح تشریح نہ کریں، کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہم اتنا تو جانتے ہیں کہ اللہ تعالی کا عدل یہی ہے کہ یا تو گناہوں کا مواخذہ کرتے ہیں یا معاف کر دیتے ہیں اور بلا وجہ کسی کا مواخذہ نہیں ہوتا، فرائض کی ادائیگی پر بندہ کے جزا اور گناہ کے ارتکاب پر سزا محسوس ہوتی ہے۔ اسکی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص نے زکوۃ کے پچاس درہم دیے حالانکہ اس پر ساٹھ درہم واجب تھے تو جن کو ادا کر چکا اس کا حساب ہوگا اور جسے ادا نہیں کیا اس پر مواخذہ ہوگا اسی طرح جس شخص نے نماز پڑھی، روزہ رکھا، حج کیا اور ساتھ ہی قاتل بھی ہے، اسکی حسنات کا حساب ہوگا اور سیئات کا مواخذہ ہوگ ارشاد ربانی ہے لہا ما کسبت نفس نے جو خیر اور بھلائی کی وہ ؤاسی کے لئے ہے، اسی سے متعلق اور ارشادات ہیں

﴿انی لا اضیع عمل عامل من ذکر او انثی﴾ (آل عمران:۱۹۴)

اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کرنے والا ہوا کارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔

﴿ان لا تضیع اجر من احسن عملا﴾ (الکہف:۲۹)

تو ہم ایسوں کا اجر جو ضایع نہ کریں گے جو اچھی طرح کام کو کرے

﴿ولا تجزون ال ما کنتم تعملون﴾ (یس:۵۳)

اور تم کو انہیں کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے

﴿فمن یعمل مثقال ذرۃ خیایرہ ومن یعمل مثقال ذرہ شرایرہ﴾
(الزلزال:۶،۷)

سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر اسکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کریگا وہ اسکو دیکھ لے گا۔

﴿و کل صضیرہ و کبیر مستطر﴾ (القمر:۵۶)

اور ہر چھوٹی بڑی بات اسمیں لکھی ہوتی ہے

﴿و نضع الموازین القسط لیومالقیامۃ فلا تظلم نفس شیئا و ان کان مثقال حبۃ من خترول اتینا بھا و کفی۔۔۔حاسبین﴾ (الانبیاء:۴۶)

اور (ہاں) قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں گے اور سب کے اعمال کا وزن کرینگے

سو کسی پو اصلا ظلم نہیں ہوگا اور (کسی کا) عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو اسکو ہم ظاہر فرما دیں گے ہم حساب لینے والے کافی ہیں

اگر کوئی ان آیات کے بعد بھی شارب خمر کی حسنات کو غیر مقبول سمجھتا ہے تو وہ اللہ تعالی کو ظالم گردانتا ہے، حالاں کہ اللہ تعالی ن نے لوگوں کو ظلم سے ماموں کیا ہے ارشاد فرماتے ہیں

﴿فلا تظلم نفس شیئا﴾ (الانبیا:۴۶)

سو کسی پر اصلا ظلم نہیں ہوگا

﴿ولا تجزون الا ما کنتم تعملون﴾ (یس:۵۳)

اور تم کو بس انہیں کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

﴿فمن یعمل ذرۃ خیر یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ﴾ (الزلزال:۷)

سو وہ شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اسکو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اسکو دیکھ لے گا

اللہ تعالی شکور ہیں حسنات کو قبول کرتے ہیں، ارحم الرحمیں ہیں۔

اتنی بات اور سمجھ لو کہ حسنات کو تین چیزوں کے علاوہ کوئی چیز تباہ نہیں کرسکتی ایک تو شرک باللہ کیونکہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿یکفر باللہ فقد حبط عملہ﴾

اور جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے گا تو اس نے اپنا کیا دھرا غارت کردیا۔

اور دوسری یہ کہ انسان کوئی نیک عمل کرے یا کسی کو آزاد کرے یا کوئی اور صلہ رحمی کرے یا اپنے مال کا صدقہ کرے اور یہ سب صرف خوشنودی الہی کے لئے کیا ہو پھر کسی موقع پر غصہ یا کسی دوسری وجہ سے احسان جتاتے ہوئے کہنے لگے کیا میں نے تجھے آزاد نہیں کیا اور تیرے کے ساتھ صلہ رحمی نہیں کی اور اس قسم کی دوسری باتیں کہ گزرے، یہ سب باتیں اعمال تباہ کردیتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد اللہ ہے

﴿تبطلوا صدقاتکم یا لمن والاذی﴾ (بقرۃ ۲۶۲)

تم احسان جتا لا کر یا ایذا پہونچا کر اپنے خیرات کو برباد مت کرو۔

اور تیسری چیز یہ کہ کوئی عمل صرف دکھاوے کے لئے کرے جو عمل صالح صرف دکھاوے کے لیے ہو اسے اللہ تعالی قبول نہیں کریں گے ان تینوں کے علاوہ کوئی بھی برائی حسنات کو ختم نہیں کرسکتی۔

امام کو کافر کہنے والے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿کسی مؤمن کو کافر کھنے کا حکم﴾

(۳۳) امام ابو مقاتل

آپ نے بہت انصاف اور عدل کے مطابق گفتگو فرمائی؛

اب یہ بتایئے اگر کوئی شخص آپ کو (نعوذ باللہ) کافر کہے تو آپ اس کو کیا کہیں گے؟

امام ابو حنیفه

میں اس کو کہوں گا کہ وہ جھوٹا ہے؛ اور اس قول کی وجہ سے میں اسکو جھوٹا ضرور کہوں گا لیکن کافر نہیں کہہ سکتا کیونکہ اللہ تعالی کی طرف سے بندے کے ذمے لازم کی گئی حرمت دو قسم کی ہوا کرتی ہے،

(ایک): اللہ تعالی کی بے حرمتی کی جائے

(دوسرے): اللہ سبحانہ وتعالی کے بندوں کی بے حرمتی کی جائے۔

اللہ تعالی کی توہین تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے احکامات کی تکذیب اور اس کے ساتھ کفر کیا جائے؛

جبکہ بندوں کی توہین یہ ہے کہ آپس میں ظلم وستم کا بازار گرم رکھیں؛

اور ایسے دو آدمی برابر کیسے ہوسکتے ہیں کہ ان میں سے میری تکذیب کررہا ہے اور دوسرا اللہ تعالی اور اسکے رسول کی تکذیب کررہا ہے کیونکہ اللہ تعالی اور اسکے رسول کی جو تکذیب کررہا ہے اسکا جرم وگناہ اس شخص سے سے بھی کئی درجے زیادہ اور سنگین ہے جو ساری انسانیت کی تکذیب کررہا ہے؛ اور جو شخص مجھے کافر کہتا ہے تو میں اس کو صرف جھوٹا ہی کہوں گا اس کو کافر کبھی نہیں کہوں گا؛ اور مجھے یہ زیبا نہیں کہ صرف اس وجہ سے کہ وہ میری تکذیب کرتا ہے میں بھی اس کی تکذیب کرنا شروع ہوجاؤں؛ جبکہ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے:۔

﴿لایجرمنّکم شنأن قومٍ علی الّا تعدلوااعدلُواھُواقرب للتقوی واتّقواللّٰہ﴾

(المائدہ:۷)

کسی خاص قوم کی عداوت تم کواس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرنے لگو؛ اورتم عدل کیا کرو کیونکہ وہ تقوی سے زیادہ قریب ہے اوراللہ تعالی سے ڈرو۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی خاص قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم راہ عدل کو چھوڑ دو

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿اپنی تکفیراور دعوئے ایمان کاحکم﴾

(۳٤) امام ابو مقاتلؒ

جو کچھ آپنے بتایا وہ واقعی اہل ایمان کی عمدہ صفات میں سے ہےاور یہ بڑی اچھی بات ہے؛

لیکن آپ کی اس شخص کے بارے میں کیارائے ہے جواپنے آپ کو کافر کہہ رہا ہواوراسکو آپ کیا کہیں گے؟

امام ابوحنیفہ

اس کے بارے میں میری رائے تو یہ ہے کہ اس کواپنے بارے میں اس طرح کی بات نہیں کہنی چاہئے ؛ کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو گدھا کہے تو مجھے یہ مناسب نہیں کہ مین اسکو کہوں کہ آپ نے سچ فرمایا؛

ہاں اگر وہ شخص یہ کہے کہ میں اللہ تعالی سے اپنی برائت کا اعلان کرتا ہوں ؛ یایوں کہے کہ میں اللہ تعالی یااس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتا تو میں اسے کافر کہوں گا چاہے وہ خود اپنے آپکو مؤمن کہتا ہو؛ اسی طرح جو شخص اللہ تعالی کی وحدانیت کا قائل ہواوراس کی طرف سے بھجی گئی کتب پر ایمان بھی رکھتا ہواوراس کے رسولوں پر ایمان رکھتا ہو اسے مؤمن کہا جائیگا چاہے وہ اپنے آپ کو کافر ہی کہہ رہا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿دین اوراہل دین سے برات﴾

(۳۵) امام ابومقتل

آپ نے ایسے واقعی ایسے دیوانے شخص کے بارے میں بہت اچھی بات کہی ہے

لیکن اس شخص کے باب میں کیا رائے ہے جو کہہ رہا ہے:

میں تمہارے دین اور جس کی تم عبادت کرتے ہواس سے بری ہوں؟

امام ابو حنیفہ

اگر کوئی شخص یہ بات کہے تو بھی میں جلد بازی نہ کروں گا بلکہ میں اس سے پوچھوں گا کیا تم اللہ تعالی اوراس کے دین سے بری ہو؛ اگران دونوں باتوں میں سے کسی بات کا اقرار کیا تو وہ کافر یا مشرک کہوں گا

اوراگراس نے کہا کہ میں اللہ تعالی؛ اوراسکے رسول اوردین سے بری نہیں ہوں بلکہ تمہارے دین بری ہوں کیونکہ جس دین کی تم اتباع کرتے ہو وہ کفر ہےاورجس کی تم عبادت کرتے ہواس سے بری ہوں کیونکہ تم کفر پیشہ ہو شیطان کی عبادت کرتے ہو؛

تو بھی میں اسے کافرنہیں کہہ سکتا بلکہ یہ کہوں گا کہ وہ میری تکذیب کرر ہاہے؛

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿شیطان کی عبادت﴾

(۳٦) امام ابو مقاتل

واللہ یہ قول تو اہل تقوی اور راہ حق پر ثابت قدم رہنے والوں کا ہے ہوسکتا ہے

اچھا آپ مجھے اس بارے میں آگاہ کریں اگر کسی شخص نے شیطان کی اطاعت کی اور شیطانی خواہش کے پیچھے لگا رہا تو کیا وہ کافر یا شیطان کا پجاری نہیں ہے

امام ابو حنیفہ

کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اگر کسی نے اللہ تعالی کی نافرمانی کی تو اسکی معصیت کی وجہ سے شیطان کا اطاعت گزار نہیں بن گیا اور نہ ہی شیطان کی رضامندی کا طالب بن گیا ہے؛ بلکہ وہ کبھی اس کا ارادہ بھی نہیں کرسکتا خواہ اس کا عمل شیطان کی رضا اور اطاعت والے اعمال کی مانند ہو رہا ہو!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۳۷) امام ابو مقاتل

اب مجھے آپ عبادت کی تفسیر سے آگاہ فرمائیے!

امام ابو حنیفہ

۔۔۔۔۔عبادت ایک ایسا جامع کلمہ ہے جس میں طاعت، رغبت اقرار ربوبیت تینوں چیزیں شامل ہیں

عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ جب ایمان باللہ کے ساتھ اطاعت میں سرگرم عمل ہوتا ہے تو اسکے دل میں اللہ تعالی؛ کی طرف سے خوف اور رجاء دونوں جاگزیں ہوتے ہیں۔ جب اطاعت اور خوف ورجاء یہ تین چیزیں کسی انسان میں پیدا ہوں تو سمجھو کہ اس نے عبادت کی۔ رجاء اور خوف کے بغیر کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا۔ ہاں ایسا ہوات ہے کہ باہم اہل ایمان میں خوف کی قلت وکثرت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے ثواب کی امید رکھتے ہوئے یا عقاب سے ڈرتے ہوئے کسی کی بھی عبادت کی تو اس نے واقعہ عبادت کی، اور اگر عبادت صرد اطاعت کا نام ہوتا تو ہر شخص کی اطعت عبادت بن جاتی حالانکہ واقعیہ یہ نہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۳۷) امام ابو مقاتل

آپ کیا ہی اچھی بات کہی۔ آپ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جو کسی چیز سے ڈر کے یا کسی منفعت کی امید رکھے کیا وہ کافر ہے؟

امام ابو حنیفہ

ارجاء اور خوف کے دو مرتبے ہیں ایک تو یہ کہ کسی شخص سے منفعت کی امید رکھے یا اللہ تعالی؛ کے علاوہ کسی کی نقصان رسانی سے ڈرے تو وہ کافر ہے۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ کوئی شخص ارجاء یا خوف اس برے میں رکھتا ہے کہا اللہ تعالی؛ کسی خیر یا گزند کو اسکے ہاتھوں پہچائیں تو وہ کافر نہین کیونکہ والد اپنے بیٹے ے بھلائی کی توقع رکھتا ہے اور انسان اپنے جانور پر سواری کی امید رکھتا ہے اور پڑوسی اپنے پڑوسی سے حسان کی توقع رکھتا ہے اور سلطان سے دفع شر کی امید باندھے ہوئے ہے تو وہ کافر نہیں ہے، کیونکہ اسکی حقیقی رجائ اللہ تعالی؛ سے ہے کہا اللہ تعالی؛ باپ کو بیٹے سے پڑوسی کو پڑوسی سے نفع پہچائیگا تو وہ کافر کیونکر کہا جا سکتا ہے۔۔۔۔اور کبھی شر اور بلا سے ڈرتا ہے کہیں خداوندعز وجل اسکو بلا میں مبتلا نہ کر دیں۔اور قیاس اس بارے میں موسی علیہ السلام کا ہے جن کو اللہ تعالی؛ نے رسالت کے لیے منتخب فرمایا اور اپنے کلام سے نوازا اور اس شان کے ساتھ موسی اور اللہ تعالی؛ کے درمیان کوئی آڑ نہیں تھی، اس وقت موسی علیہ السلام نے فرمای

﴿فا خان ان یقتلون﴾ (القصص:۳۲)

سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ (کہیں اول ہی دہلہ میں) وہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں

اور نبی کریم علیہ الصلوۃ ولسلام جب مکہ سے غار چور میں چلے گئے تھے، اسی طرح انسان درندے اور سانپ، بچھو یا گھر گرنے یا سیل یا نقصان دہ کھانے سے ڈرتا ہے تو اسکی وجہ سے وہ کفر پیشہ تو نہیں اور نہ ہی اس بارے میں شک کیا جا سکتا ہے۔ہاں ایسا شخص بزدل ضرور ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۳۸) امام ابو مقاتل

آپ کا سا مسلمان کے بارے میں کیا خیال ہے جو اس مخوق سے اللہ تعالی؛ سے زیادہ ڈرتا ہے، کچھ تفصیل بیان فرمائیں۔

امام ابو حنیفہ

ایسی کوئی چیز نہیں ا جو مسلمان کو اللہ تعالی؛ سے زیادہ ڈرنے پر مضبور کر دے کیونکہ جب مسلامن بیمار ہوتا ہے یا کسی بے انتہا پریشان کن مصیت میں پھنس جات ہے تو خلوت یا جلوت میں یہ نہیں کہتا کہ اے اللہ تعالی؛ یہ تو نے بہت برا کیا بلکہ اور زیاد ہا اللہ تعالی؛ ک و یاد کرتا ہے اور اگر اس مصیبت کا عشر عشیر بھی کسی بادشاہ کی طرف سے پنچ جات ہے تو یہ اس بادشاہ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہتا ہے، اس کا ظلم دل میں بھی محسوس کرتا ہے اور اپنے معتمد لوگوں سے بھی کہتا پھرتا ہے تا کہ بادشاہ تک بات نہ پہنچے پائے۔

مؤمن تو خلوت جلوت میں سردی اور گرمی میں اللہ تعالی؛ سے مراقب ہوتا ہے لیکن بادشاہ دنیاوی جلوت یا خلوت میں مراقب نہیں ہوتا۔مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ سرد رات میں جب محتلم ہو جاتا ہے تو صبح ہی اٹھ کر اللہ تعالی؛ سے ڈرتے ہوئے غسل کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے، گرمی میں روزہ رکھتا ہے اور جب اس شدید گرمی سے پیاس سے مجبور ہو جاتا ہے تو اللہ تعالی؛ کی بارگاہ میں مراقبی کرتا ہے، صبر کرتا ہے اور خوف سے گھبراتا نہیں ۔۔۔اور جب تک کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں ہوتا ہے اس وقت تک ڈرتا رہتا ہے اور جن اسکی نظروں سے غائب ہو جات ہے تو گالیاں دیات ہے ان شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ مؤمن کسی بھی چیز سے اللہ تعالی؛ سے زیادہ نہیں ڈرتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۳۹) امام ابو مقاتل

آپ نے تو ایسی دلیل پیش کی جس کا ہمیں خوب تجربہ ہے، اب مجھے بتائیں کی ایمان اور کفر دونوں سے ناواقفیت کیا ہے؟

امام ابو حنیفہ

انسانا ن اللہ تعالی؛ کی تصدیق اور اسکی معرفت سے مؤمن ہوتا ہے اور اللہ تعالی کے انکار سے کافر ہوتا ہے اور جب اللہ تعالی؛ کی عبودیت اور وحدانیت اور جو کچھ اس نے بھیجا ہے اسکی تصدیق اور اقرار کیا اسکے باوجود وہ کفر یا ایمان کو نہیں جانتا لیکن ایمان کو خیر اور کفر کو شر سمجھتا ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

جیسے ایک شخص کے پاس شہد اور ایلوا لایا گیا اس نے دونوں کو چکھنے کے بعد بتایا کہ یہ شیریں ہے اور یہ تلخ ہے لیکن ان دونوں کے نام سے ناواقف ہے تو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ مٹھاس اور تلخی سے ناواقف ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ شہد اور ایلوا کے نام سے ناواقف ہے۔ اسی طرح اس شخص کو جو کفر اور ایمان کے ناموں سے جاہل ہے لیکن یہ سمجھتا ہے کہ کفر باعث شر ہے اور ایمان باعث خیر ہے تو اسے جاہل باللہ نہیں کہیں گے، ہاں اسکو ایمان اور کفر سے بے خبر ضرور کہیں گے لیکن کافر نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(٤٠) امام ابو مقاتل:۔

اگر مؤمن معذب ہو تو کیا اس کا ایمان نفع بخش ہوگا، اور کیا وہ ایمان کے بعد معذب ہو سکے گا؟

امام ابو حنیفہ:۔

اب کے تم نے ایسا مسئلہ پوچھا ہے جو گذشتہ مسائل کی طرح نہیں ہے، خیر۔

سنو! تمھاری بات کہ مؤمن معذب کو ایمان نفع بخش ہوگا۔۔۔ ہاں نفع بخش ہوگا کیونکہ اس سے سخت ترین عذاب اٹھالیا جائے گا، کیونکہ اذد عذاب تو کافروں پر ان کے گناہ عظیم کی وجہ سے ہوگا اور اس مؤمن نے کفر نہین بلکہ بعض اوامر میں نافرمانی کی ہے اسی عمل کے مطابق سزاوار ہوگا اور جو نہیں کیا اس پر معذب نہیں ہوگا۔ اس آدمی کی طرح جس نے قتل کیا چوری نہین کی تو اس پ سے صرف قتل کا مواخذہ ہوگا۔ ارشاد ہے۔

﴿ولا تجزون الا ما کنتم تعلمون﴾(یس:۵۳)

اور تم کو بس انہیں کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

مریض کا مرض جب ہلکا ہوتا ہے تو زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔ اور جو شخص دنیا میں معذب ہو جات ہے آخرت میں اس سے عذاب اٹھا لیا جات ہے، اسی طرح ایک قسم کے عذاب سے کم اور دو قسم کے عذاب سے زیادہ تکلیف ہوئی، ایسے ہی مؤمن جب ایک گناہ کریگا تو اس کا عذاب دو گنا ہوں کے عذاب سے ہلکا ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(٤١) امام ابو مقاتل:۔

آپ نے بالکل انصاف کی بات بتائی اب آپ یہ بتائیں کہ کفار کا کفر مختلف عبادتوں کے باوجود ایک کیسے ہوگا اسی طرح اہل ایمان کا ایمان اور جو بھی اہل زمین میں ایمان لایا ان کا ایمان ایک کیسے ہوگا حالانکہ آپس میں بالکل مختلف ہیں کیونکہ ملائکہ کے فرائض ہم سے الگ رہیں اور ہمارے فرائض اور اولین مومنین نے فرائض میں باہم اختلاف ہے؟

امام ابو حنیفہ:۔

اہل سماءاوراولین مومنین اور ہماراایمان بالکل ایک ہے کیونکہ ہم نے اللہ تعالی کی تصدیق کی اوراس پرایمان لائے اوراولین مومنین کی تصدیق کی ۔اسی طرح کفار کا کفراورانکار باوجوداختلاف عبادت کے ایکہے کیونکہ اگرتم یہودی سے پوچھوکہ تم کس کی عبادت کرتے ہوتو وہ کہے گا کہ وہ عزیرابن اللہ تعالی؛ ہیں جیسے ہیں اور جوشخص ان صفات کے ساتھ متصف ہووہ مؤمن نہیں

جب تم نصرانی سے پوچھوگے کہ تم کس کی عبادت کرتے ہیں جواباکہے گا کہ اللہ تعالی؛ اورسب اللہ تعالی کی حقیقت معلوم کروگے تو کہے گا کہ وہ جدعیسی اوربطن مریم ہیں گویاالعیاذ باللہ۔اللہ تعالی جنین بھی بن سکتا ہے کوئی چیزاس کا۔۔۔بھی کرسکتی ہے وہ کسی چیز میں داخل بھی ہوسکتا ہے تو بھلایہ کیں کرمسلمان ہوگا۔

اسی طرح جب مجوسی سے پوچھوگےتو وہ اللہ تعالی؛ کی حقیقت یہ بتائے گا کہ اس شریک وسیہم ہیں، بیٹے ہیں، زوجہ ہے، کیاتم اسکومؤمن کہ سکوگے انہیں وجوہات کی بناپرانکارکفرایک ہی ہیں ہاں صفات اورعبادات مختلف ہیں اسکی مثال یوں سمجھوتین آدمی ہیں ان میں سے ایک نے کہا میرے پاس ایک ایسا سفید موتی ہےجس کی مثال دنیا میں نہیں ہے پھراسکوایک سیاہ انگور کادانہ نکالااورقسم کھا کرکہایہ موتی ہےاوراس بارے میں دوسروں سے جھگڑنے لگا، دوسرے نے کہا کہ میرے پاس اتنا بڑاموتی ہےجس کی نظیردنیا میں نہیں مل سکتی۔ پھرایک سیب نکالااوردوسروں سے جھگڑنے لگا کہ یہ موتی ہے! تیسرابولا میرے پاااس تو ایک دریتیم ہے، پھرایک پتھر کاٹکرا نکالااوراس پرقسم کھا کھا کردوسروں سے جھگڑنے لگا کہ یہی دریتیم ہے۔ یہ سب موتی سے ناواقف ہیں اور جہالت میں برابر ہیں لیکن اقوال وصفات مختلف ہیں۔اس سے پہچان سکتے ہوکہ تم ان کے موصوف ان کے معبود کی عبادت نہین کروگے کیونکہ وہ دواورتین کوموصوف ٹھہراتے ہیں اوراسکی عبادت کرتے ہیں۔اورتم صرف ایک معبود کو جاتے ہو۔۔۔تو تمھارامعبوداورانکا معبودمختلف ہیں اسی وجہ سے ارشاد اللہ تعالی؛ ہے:۔

﴿قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد﴾

آپ (ان کافروں) سے کہ دیجیے کہ اے (کافرو) میرااورتمھاراطریقہ واحد نہیں ہوسکتا (اور) نہ (توفی الحال میں تمھارے معبودون کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(٤٢) امام ابو مقتل:۔

جوکچھ آپ نے ارشادفرمایاپوری طرح سمجھ میں آگیا۔

اب یہ بتائیں کہ یہ لوگ رب سے ناوقفیت کے باوجود کہتے ہیں کہااللہ تعالی؛ ہمارے رب ہیں ایسا کیوں؟

امام ابو حنیفہ:۔

بے شک وہ ایسا کہتے ہیں لیکن انہیں رب کی معرفت نہیں۔ارشادہے

﴿ ولئن سالتھم من خلق الموت ولارض لیقولن اللہ تعالی تعالی قل الحمد للہ بل اکثرھم لا یعلمون﴾(لقمان:٢٤)

اوراگرآپ ان سے پوچھیں کہ سمانوں وزمیں کوکس نے پیدا کیا ہےتو ضروریہی جوب دیں گے کہ اللہ تعالی نے،آپ کہئے کہ الحمدللہ بلکہ ان میں اکثرنہیں جانتے

اللہ تعالی؛ نے فرمایا اکثر لوگ جاتے نہیں بلکہ اس بچہ کی طرح میں جسے ماں نے اندھا جنا اور رات ۔ دن ۔ سرخ ، زردی ، کا ذکر کرتا لیکن جانتا نہیں ۔ اسی طرح کفار کہ انھوں نے مومنین سے اللہ تعالی؛ کا نام سن لیا پھر سنی سنائی کہتے ہیں ارشادر بانی ہے ۔

﴿فالذین لا یومنون بالآ خرۃ قلوبھم منکرۃ و ھم مستکبرون﴾
(النحل:١٠)

تو جولوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے انکے دل (معقول بات سے) منکر ہو رہے ہیں اور وہ (قبول حق) سے تکبر کرتے ہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(٤٣) امام ابو مقاتل:۔

بالکل صحیح فرمایا، آپ یہ بتائیں کہ رسول اللہ تعالی کو اللہ تعالی؛ کی وجہ سے پہچانتے ہیں تو وہ کیسے؟ رسول تو توحید کی دعوت دیتا ہے ۔ مگر الہام ربای اور تقاضائے فطرت کے بغیر کسی کو کیا معلوم کہ کون رسول ہے ۔ یعنی لوگوں کو رسول کا رسول ہونا امر ابانی ہے اس لئے ہم رسول کو خدائے ذوالجلال کی وجہ سے پہچانتے ہیں ۔ بنابریں ارشاد حق ہے ۔ اگر معرفتاللہ تعالی؛ کا انحصار رسول پر ہوتا اور یہ سب اسی کے باعث ہوتا تو لوگوں پر رسول کا احسان ہوتا کیونکہ اس کی وجہ سے معرفت حاصل ہوتی ہے ۔ حالانکہ معفت ربوبیت کے باعث رسول پر احسان اللہ تعالی؛ وندی ہے اور انسانوں پر بھی کہ اس نے رسول بھیج کر لوگوں کی معرفت کا سامان کر دیا بلکہ ہم تو یہاں تک کہ سکتے ہیں کہخیر کا کوئی بھی عنوان ہو کوئی بھی پیرایہ ہو وہ صرف عطیہ ومرحمت خداوندی ہے اور کچھ نہیں ۔ ارشادر بانی ہے ۔

﴿انك لا تھدی من احببت الکن اللہ تعالی تعالی یھدی من یشئا﴾(القصص:٥٥)

آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالی؛ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(٤٤) امام ابو مقاتل:۔

آپ میرے بہت بڑے اضطراب کو دور کر دیا ۔

اور یہ بتائیں کہ ولائت اور برائت کیا ہیں؟ اور کیا دونوں ایک وقت میں ایک انسان میں جمع ہوسکتی ہیں کہ نہیں؟

امام ابو حنیفه:۔

ولائت: اچھے عمل پر رضامندی کا نام ہے اور برائت برائی پر ناپسندیدگی کا اظہار ہے؛ اور یہ دونوں باتیں کبھی بعض انسانوں میں بیک وقت پائی جاتی ہیں اور کبھی نہیں پائی جاتیں ،

اور وہ شخص جس میں یہ دونوں باتیں یک بارگی جمع ہو جاتی ہیں وہ ایک ایسا مؤمن بندہ ہے مؤمن ہونے کے باوجود اچھے اور برے دونوں طرح کے کام کرتا ہے؛ اب اگر تو مؤمن بندے کو نیک کام کرتا ہوا دیکھے تو تم اس سے اشتراک عمل موافقت مقصد اور محبت سبھی کچھ کرتے ہو؛ اور اگر اتفاقا اس سے برائی سرزد ہوتی ہے تو تم اس برئی کی وجہ سے اس سے نفرت کرتے ہو اسکی مخالفت کرتے ہو اور اس سے ناپسندیدگی اختیار کرتے ہو،

خود دیکھو کہ ایک ہی وقت میں ایک ہی شخص کے اندر ولائت ، برائت دونوں موجود ہیں ایک وہ شخص جو کفر پیشہ ہے جس میں صالحات کا کوئی امکان نہیں تم اسکو ناپسند کرتے ہو ۔ بالکل جدائی اضتیار کر لیتے ہو ۔ اسکے برعکس ایک مؤمن ہے جو سرتا بقدم خیر ہی خیر ہے تم اسکو اپنا جاتے ہو

اس سے محبت کرتے ہو اسکی بات تمھیں ناپسند نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(٤٦) امام ابو مقاتل:۔

جزاك الله اپ نے کتنی اچھی تفسیر فرمائی۔

اب اپ مجھے صرف ایک مسئلہ بتا دیں کہ:''کفران نعمت'' کا کیا مطلب ہے؟

امام ابو حنیفہ:۔

کفران نعمت یہی ہے کہ انسان خدا کی نعمتوں کا اس طریقے سے انکار کرے کہ یہ اللہ تعالی؛ کی نعمت نہیں ہے؛ تو وہ اللہ تعالی؛ کا کفر کرنے والا ہے کیونکہ جس نے اللہ تعالی؛ سے کفر کیا اس کی نعمتوں کا انکار کرتے ہوئے کفر کیا۔

جیسا کہ اللہ تعالی؛ کا ارشاد ہے

﴿يَعْرِفُوْنَ نِعْمَةَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنكِرُوْنَهَاوَاَكْثَرُهُمُ كَافِرُوْنَ﴾(النحل:۸۳)

وہ اللہ تعالی؛ کی نعمتوں کو جانتے ہیں اور پھر اس سے انکار کرتے ہیں اور اکثر اس قسم کے لوگ کافر ہیں؛

تو اس لحاظ سے کافر لوگ جانتے ہوئے کہ رات، رات ہے اور دن دن ہے اور اسی طرح صحت اور غنی کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں؛ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ ہر قسم کی وسعت اور کشادگی اور ارام وسکون اللہ تعالی؛ یعالی کی جانب سے ملی ہوئی خیر اور نعمتیں ہیں لیکن ان نعمتوں کا انتسا باللہ تعالی؛ کی طرف کرنے کی بجائے اپنے معبودان باطلہ کی طرف کرتے ہیں۔ اللہ تعالی؛ کی جن نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں اس کو اللہ تعالی؛ کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالی؛ کو فراموش کر دیتے ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالی؛ نے فرمایا؛

﴿يَعْرِفُوْنَ نِعْمَةَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنكِرُوْنَهَاوَاَكْثَرُهُمُ كَافِرُوْنَ﴾(النحل:۸۳)

یعنی یہ کافر لوگ اس بات کا انکار کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالی کی نعمتوں کو اسی اللہ تعالی؛ کی طرف سے جانیں جو اکیلا اور واحدہ لاشریک اور اس کی مثل کوئی اور ہستی نہیں ہے جیسا کہ خود اللہ تعالی؛ تبارک وتعالی نے فرمایا

﴿ليس كمثله شيء وهو السميع البصير﴾(النحل:۸۳)

اس کے مثل کوئی نہیں اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے؛ اور ہر ایک چیز پر اسی کو قدرت کاملہ حاصل ہے اور تمام کام اسی اللہ تعالی؛ کیطرف سے آتے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور تھے آپکے پوچھے گئے سوالات کے جوابات اور یہ صرف اللہ تعالی؛ کی مدد سے دئے گئے ہیں اور ہر معاملے میں وہ ہمیں کافی اور ہمارا بہترین کارساز ہے؛

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

والله المستعانو حسبنا الله ونعم الوكيل

وصل الله تعالى؛ على محمدو آله واصحابه اجمعين

تم الكتاب ولله الحمد

اردو

كتاب الوصية

امام اعظم ابوحنیفہ

نعمان بن ثابت الکوفی

۸۰ھ(۔۔۔۔)۱۵۰ھ

ترجمہ

رشید احمد العلوی

کلمات مترجم:

الحمد للہ نحمدہ والصلوۃ والسلام علی رسولہ ودعاء المغفرۃ واعلی الدرجات فی اعلی العلیین

اما بعد : وصیت نامہ لکھنے کا رواج زمانہ قدیم سے چلا آرہا ھے۔ اور تمام پیش رو اپنے پسماندگان کے لئے، لائحہ عمل، وصیت کی شکل میں تحریر فرماتے جو آنے والے لوگوں کے لئے ایک عمدہ زندگی گزارنے کا ضابطہ ہوتا تھا۔ انبیاء کرام بھی وصیتیں فرماتے رہے اور اولیاء واتقیاء بھی اسی موضوع پر ارشادات عالیہ سے اپنے متوسلین کو نوازتے رہے۔ زیر نظر كتـاب الـوصية امام الائمہ سراج الامہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی کا وصیت نامہ ہے، اگرچہ امام اعظم نے اپنی زندگی میں اور بھی وصیت نامے مختلف افراد کے نام تحریر فرمائے تھے ،مگر ان میں سب سے زیادہ جامعیت اور وسعت زیر نظر وصیت نامہ کو حاصل ہے، وصیت نامے کا موضوع :علم عقائد اور اس کے اولیں مخاطب مام صاحب کے زمانے ہم عصر لوگ، ایمان میں شریک بھائی، رہتی دنیا تک آنے والے انسان ہیں۔ وصیت نامے پر عمل کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ: جو شخص اپنے عقائد کی اصلاح، اور اپنے اندر اس سے مطابقت پیدا کرے گا تو وہ قیامت کے روز رسول ﷺ کی شفاعت کا حق دار ہوگا۔

علم عقائد کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہونے کے ساتھ تمام ادوار کے ائمۂ دین اس موضوع پر ہمیشہ اپنی اراء سے بھی نوازتے رہے؛ جیسا کہ شیخ ملا علی القاری شرح فقہ اکبر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ :الاترٰی ان الشّیطان اذا اراد ان یسلب ایمان العبد بربہ فانہ لایسلبہ منہ الا بالقاء العقائد الباطلۃ فی قلبہ؛ یعنی کیا آپ نے اس پر کبھی غور نہیں کیا کہ شیطان جب کسی شخص کے دل سے ایمان ختم کرنا چاہتا ہے تو اسکا طریقۂ کار یہ اختیار کرتا ہے کہ اس کے دل میں عقائد باطلہ القاء کرتا ہے اور وہ شخص باطل عقائد اختیار کرکے گمراہ ہو جاتا ہے؛ مگر امام اعظم نے علم عقائد پر صرف چند فرمان صادر نہیں فرمائے بلکہ مجموعی طور پر پانچ کتابیں تصنیف فرمائیں تھیں

۱: الفقہ الاکبر: حضرت صاحب کی تصنیف کردہ یہ چھوٹی سی کتاب اہل السنّت والجماعت کے عقائد میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے؛ اور علم عقائد کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں اس کا پہلا نمبر ہے، اور بقول امام بزدوی: امام صاحب سب سے پہلے متکلم ہیں؛ اور اہل السنّت والجماعت میں سب سے پہلے متکلم جنھوں نے علم عقائد کے موضوع پر باطل فتنوں کے خلاف مناظرے اور مجادلے اور مباحثوں کے ذریعے سرکوبی کی تھی؛ اور اس کتاب کی تصنیف کے ذریعے امت کی رہنمائی کے لئے سب سے پہلی بنیاد رکھی کہ اس کتاب کے بعد فن علم عقائد سیکھنے کی ایک ایسی بنیاد پڑی جو امت کے لئے سنگ میل کی حیثیت اختیار کر گئی؛

امام صاحب کے مختلف شاگردوں نے اس کتاب کا مطالعہ فرمایا اور اس کتاب میں مذکور مضامین پر امام صاحب سے سوال و جواب کئے اور انکو مرتب فرمادیا؛ الفقہ الابسط میں ان سوال و جواب کو امام ابو مطیع حکم بن عبداللہ البلخی نے جمع کیا؛ اور امام ابو مقاتل حفص بن سلم نے اپنے سوال و جواب کو العالم والمتعلم کے نام سے جمع کیا؛ اور اس طرح امام صاحب کے فرامین ان دو کتابوں میں یک جا ہو کر منظر عام پر آ گئے؛ اور ان میں اول الذکر مصر بیروت اور شام سے علامہ زاہد الکوثری کی تحقیق سے متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہیں؛ اور پاکستان میں مفتی محمد عیسی کے مقدمہ اور مفتی عبید اللہ العلوی کی تحقیق سے مجلس علمی نے اس کو شائع کیا ہے؛ اور ثانی الذکر شام سے اور بیروت سے متعدد بار شائع ہوئی مگر اس کا عربی متن پاکستان سے شائع ہونا میرے علم میں نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ تینوں کتابیں دنیا کے مختلف ممالک میں مطبوعہ شکل میں موجود اور متداول ہیں؛ اور علم عقائد میں بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں:

امام صاحب نے فن مجادلہ پر بنام (الرسالہ فی ردعلی القدریہ) ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا؛ جو تا حال غیر مطبوعہ ہے؛ اگر چہ بعض ائمہ اس کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کی وہ الفقہ الابسط کا ہی دوسرا نام ہے؛ مگر یہ بات خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ الفقہ الابسط کا موضوع الفقہ الاکبر کے مضامین اور مسائل پر وارد ہونے والے اعتراضات کی تشریح و توضیح ہے؛ اور اس میں اس زمانے کے معروف فرقے جبریہ، قدریہ، اور شیعہ، کا ضمناً رد کیا گیا، اور ان کے مفروضات باطلہ کا جواب دیا گیا ہے، جبکہ اس رسالہ کا موضوع اس زمانے کے معروف فرقے قدریہ کا رد کیا گیا؛ یقیناً امام صاحب سے اس فرقے کے رد پر الگ رسالہ تحریر فرمایا ہوگا اور اسی کا نام الرسالہ فی رد علی القدریہ؛

اس موضوع کی پانچویں کتاب: جو حضرت کی آخری تصنیف ہے وہ کتاب الوصیت ہے جو آپنے مرض الموت میں املاء کروائی تھی؛ یہ آپکے ہاتھوں میں موجود ہے؛ اگر چہ اس کتاب کو ملا علی القاری نے اپنی کتاب شرح الفقہ الاکبر میں مکمل طور پر تحریر فرما دیا ہے؛ اور بعض ائمہ نے اس کی شروحات بھی لکھیں اور صاحب درالناصحین نے اس کا مکمل فارسی ترجمہ اپنی کتاب میں نقل فرمایا تھا؛ مگر ضرورت اس بات کی تھی کہ اردو دان طبقہ

کے لئے اس کا ایک سلیس اردو ترجمہ بمع ضروری توضیحات (note) کیا جائے؛ اور عربی متن کی تشریح اور توضیح علماء کے طبقہ کے لئے مرتب کی جائے؛ الحمد للہ: اللہ تبارک وتعالی نے والد محترم مولانا عبدالحی (المتوفی: ۱۹۹۶) اور جدّ مکرم امام عبدالعزیز محدث سہالوی (المتوفی: ۱۹۴۰ء) کی طرف سے ملے وراثتی علمی ذوق اور حضرت شاہ نفیس الحسینی کی خصوصی توجہات سے یہ کام آسان فرمادیا۔

فللّٰہ الُحَمدُ اوّلاً وّآخِراً وّظَاھِراً وّبَاطِناً

مقدمۂ مصنف:

تمام تعریفیں اس ذات باری والا صفات کے لئے مخصوص ہیں جس نے ہمارے دلوں کو ایمان کے نور سے مزین فرمایا؛ اور اس کی تمام رحمتیں رسول اکرم ﷺ کے لئے ہوں جو نبوت اور رسالت کے منصب کے ساتھ ساری انسانیت اور جنّیت کی طرف مبعوث فرمائے گئے؛ اور آپ کی پاکیزہ آل؛ اور برگزیدہ اصحاب کرام جو اللہ تعالی کی طرف سے سرداری کے منصب پر فائز کئے گئے؛ اور صبح قیامت تک ان پاک بازہستیوں کی اتباع کرنے والے بھی اللہ تعالی کی رحمتوں سے بہرہ یاب ہوں

وصیت نامہ کی اہمیت

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آخری بیماری میں تمام احباب اور شاگردوں کو اپنے قریب بلاکر فرمایا: ۔اے میرے ساتھیو اور بھائیو اللہ تعالی ہراچھے کام میں تمہاری مدد اور موافقت کرے؛

جان لو! کہ فلسفۂ الٰہیات اور علم عقائد میں طبقۂ اہل السنّت والجماعت کا رکن شمار کئے جانے کے لئے بارہ (۱۲) خصلتیں یا بارہ نشانیاں ہیں ۔اور جو شخص ان عادات اور خصلتوں کو اپنے اندر پیدا کرے گا اور پھران پر مستقل مزاجی سے قائم رہے گا وہ کبھی اہل بدعت میں سے اور نہ ہی طبقۂ ہواؤ ہوس میں سے ہوسکتا ہے ۔

اور میرے دوستو اور بھائیو! تم لازمی طور پر ان عادات کو اختیار کرو تاکہ قیامت کے روز نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کے حصہ دار بن سکو؛ اور دنیا میں اللہ کی مدد اور نصرت کی ہوئی جماعت اہل السنّت والجماعت میں شامل ہو جاؤ۔

﴿پہلی خصلت﴾

ایمان کی حقیقت اور اس کے ارکان

ان میں پہلی خصلت یہ ہے کہ: زبان سے اقرار کرے اور دل سے تصدیق کرے ۔کیونکہ صرف زبان سے اقرار کرنا ایمان نہیں ہوسکتا اگر یہ ایمان ہوتو سارے منافق بھی مؤمن بن جائیں گے کیونکہ وہ زبان سے اقرار تو کرتے ہیں مگر انکی تصدیقِ قلبی نہیں ہے ۔اسی طرح اکیلی معرفت اور دل سے تصدیق بھی ایمان نہیں ہوسکتی ، اگر اس کو ایمان مانا جائے تو سارے اہل کتاب مؤمن بن جائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے جماعت منافقین کے بارہ میں ارشاد فرمایا: واللّٰہ یَشْھَدُ انّ المُنافِقِین لکَاذِبُون ؛ یعنی اے نبی ﷺ جب آپکے پاس آکر منافق اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ﷺ ہیں ؛ تو انکے جواب میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: اللہ بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ اے نبی ﷺ آپ اللہ تعالی کے سچے رسول ہیں اور اللہ تعالی اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں منافق اپنے ایمان دار ہونے کے دعوی میں جھوٹے ہیں ، اس وجہ سے کہ: وہ زبان سے اقرار تو کرتے ہیں مگر دل سے تصدیق نہیں کرتے ۔اور اہل کتاب کی حقیقت یہ ہے: وہ نبی ؐ کو اسی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کو جانتا اور پہچانتا ہوں مگر زبان سے اقرار نہ کرنے کی وجہ سے ان کے ایمان کی اللہ تعالی کے ہاں کوئی حقیقت اور قدر قیمت نہیں ہے؛

ایمان میں کمی اور زیادتی

اور ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی ؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایمان کی زیادتی اس وقت تک تصور نہیں کی جاسکتی جب تک کفر میں کمی نہ ہو ؛ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں سچا مؤمن اور سچا کافر بھی ہو کیونکہ ایمان اور کفر کی کمی کوئی مادی چیز نہیں ۔ بلکہ یہ تو ایک کیفی چیز ہے ؛لہذا اس میں کمی اور زیادتی کا گمان ہی محال ہے ؛ کیونکہ ایمان میں کمی اور زیادتی کمیت اور مادیت کی صفت سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ کسی کیفیت سے ۔

ایمان میں شک کرنے اور معاصی کا حکم

اور ہر مؤمن سچا مؤمن ہے اور ہر کافر پکا کافر ہے؛ جیسے مؤمن کے ایمان میں شک نہیں اسی طرح کافر کے کفر میں شک نہ ہو گا؛ جیسے اللہ تعالی کا قول ہے: اولئك ھُمُ المُؤمِنُون حقاً ؛ یعنی یہی لوگ سچے مؤمن ہیں ؛ اور کافروں کے بارہ میں ارشاد فرمایا:

اولٰئك هم الكافرون حقا؛ یہی لوگ سچے کافر ہیں ؛ اور معلوم ہونا چاہیے کہ اُمتِ محمد یہ کے وہ لوگ جو توحید باری تعالی کے قائل ہیں گناہ گار رہونے کے باوجود یہ لوگ مؤمن ہیں کافر ہرگز نہیں ہیں ؛

﴿ دوسری خصلت ﴾

ایمان اور عمل کا تعلق :

اور معلوم ہونا چاہئے کہ عمل علیحدہ اور ایمان علیحدہ چیز ہے، اس بات کی دلیل یہ ہے کہ: اکثر اوقات کسی مؤمن کو عمل کی معافی دے دی جاتی ہے ؛ یعنی جب یہ شخص کسی عذر میں مبتلاء ہو جائے تو اسکے عذر کی وجہ سے یہ کہا جائے گا کہ اسکو عمل معاف ہے مگر ایمان کے معاف ہونے اور ذمّے سے ساقط ہونے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں حال میں ایمان چھوڑ دیا جائے ؛

مثال کے طور پر: حائضہ اور مدت نفاس میں مبتلاء عورت کو نماز معاف کر دی جاتی ہے لیکن یہ نہیں کہا جاتا کہ اس پر ایمان بھی لازم نہیں رہا ؛ یا اس کو ایمان چھوڑنے کا حکم دے دیا گیا ہے ؛ اور اسی طرح صاحب شریعت نے حائضہ اور نفاس والی عورت کو روزہ چھوڑنے کا حکم تو دیا ہے اور بعد میں اس کی قضاء تجویز کی ہے ؛ لیکن اس کو یوں نہیں کہا جائے گا کہ ایام ماہواری میں ایمان چھوڑ دے اور بعد میں اس کی قضاء کر لے ؛ اور اسی طرح غریب آدمی پر زکوٰۃ لازم نہیں ہے اس صورت میں یوں تو کہا جا سکتا ہے کہ: غریب آدمی پر زکوۃ لازم نہیں ہے لیکن یہ کہنا جائز نہیں کہ: غریب آدمی پر ایمان بھی لازم نہیں ہے ؛

﴿ تیسری خصلت ﴾

اچھی اور بری تقدیر کا حکم

اور ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہر اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالی کی طرف سے ہے ؛ کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: قُل كلٌّ من عند الله یعنی اے نبی ﷺ آپ فرما دیجئے سب کچھ (خیر اور شر) اللہ تعالی کی طرف سے ہے ؛ اور جو شخص خیر یا شر کے اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہونے کا قائل ہو ؛ اور کہے کہ اچھی تقدیر اللہ تعالی کی طرف سے اور بری اللہ تعالی کے غیر کی طرف سے ہے یا اس کے الٹ کہے تو وہ شخص کافر ہو جائے گا ؛ اور اس کا عقیدۂ توحید باطل اور ایمان زائل ہو جائے گا بشرطیکہ وہ پہلے اللہ تعالی کی توحید کا قائل اور اس پر ایمان کا حامل ہو.

اعمال کی تین قسمیں ہیں

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ انسان سے صادر ہونیوالے تمام اعمال تین طرح کے ہیں :

۱: فرائض ۲: فضائل ۳: معاصی

۱: فرائض سے مراد، انسان کے ذمہ وہ عمل ہے جنکا ادا کرنا لازم ہے ؛ اور انکا بندے کے ذمے لازم ہونا اللہ تعالی کے حکم اس کی مشیت، اور اسکی محبت، اسکی رضا، فیصلے اور اسکی تقدیر ؛ اور اسکے ارادے، توفیق اور اسکی تخلیق ؛ اسی کے حکم، علم، اور لوحِ محفوظ میں لکھے جانے کی وجہ سے ہے اور جو اعمال اس صورت میں معرضِ وجود میں آئیں وہ فرائض کا درجہ رکھتے ہیں.

۲: فضائل میں وہ اعمال ہیں جو اللہ کے حکم نہیں بلکہ انکی بجا آوری اللہ تعالی کی چاہت ؛ اور مشیت ؛ اسی کی محبت، فیصلے ؛ اور اسکی قضاء ؛ اسکی رضا اس کی طرف سے مقدر کئے جانے اور اس کی توفیق، تخلیق اور اسکے ارادے اور حکمت ؛ اور اللہ تعالی کے علم کامل اور لوحِ محفوظ میں لکھے ہونے کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں ؛ لہذا: ہم لوحِ محفوظ اور قلم پر ؛ اور ان دونوں کے ساتھ جو کچھ ظاہر ہوا اور لکھا گیا ان سب پر ایمان لاتے ہیں ؛

نوٹ: قلم اللہ تعالی کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے ؛ جس میں اللہ تعالیٰ نے ضروری علوم کے لکھنے کی استعداد کو پیدا کر دیا تھا ؛ اس کی حقیقت ملائکہ کی طرح ایک جسمِ نورانی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے علم اور قوت اور ادراک اور فہم واستفہام کی استعداد رکھ دی تھی ؛ اور اللہ تعالیٰ نے اسی استعداد کے ساتھ قلم کو سب سے پہلے پیدا فرمایا ؛ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: اوّل ماخَلق الله

القَلَم ، فَقَالَ لهُ : اُكتُب ! فقال ماذا اكتُبُ يا ربی؟ فقال الله تبارك و تعالیٰ:اُكتُبِ القدرَ ما كانَ وَمَاهُو كَائنٌ اِلَى الْاَبَدِ ؛أخرجه الترمذی:٢٠٨١؛ وفی رواية(فكتب القلم)من استسلم بقضائی،ويصبر علی بلائی ، ويشكر علی نعمائی كتبته وبعثته صديقين يقيناً؛ومن لم يرض بقضائی ،ولم يصبر علی بلائی ،ولم يشكر علی نعمائی وليخرج من ارضی وسمائی ،وليتّخذ ربّاًسوائی ؛ **یعنی** اللہ تعالی نے اپنی مخلوقات میں سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا؛اوراسکو لکھنے کا حکم دیا؛اس نے پوچھا اے اللہ! میں کیا لکھوں؟ ارشاد ہوا قیامت تک جو کچھ بھی واقع ہونے والا ہے وہ سب لکھ دے ؛ (اورایک روایت میں ہے) جو میری قضاء وقدر کے سامنے سرِتسلیم خم کردے، میری طرف سے وارد ہونے والی مصیبتوں پر صبر کرے،اور میری نعمتوں پر شکر کرتا ہے،ان کے بارے میں سچے صدیقین میں سے ہونے کا فیصلہ کرتا ہوں اور لکتا ہوں ،اور جو میری قضاوَقدر پر راضی نہیں ہوتا میری طرف سے وارد ہونے والی بلاؤں پر صبر نہیں کرتا ،اور میری نعمتوں پر شکر نہیں کرتا ،اس کو چاہئے کہ میرے آسمان وزمین میں سے نکل جائے ،اور میرے علاوہ کسی اور کو اپنا رب بنالے ؛اور قلم نے لوح محفوظ میں سب کچھ ان کی ذات اور صفات سمیت لکھ دیا؛

لکھائی: لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ نہ تو انسانی تحریر کی مانند تھا ؛اور نہ عددی انداز میں تھا اور نہ ہی وہ کوئی خفیہ اشاروں(secret code) میں تھا جیسے آجکل کمپیوٹر کام کرتا ہے ؛اور نہ ہی کوئی اور ایسا طریقۂ تحریر تھا جو ہزاروں سال قبل یا ہزاروں برس بعد کے انسان استعمال کرتے یا کر سکتے ہیں یا کریں گے ؛

لوح محفوظ: لوحِ محفوظ بھی اسی طرح اللہ کی نورانی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے؛اس میں بذاتِ خود کوئی صلاحیت نہیں کہ اپنی مرضی سے کوئی نہ ہو سکنے والی بات کر دیں ؛ یا نہ ہونے والا کام کر دیں ؛ یہ بات اس کے اختیار کی حدود میں نہیں اور نہ ہی اس کی طاقت میں ہے؛ بس اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جو ان پر جاری وساری اور حاوی ہوئی اور ہوتی رہتی ہے ؛

ایک بات بڑی واضح ہے کہ :قلم کو دنیا میں انسان کے بنائے ہوئے قلم کی مانند اور لوح کو انسانی الواح یا note book کی مانند نہ سمجھنا چاہئے بلکہ وہ ان سے یا ان کی مثل بننے یا ہونے سے بھی پاک ہے؛اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بنایا اور جو حکم فرمایا وہ اسی کے حکم کی تعمیل میں لگے ہوئے ہیں ؛البتہ بعض اوقات اللہ تعالی اپنی خاص مخلوقات اور انکے نام اسی طرح کے استعمال کرتے ہیں جیسے دنیا میں ہم نام استعمال کرتے ہیں تاکہ انسان کے سمجھنے میں آسانی ہو جائے ؛اور نام کی موفقت ذات کی موافقت کو لازم نہیں آتی ۔

۳: **معاصی** وگناہوں کا ظہور اللہ تعالی کے امر سے نہیں ہوتا ؛ البتہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے؛ ان کے ظاہر ہونے میں اللہ تعالی کی محبت شامل نہیں ہوتی البتہ اسی کے فیصلے اور قضاء سے عمل میں آتی ہے ؛اس کے واقع ہونے میں اللہ تعالی کی رضاء کی ضرورت نہیں البتہ اس کی تقدیر اور تخلیق سے وہ کام واقع ہوتے ہیں ؛اور ان کے صادر ہونے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نہیں ملتی ،البتہ اللہ تعالی کا ارادہ ،اس کی حکمت ،اس کے علم کے مطابق انکا عملی ظہور ہوتا ہے ؛ اور اس قسم کے عمل کرنے میں اللہ کی ناپسندیدگی شامل ہوتی ہے اس کی معاونت حاصل نہیں ہوتی ؛اور تمام اعمال لوحِ محفوظ میں لکھ دئے جانے کی وجہ سے ظہور میں آتے ہے؛اور انکا قابل موأخذہ ہونے کی وجہ فاعل یعنی انسان سے صادر ہونا ہے ؛

﴿چوتھی خصلت﴾

اللہ تعالیٰ کا عرش پر استویٰ

ہم اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ : اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہیں ؛ اگر چہ اللہ تعالیٰ کو عرش پر مستوی ہونے کی نہ تو کوئی حاجت ہے اور نہ ضرورت ؛ اور نہ ہی ان کے عرش پر مستوی ہونے کی کوئی کیفیت اور طریقہ ہے ؛ اور اللہ تعالی کے عرش پر قرار پکڑنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو عرش اور غیر عرش ہر چیز کا محافظ ہے

....

نوٹ : عرش بھی اللہ تعالی کی نورانی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے؛ جس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ایک اور مخلوق کرسی رکھی ہوئی ہے ؛ اور عرش اللہ

تعالیٰ کی وہ مخلوق ہے جو اللہ تعالیٰ نے پانی کے بعد بنائی ہے؛ اس لئے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وکان عرشہٗ علی المآء یعنی اللہ کا عرش پانی پر تھا؛ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے پانی کی تخلیق ہوئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا عرش معرضِ وجود میں لایا گیا؛ اور اللہ نے اسکے بعد لوح وقلم بنائے اور ان کو حکم دیا اکتب ما ھو کائنٌ یعنی ہمیشہ کے لئے جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھ دو؛ اس کے بعد آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے بنائے گئے ہیں؛ اسی لئے حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ:

کتب اللہ خلق مقادیرالخلائیق قبل ان یخلق السموٰات والارض بخمیس الف سنۃٍ وکان عرشہٗ علی المآء

[اخرجہ مسلم:٤٧٩٧؛ الترمذی:٢٠٨٢احمد:٦٢٩١]

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیریں آسمان وزمین کے بنائے جانے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی تھیں؛ اور یہ وہ وقت ہے جبکہ اللہ تعالی کا عرش پانی پر تھا؛ اس سے یہ بات معلوم ہو جانی چاہئے کہ عرش بھی اللہ کی دیگر مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہے اور وہ بھی حادث (temporary) ہے اللہ تعالیٰ اور اسکی صفات کی طرح دائمی (forever) اور قدیم (eternal) نہیں ہے؛

اسی طرح اللہ کی صفات میں سے ہے (ھورب العرش المجید) یعنی اللہ تعالی عرش عظیم کا بھی رب ہے اور عرش اس کا پروردہ اور پیدا کردہ ہے؛ اور اس عرش کے پائے بھی ہیں جسے حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فا ذا انا بموسیٰ آخذ بقائمۃ من قوائم العرش [اخرجہ البخاری:٣١٤٦] یعنی میں موسیٰ کے ساتھ اللہ تعالی کے عرش کے پائیوں میں سے ایک پایہ پکڑ کر کھڑا ہوں گا؛ اور عرش چار جہتوں کے لحاظ سے محدود ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے حافین من حولِ العَرش یعنی ملائکہ اللہ تعالی کے عرش کے گرد اس کو گھیرے ہوئے کھڑے ہیں؛ اور کئی پروں والے فرشتے اس کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ تمام آیات قرآنی بتاتی ہیں کہ عرش محدود (limited) اور مخلوق ہے؛ اس کے کئی اجزاء ہیں؛ لہذا وہ حادث اور عارضی ہے دائمی نہیں؛ اور اللہ کا فرمان ہے: کل شیءٍ ھالکٌ الاوجہ؛ کہ اللہ تعالی کی ذات کےعلاوہ تمام اشیاء ہلاک ہونے والی ہیں؛ اور عرش بھی اللہ تعالی کی پیدا کردہ اشیاء میں سے ایک شئ ہے لہذا وہ بھی فانی ہے؛

یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اللہ تعالی کے عرش پر متمکن ہونے کے معانی کو دیکھتے ہوئے کسی شک میں مبتلاء نہ ہونا چاہئے؛ جیسا کہ امام مالک سے استوی علی العرش کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپؒ نے جواب دیا اَلاستوآءُ معلومٌ؛ وَالْکیفُ مجھُولٌ؛ وَالایمانُ بہ واجبٌ؛ وَالسُّؤالُ عَنہ بِدعۃٌ یعنی اللہ تعالی کا عرش پر مستوی ہونا مفہوم کے لحاظ سے معلوم ہے، اور اس کی کیفیت نا معلوم ہے؛ اس پر ایمان لانا واجب ہے؛ کیونکہ ان پر ایمان لانا جزو ایمان ہے چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے؛ اور اس کے بارہ میں غور وغوض کرنا بدعت ہے؛ اور اس باب میں یہ کلام کافی اور وافی ہے اس شخص کے لئے جو دل رکھتا ہو اور جانتا ہے کہ اس نے اللہ کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال اور ایمان کے مطابق بدلہ پانا ہے؛

اللہ بیٹھنے اور آرام کرنے کے محتاج نہیں ہیں

اگر اللہ تعالیٰ بیٹھنے اور آرام کرنے کے محتاج ہوتے تو جہان اور دنیا بنانے پر کبھی قادر نہ ہوتے؛ اور اس کی تدبیر کرنا؛ اور تمام مخلوقات کی طرح اس عالم کی دیکھ بھال کرنا ممکن نہ ہوتا؛ اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ اللہ تعالیٰ بیٹھنے یا آرام کرنے کے محتاج ہیں تو سوال پیدا ہوگا کہ عرش کی تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ کہاں آرام فرماتے تھے؟ لہذا اس کے بارے میں یہی عقیدہ رکھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام کیفیات اور اقوال سے پاک ہیں جن سے ذات باری تعالی مین عاجزی اور نقص لازم آئے اور ہم یوں کہیں گے کہ: اللہ تعالیٰ کو اس کی حاجت اور ضرورت نہیں کہ آرام کریں یا بیٹھیں۔

مشق سوالات

١:۔ ان خصلتوں کے کیا فوائد ہیں؟ کم از کم تین فائدے لکھیں

٢:۔ ایمان لانے کے کتنے رکن ہیں اور کون کون سے؟

٣:۔ کیا ایمان کم زیادہ ہوتا ہے یا نہیں، تفصیلی بحث کریں؟

٤:۔ ایمان وعمل کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

٥: اعمال کی کتنی اقسام ہیں اور ان کے مراتب کیا ہیں؟

۶: اللہ تعالی کی رضا؛ حکم اور توفیق سے کونسا عمل ظاہر ہوتا ہے

۷: ۔عرش کی حقیقت کیا ہے؟ تفصیلی بحث کریں؟

۸: ۔کیا اللہ تعالی عرش کے محتاج ہیں؟

☆☆☆☆☆☆☆

﴿پانچویں خصلت﴾

قرآن کریم کا کلام اللہ ہونا

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔اسی کی طرف سے وحی کے ذریعے نازل ہوا ہے؛ اور چونکہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہوا ہے لہذا یہ اللہ تعالی کی صفت ہے نہ کہ ذاتِ خدا لیکن ذات سے غیر بھی نہیں ہے؛ بلکہ تحقیقی بات یہ ہے کہ اللہ تعالی کی باقی صفات کی طرح یہ بھی ایک صفت ہے جس کا ظہور قرآنِ کریم کے معرض وجود میں آنے کا باعث ہے۔

قرآنِ کریم اللہ کی کتاب ہونے کی حقیقت

قرآنِ کریم ایک کتاب ہے جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے؛ زبان کے ساتھ پڑھا جانے والا؛ سینوں میں محفوظ ہو جانے والا؛ اور اس میں کچھ حائل نہیں ہوتا؛ تمام حروف، حرکات، سیاہی، کاغذ، اور کتابت اور اشیاء کی طرح اللہ تعالی کی مخلوقات میں سے مخلوق ہیں؛ کیونکہ یہ اشیاء اپنے وجود میں آنے کے لئے بندوں کے فعل کی محتاج ہیں؛ جبکہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں کیونکہ وہ اپنے وجود میں آنے کے لئے کتاب، حروف، کلمات اور عبارات کا محتاج نہیں؛ یہ تمام آلۂ قرآن ہیں اور اس کی تشکیل بندوں کی ضرورت کے پیش نظر ہے، نہ کہ اللہ تعالی کی ضرورت کی وجہ سے یعنی اگر یہ نہ ہوں تو بندے اللہ تعالی کی اصل مراد تک نہ پہنچ سکیں۔

کلامِ اللہ کی حقیقت اور اس کا مفہوم

اور اللہ تعالی کا کلام بذات خود قائم ہے؛ اور اپنے قائم ہونے میں اس کے علاوہ کسی کا محتاج نہیں؛ اور اس کا مطلب اور مفہوم انہی آلات، کلماتِ، حروف اور حرکات سے واضح کیا جا سکتا ہے؛ اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالی کا کلام مخلوق ہے وہ اصل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کر رہا ہے؛ اور اللہ تعالیٰ معبود ہے اور اپنی ہر صفت میں جس طرح ہے ہمیشہ سے اسی طرح ہے؛ اللہ تعالی کو ان صفات کے بدلنے کی ضرورت نہیں پڑتی اور اس کا کلام پڑھا، لکھا، اور محفوظ کیا جاتا ہے؛ اور کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو تعلیم کے عمل میں اس لئے زائل ہو جائے کہ اس کے لئے مناسب الفاظ، صحیح ادائیگی، اور درست تحریر، پورے کلمات، کامل حروف نہ مل سکتے ہوں.

﴿چھٹی خصلت﴾

امت میں افضل ترین شخص؟

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں افضل ترین شخص حضرت سیدنا ابوبکرؓ الصدیق اسکے بعد حضرت عمرؓ الفاروق اسکے بعد حضرت عثمانؓ ذوالنورین اسکے حضرت علیؓ المرتضی ہیں؛ اور دلیل اس کی اللہ تعالی کا فرمان ہے: والسابقون السابقون أولئك المقربون فی جنات النعیم؛ اور سبقت لے جانے والے اللہ تعالی کے مقرب بندوں میں سب سے آگے ہیں؛ اور نعمتوں والی جنت میں انکا ٹھکانہ ہوگا؛ اس اللہ تعالی کے فرمان سے معلوم ہوا کہ: ایمان لانے میں جو زیادہ مقدم ہے وہی افضلیت میں بھی زیادہ افضل اور مقدم ہے؛ اور ہر مؤمن، متقی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتا ہے؛ جبکہ ہر منافق، بدقسمت ان سے بغض رکھتا ہے.

﴿ساتویں خصلت﴾

انسان اپنے تمام اوصاف سمیت مخلوق ہے

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: بندہ اپنے تمام اعمال، ایمان کے اقرار، اور معرفتِ الٰہیہ سمیت اللہ تعالی کی مخلوقات میں سے مخلوق ہے؛ کیونکہ جب اعمال کا عامل جو انسان ہے وہ مخلوق ہے تو اس سے صادر ہونے والے اعمال بطریق اولی اللہ تعالی کی مخلوق ہوں گے۔

اللہ تعالی تمام مخلوقات کے خالق ورازق ہیں

پھر ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے خالق، اور رازق ہیں؛ جبکہ بندوں کے پاس اپنی ذاتی کوئی طاقت نہیں ہے کہ: وہ اپنے آپ کو بنا سکیں یا اپنے رزق کا از خود انتظام کرسکیں؛ ان کے ضعیف، عاجز، محدث (temporary) ہونے کی وجہ سے اللہ ہی ان کا خالق اور رازق ہے؛ اور دلیل اس بات کی اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے واللہ خلق کم ثم رزاقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم اللہ تعالی وہ ذات ہے جو تمہیں پیدا کرتی ہے پھر تمہیں رزق دیتی ہے پھر تمہیں زندگی دیگی اور موت دے گی۔

حلال اور حرام کمائی اور اس کا حکم

اور حلال ذرائع سے حلال کمائی حلال ہے؛ اور حرام ذرائع سے مال جمع کرنا حرام ہے؛

نوٹ: البتہ اگر حرام مال کھالیا جائے یا استعمال کرلیا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں ا: اسکا استعمال بوجہ اضطرار یا مجبوری کے ہو تو جس حد تک مجبوری ہے اس حد تک گناہ نہ ہوگا؛ اور مجبوری ختم ہو جانے پر بھی اس استعمال میں لانا گناہ ہے البتہ اس کے استعمال سے صادر شدہ فعل شرعی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے کافی ہوگا؛ مثلاً حرام روزی کھانے کے بعد اگر کوئی شخص نماز ادا کرے تو اس کی نماز ادا ہو جائے گی؛ لیکن حرام مال جمع کیا جائے اور اسکا مالک بھی معلوم ہو تو اس کا لوٹانا لازم ہے؛ اسی طرح اگر چور کے پاس چوری شدہ مال مل گیا تو اس کے اصل مالک کو لوٹا دیا جائے گا؛ بشرطیکہ اس چور پر حد جاری نہ کر دی گئی ہو؛

انسانوں کے ایمان کے لحاظ سے اقسام!

انسان اپنے ایمان کے لحاظ سے تین اقسام پر مشتمل ہے

۱۔ مؤمن جو اپنے ایمان میں مخلص ہو اور دل سے اللہ تعالی کے دین کا مطیع اور فرمانبردار ہو؛

۲۔ کافر جو کفر پر قائم ہونے کے ساتھ اس کی اشاعت میں جد و جہد کرنے والا ہو؛

۳۔ منافق جو اپنے نفاق میں اعلانیہ اقرار کرنے والا ہو اور اس میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہ کرتا؛

اور اللہ تعالیٰ نے مؤمن پر ایمان لاچکنے کے بعد عمل لازم کیا ہے؛ اور کافر پر ایمان لانا لازم کیا ہے؛ اور منافق پر اخلاص لازم کیا ہے؛ اور دلیل اس بات کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یاایھا الناس اعبدوا ربّکم یعنی اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ تو مطلب اس کا یوں ہوگا کہ: اے لوگو اگر تم مؤمن بن چکے ہو تو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو؛ اور اگر عالمِ کفر میں مبتلا ہو تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ اور اگر منافقت کی بے آب و گیاہ وادی میں سرگرداں ہو تو اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص پیدا کرو؛ اسی پر تمہاری دائمی کامیابی کا مکمل انحصار ہے؛

مشق سوالات

۱:۔ قرآن کس لحاظ سے قدیم اور کس لحاظ سے حادث ہے؟

۲:۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی حقیقت کیا ہے؟

۳:۔انبیاءؑ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟اور اس کی ترتیب کیا ہے؟
۴:۔بندے کے افعال ایمان وعمل سمیت قدیم ہیں یا حادث؟
۵:۔بندے کی حرام ذرائع سے کمائی کا کیا حکم ہے؟
۶:۔ایمان کے لحاظ سے بندوں کی کتنی اقسام ہیں؟

﴿آٹھویں خصلت﴾

انسان کے عمل کرنے کی طاقت عمل سے پہلے ہے یا بعد میں؟

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ:عمل کے صادر کرنے کی طاقت اللہ تعالی کی طرف سے صدورفعل کے ساتھ ہی ملتی ہے نہ کہ فعل کے صادر ہونے سے پہلے یا فعل کے صادر ہو جانے کے بعد؛ کیونکہ اگر یہ استطاعت صدورفعل سے پہلے ہوتو بندہ اپ نے تمام افعال سرانجام دہی میں اللہ تعالیٰ سے مستغنی اور کارخود مختار بن جائیگا؛ اور یہ عقیدہ رکھنا شریعت کے خلاف ہے؛ کیونکہ ارشادِ باری ہےواللہ الغنی و انتم الفقراء؛یعنی اللہ تعالی غنی ہے اور اے اللہ کے بندوتم اللہ تعالی کی بارگاہ کےفقیر اور محتاج ہو؛

اسی لئے قطعہ ہے کہ

تو غنی ہے کل جہاں سے میں فقیر آ گیا در پر ترے بندہ حقیر
گر کیا نہ تو نے اعلانِ عفو تو رہے گا خوف مجھکو داروگیر

اور کسی نے اسکو یوں کہا ہے

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر
گر تو مے بینی حسابم ناگزیر از نگاہ مصطفےؐ پنہاں بگیر

اور اگر یہ کہا جائے کہ فعل کے سرانجام دینے کے بعد اس کی استطاعت اور استعداد ملتی ہے تو یہ امرِ محال (impossible) ہے؛ مطلب اسکا یہ ہے کہ ہم ناممکن بات کو ممکن کہہ رہے ہیں؛ کیونکہ کسی فعل یا امر کا سرانجام دیا جانا یا عمل میں لانا طاقت واستطاعت کے ذریعے ممکن ہے؛ اور جب مخلوق میں کسی کے پاس بذاتِ خود کوئی طاقت نہیں؛ تا وقتیکہ اللہ تعالی کی طرف سے اس کی کوشش کے ساتھ توفیق اور استطاعت حاصل نہ ہو جائے تو وہ کام عمل کی حدود میں داخل کیسے ہوسکتا ہے۔

﴿نویں خصلت﴾

موزوں پر مسح کرنا

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: موزوں پر مسح کرنا مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات یعنی ۲۴ گھنٹے کے لئے جائز ہے؛ اور مسافر کیلئے تین دن اور تین راتیں (۷۲ بہتر) گھنٹے تک جائز ہے کیونکہ احادیث میں اسی طرح وارد ہوا ہے؛ اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے اس پر کفر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو جاتا ہے؛ اس لئے کہ مسح کا حکم احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے؛

....

نوٹ: موزوں پر مسح کرنے کے لئے سات شرائط ہیں؛

۱۔ پاؤں دھونے اور طہارتِ کاملہ کے بعد پہنا گیا ہو یعنی ایسے وقت پہنا گیا ہو جب اس پر غسل لازم نہ ہو؛
۲۔موزوں نے پاؤں کو ٹخنوں تک چھپا لیا ہو؛
۳۔مستقل طور پر انکو پہن کر چلنا ممکن ہو؛
۴۔ پاؤں کی چھوٹی تین انگلی کے برابر یا اس سے زیادہ نہ پھٹا ہوا ہو ۵۔موزہ باندھے یا پکڑے بغیر پاؤں پر جما رہے؛

۶۔ پانی کو جسم تک پہنچنے سے مانع ہو: کیونکہ اس کے باریک ہونے کی وجہ سے یا پھٹ جانے کی وجہ سے جسم تک پانی پہنچ گیا تو مسح باطل ہو جائے گا؛ ۷۔ پاؤں کا اگلا حصہ کم از کم تین انگلی کی مقدار پاؤں کے ساتھ موجود ہو؛ اگر ایڑھی موجود ہو مگر پاؤں کا پنجہ موجود نہ ہو تو مسح جائز نہ ہوگا؛

ضروری تنبیہ: آجکل امریکہ اور یورپ میں بسنے والے مسلمان خصوصاً اور دیارِ مشرق میں عموماً اپنی پہنی ہوئی عام جرابوں پر مسح کر لیتے ہیں جو وہ جوتوں کے ساتھ رواجاً پہنتے ہیں؛ اس بارے میں معلوم ہونا چاہئے کہ اگر وہ اتنی موٹی نہیں کہ پانی کو جسم تک پہنچنے سے روک سکے یا مذکورہ شرطیں پوری نہ کرتی ہوں تو ان پر مسح کرنا جائز نہیں گا؛ اور بلا وجہ ضد اور عناد کی وجہ سے اپنی نمازیں ضائع کرنا عقل مندی نہیں ہے؛ احادیث مبارکہ میں جو جوربین کے الفاظ ہیں وہ اردو زبان میں بولے جانے والے لفظ جراب کے معنوں میں نہیں ہیں؛ اور جب کوئی ایسا لفظ حدیث میں استعمال ہو جو کسی اور زبان میں بھی استعمال ہوتا ہو تو کسی ایسے عالم سے جو زمانہ نبوی کی عربی زبان اور اس زمانے کی اصطلاحات جانتا ہو معلوم کر لیا جائے؛ ورنہ اصطلاحات سفر (travel) کرتی ہیں کبھی ایک لفظ کسی زبان میں ایک چیز کا نام ہوتا ہے تو دوسرے وقت میں وہ دوسرے کام کا نام بن جاتا ہے؛ اس لئے لفظی اشتراک سے حکم مشترک نہیں نکالا جا سکتا؛ لہذا جس چیز پر حکم لگایا گیا ہو پہلے دیکھا جائے کہ اپنی اصل کے لحاظ سے اس عمل کا کیا حکم ہے یہ معلوم ہو چکنے کے بعد عمل کیا جائے؛ اور یہی فطری طریقہ ہے بلا وجہ کے ضد اور عناد میں مبتلا رہنا کہیں کی عقل مندی نہیں ہے۔

قصر نماز، روزہ کے افطار کا حکم

اور نماز میں قصر اور سفر کے دوران روزہ نہ رکھنے میں رخصت قرآن کریم میں ثابت ہے؛ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصرو من الصلوٰۃ یعنی جب تم زمین پر چلو اور سفر کرو تو دوران سفر لازم ہونے والی نمازیں قصر کر لیا کرو؛

نوٹ: یہ صرف قصر کا حکم چار رکعتوں والی نماز کے لئے ہے؛ اور نوافل، سنتوں وغیرہ میں تین اختلافی رائے ہیں

۱: رخصت جانتے ہوئے سنتوں کو چھوڑ دیا جائے یا اللہ تعالیٰ کا قرب جانتے ہوئے سنتوں کو ادا کر لیا جائے؛

۲: دوران سفر سنتیں چھوڑ دیں اور منزل پر پہنچ جانے پر ادا کرنا شروع کر دیں

۳: صحیح رائے یہ ہے کہ: دوران سفر اگر کسی قسم کا خوف ہو تو سنتیں چھوڑ دینا اولی، اور اگر اطمنانی کیفیت ہو تو سنتوں کو ادا کرنا اولی اور قابل ترجیح ہے؛ خواہ یہ سفر کسی ثواب کے کام کے لئے کیا جائے یا گناہ کے لئے کیا جا رہا ہو۔

مسافر کی حد مسافت، اور مدت: اگر کوئی شخص اپنے اصل مقام سے اڑتالیس میل یا اسکے مساوی مسافت کے لئے سفر کا ارادہ لیکر نکلے تو اپنے شہر کی حدود سے نکل جانے کے بعد مسافر کہلائے گا؛ اور ائرپورٹ (airport) پر نماز قصر نماز پڑھی جائے گی کیونکہ عموما یہ شہر سے باہر ہوتے ہیں اور انکا حکم شہروں میں نہ ہونے کا ہے اور اس بارے میں یہی تعامل ہے؛ اور پندرہ دن یا اس سے کم تک مسافر ہی رہے گا؛ اور اگر کسی جگہ قیام کا ارادہ کر لیا تو نماز مکمل پڑھے گا؛ اسی طرح اگر امام مقیم کے اقتداء میں نماز پڑھے تو بھی پوری پڑھے گا؛ اور روزے کے افطار کے بارہ میں بھی اگر سفر کی مسافت اور اتنی ہی مدت کا ارادہ ہو تو مسافر کے حکم میں ہوگا ورنہ نہیں؛ اسی لئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے فمن کان من کم مریضا او علی سفر فعدۃٌ من ایامٍ اخر یعنی اگر کوئی شخص مریض ہو؛ یا سفر پر ہو تو رمضان کے روزوں کی قضاء ایام رمضان کے علاوہ دوسرے ایام سے گنتی پوری کرے۔

دسویں خصلت: - اللہ تعالیٰ نے قلم سے صحیفۂ تقدیر لکھوالیا ہے

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے قلم کو ہر چیز کی تقدیر لکھنے کا حکم دیا اور کہا اے قلم لکھ؛ اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جو کچھ بھی قیامت تک ہونے والا ہے اس کو لکھ دے؛ اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے وکلّ شَیْءٍ فعلُوہ فِی الزُّبر؛ اور ہر عمل جو انسان کرتے ہیں وہ نامۂ اعمال میں محفوظ کر دیا جاتا ہے؛ اور ہر چیز خواہ چھوٹی ہو یا بڑی وہ لوح محفوظ میں لکھ دی گئی ہے؛

گیارھویں خصلت : - عذابِ قبر کے بارہ میں

ہم اقرار کرتے ہیں کہ : عذابِ قبر ہر عذاب کے مستحق شخص کو ہوگا ؛ اور منکر نکیر کے سوال وجواب جو قبر میں پوچھے جائیں گے من ربك ؟ من نبيك ؟ من دينك ؟ یہ حق ہیں ؛ اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے پاس معاملہ ہوگا ؛ کیونکہ ان باتوں کا احادیث میں اس کثرت سے ذکر کیا گیا ہے کہ گویا متواتر احادیث کے حکم میں ہے ۔

جنت اور دوزخ

اور جنت اور جہنم حق ہیں ؛ اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق ہیں کہ انسان کی طرح ان پر فناءنہیں ہے ؛ جنت اور اہل جنت کے بارہ میں ارشادِ ربانی ہےأعدت للمتقين یعنی یہ جنت متقی لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے ؛ اور جہنم ، اور اہل جہنم کے بارہ میں ارشادِ باری ہےأعدت للكافرين یعنی جہنم کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ؛ اور جنت اور دوزخ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے جزاء یا سزا کے لئے بنایا ہے ؛

نوٹ : اس دنیا میں انسان ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوتا ہے ؛ اور یہاں کی ہر چیز فانی ہے مگر جنت یا دوزخ میں چونکہ اجر وجزاء ملنے کا آخری اور حتمی مرحلہ ہے لہذا انسان کے ساتھ ہی اس کا وجود بھی ہوگا دونوں پر فنا نہیں ہوگی ؛

میزان ، اعمال نامہ ، اور انکا تول

اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ : میزان حق ہے ؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہےونضع المَوَازِينَ القِسطَ لِيَومِ القِيَامَة اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ساتھ اعمال کو تولیں گے ؛ اور اسی طرح اعمال کا وزن اس دن کیا جانا حق ہے ؛

نوٹ :فمن ثقلت موازينه فاؤلئك هم المُفلحون یعنی جن کے نامہءاعمال میں عملوں کا وزن زیادہ ہوگا وہ کامیاب ہو جائے گا ؛ اور جن کے اعمال کا وزن تھوڑا ہوگا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں ہوتے ہوئے اپنے ساتھ زیادتی کی ، اس وجہ سے کہ دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی اجانے کے باوجود یہ لوگ اپنے ساتھ ظلم اور زیادتی کیا کرتے تھے

قیامت کے دن اعمال نامہ پڑھا جانا

اور ہم اس بات کا اقرار کرتے ہین کہ : قیامت کے دن اعمال نامہ کا پڑھا جانا بھی حق ہے ؛ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے ونخرِجُ له يوم القيامة كتاباًيلقاه منشوراً ؛ اقرء كتابك كفابنفسكَ اليَومَ عَلَيك حَسِيباً؛ یعنی اور ہم قیامت کے دن انکے اعمال نامے کو کھلی کتاب کی طرح ان کے سامنے پھیلا دیں گے ؛ اور کہا جائے گا پڑھو اپنی کتاب ؛ اور یہ اعمال نامہ تیرے محاسبہ کے لئے کافی ہے ؛ دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے :امّامَن اُوتِى كِتَابَه بِيَمِينه فيقول هؤم اقرواكتابيه ؛ یعنی جس شخص کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا ، وہ لوگوں کو خوشی سے یہ کہتا پھرے گا ؛ یہ لو میری کتاب اس کو پڑھ کر دیکھو اس میں کیا لکھا ہے ؛

بارھویں خصلت : - مردوں کو زندہ کرنا ؛ اور میدانِ حشر میں جمع کیا جانا ؛

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ : اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد ان تمام جانوں کو زندہ کرے گا اور سب کو ایک ایسے دن میں اکٹھا کرے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے ؛ اور اس دن تمام انسانوں کو جزاء اور بدلہ دینے کیلئے اکٹھا کیا جائے گا ؛ اور ہر ایک شخص کے حقوق پورے پورے ادا کئے جائیں گے اور :يوم لا تظلم نفس لنفسٍ شيئاً یعنی اس دن کسی جان کے ساتھ کوئی ظلم یا زیادتی نہیں کی جائے گی ؛ اور دوبارہ زندہ کیا جانا اس بنا پر ہے کہ ارشادِ ربانی ہےوان اللــه يبعث من فی القُبُور یعنی اللہ تعالیٰ قبروں سے سب کو دوبارہ زندہ کرے گا ؛

اللہ تعالیٰ کی ملاقات ، اسکی کیفیت ، رسول اللہؐ کی شفاعت

اور ہم اس بات کا اقرار کرتے ہین کہ جنتی لوگوں کے لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ملاقات ہونا حق ہے؛ مگر یہ ملاقات بلا کیفیت اور بلا تشبیہ ہوگی اور نہ ہی کوئی جگہ متعین ہوگی جس طرف سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا جائے۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ کی ملاقات دنیا میں بعض انبیاء کو ان آنکھوں سے بھی ہوئی اور ایسی رؤیۃ دنیاء میں انبیاء کے لئے حق ہے؛ جیسے رسول اللہ ﷺ نے شبِ معراج میں اللہ تعالی کو دیکھا؛ یہ رؤیۃ غیر انبیاء کو نہیں حاصل؛ البتہ خواب میں غیر انبیاء کے لئے بھی حق ہے؛ جیسے امام اعظمؒ نے ایک سو سے زیادہ مرتبہ اللہ تعالی کو دیکھا؛ اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ نے خواب میں اللہ تعالی کو دیکھا؛ اسی طرح اولیاء کرام کا مکاشفات میں اللہ تعالی کو دیکھنا، جو اصل میں خواب ہی کے ہم معنی ہوتے ہیں؛ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ: اولیاء کرام کی کتب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے جتنے واقعات ملتے ہیں یہ سب عالم مکاشفہ یا عالم رؤیا کے واقعات ہوتے ہیں اور ان کا حکم خواب سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔

البتہ اہل التشیع کا عقیدہ ہے کہ: ان کے امام کا الہام اور کشف بمنزلہ وحی ہوتا ہے؛ اور اسی لئے انکے نزدیک امام اپنے الہام سے بعض اوقات قرآنی آیات کو منسوخ کردیتے ہیں؛ جبکہ اہلِ السنّت والجماعت کے ہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے؛ اور بعض اصحاب کو دیکھا کہ وہ مکاشفات پر بنیاد رکھ کر آئمہ تصوف کی تغلیط اور ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں؛ اس سے پرہیز لازم ہے؛ معلوم نہیں کہ انسان مخالفت کرنے حد سے تجاوز کر جائے یا وہ شخص واقعی اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے ہو؛ اور کسی ولی اللہ کی مخالفت یا اس سے ضد وعناد اللہ تعالی کو محاربہ یا اپنے خلاف جنگ کی دعوت دینا ہے اور اس سے ایمان سلب کر لئے جانے کا اندیشہ ہے؛ اور اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے ان باتوں سے بچنا لازم ہے؛

اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی دلیل یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وجوه يومئذ ناظرة الى ربها ناظرة؛ یعنی قیامت کے دن اکثر چہرے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والے ہوں گے اور ان کا دیکھنا اپنے رب کو ہوگا؛ اس آئت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا شبہ دور کر دیا جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالی کی زیارت کسی اور روپ (shape) میں ہوگی؛

شفاعت رسول ﷺ

اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت قیامت کے دن حق ہے؛ اور یہ شفاعت ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اہل جنت میں سے ہوگا؛ اگرچہ وہ شخص کبیرہ گناہ کا مرتکب کیوں نہ ہو جیسے کہ امامؒ نے متنِ فقہ اکبر ۴۷ میں ارشاد فرمایا.

عورت میں افضل ترین عورت

اور سارے جہاں کی عورتوں میں افضل ترین عورت حضرت عائشہؓ الصدیقہ ہیں مگر ان کی افضلیت حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد ہے؛ اور وہ دونوں ام المؤمنین ہیں؛ اور جو ان پر زنا کا الزام لگایا گیا اس سے پاک ہیں؛ اور رافضیوں کے تمام الزامات جو وہ ام المؤمنین کے بارے میں زبان زنی کرتے ہیں ان سے پاک اور بری ہیں؛ اور جو شخص ان پر زنا کا الزام لگاتا ہے وہ مؤمنوں کی ماں پر زنا کا الزام لگانیکی وجہ سے خود ولدالزنا ہے؛ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کی صورتحال سے محفوظ فرمائے

آخرت کا بدلہ دائمی ہوگا نہ کہ وقتی

اور ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: اہل جنت، جنت میں دائمی طور پر رہیں گے اور اہل جہنم، جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے؛ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ:اولئك اصحاب الجنة هم فيها خالدون ؛ یعنی یہی لوگ اہل جنت ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے؛ اور کافروں کے بارہ میں ارشاد ہوا:اولئك اصحابُ النّارهم فيهاخالدون؛ یعنی یہی لوگ جہنم والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

مشق سوالات

۱۔استطاعت فعل اور توفیق فعل میں کیا فرق ہے؟
۲۔موزوں پر مسح کی شرائط کیا ہیں؟
۳۔عرش اور قلم کیا ہیں؟
۴۔اعمال نامہ اور اس کی خصوصیات کیا ہیں؟
۵۔دوبارہ کیوں زندہ کیا جائے گا؟
۶۔آخرت کا بدلہ دائمی ہے یا وقتی؟
۷۔عورتوں میں افضل ترین عورت کے احوال تحریر فرمائیں؟

تصانیف مفتی رشید احمد العلوی

١: الفقه الاكبر تحقيق وترجمه عربی اردو

٢: الفقه الابسط تحقيق وترجمه عربی اردو

٣: العالم والمتعلم تحقيق وترجمه عربی اردو

٤: كتاب الوصية تحقيق وترجمه عربی اردو

٥: المتون المعتبره تاليف عربی

٦: اصول تعلیم اسلامی شرح رسالہ دانشمندی

٧: قصائد حمديه شيخ جيلانیؒ عربی اردو

٨: منيه المصلى تحقيق وترجمه عربی اردو

٩: جامع المسانيد تحقيق عربی اردو

١٠: رساله ماتريديه تحقيق وتصنيف وترجمه عربی اردو

١١: الفقه الابسط تحقيق فارسی شرح ازخواجه گيسودراز وعربی شرح ابومنصورماتريدی واردوترجمه

۱۲: امام اعظم اور علم کلام تصنیف اردو

١٣: الانعام فی سيرة الامام تأليف عربی

١٤: مجموعه الفقه الاكبر تحقيق عربی ومقدمه

١٥ سود کی متبادل اساس تصنيف اردو

نظم

دنیا میں اک نئی طرح کا لانا ہے نظام
چلنا ہے تو چلو ہمارے ساتھ قدم قدم
دنیا کو ہم امن بھی دیں گے پھر دیں گے آرام
امن بھی ایسا سائیہ اس کا ہوگا صبح وشام
دنیا میں یہ ظلم کا ہے جو چلتا ہوا نظام
اصل میں ہے یہ نام عدل پر دھبہ خوں آشام
دنیا کی ہے ریت پرانی چلے چلو تم ساتھ
چلے جدھر دنیا کی ہوا ہے وہی تمھارا کام
نامنظور ہے ریت پرانی مل کر بدلو اس کو
کہا ہمارے شاہ عظیمؒ نے فک کلّ نظام
امیدوں کے تانے بانے بنتے ہیں ہم سب
مدد خدا نے کرنی ہے اور کرے گا آخر گام
امیدوں اور خوف کے بیچوں بیچ ہماری راہ
علوی ہے یہ راہ ہماری اور ہے یہ اسلام

تصانیف مفتی رشید احمد العلوی

١ :الفقه الا کبر تحقیق وترجمه عربی اردو

٢ :الفقه الابسط تحقیق وترجمه عربی اردو

٣ :العالم والمتعلم تحقیق وترجمه عربی اردو

٤ :کتاب الوصیة تحقیق وترجمه عربی اردو

٥ :المتون المعتبره تالیف عربی

٦ :اصول تعلیم اسلامی شرح رساله دانشمندی

٧ :قصائد حمدیه شیخ جیلانیؒ عربی اردو

٨ :منیه المصلی تحقیق وترجمه عربی اردو

٩ :جامع المسانید تحقیق عربی اردو

١٠ :رساله ماتریدیه تحقیق وتصنیف وترجمه عربی اردو

١١ : الفقه الابسط تحقیق فارسی شرح ازخواجه گیسودراز وعربی شرح ابومنصورماتریدی وترجمهاردو

١٢: امام اعظم اور علم کلام تصنیف اردو

١٣ الانعام فی سیرة الامام تألیف عربی

١٤ :مجموعه الفقه الاکبر تحقیق عربی ومقدمه

١٥ سود کی متبادل اساس تصنیف اردو